

# حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

## قرآنِ حکیم کے آئینے میں

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی صاحب مدظلہم

دارُالاشاعت کراچی

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : اپریل ۲۰۰۷ء علمی گرافکس
ضخامت : 264 صفحات
کمپوزنگ : محمد جاوید اقبال

**قارئین سے گزارش**

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

...........ملنے کے پتے...........

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

**Islamic Books Centre**
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

**Azhar Academy Ltd.**
London
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999
Email : sales@azharacademy.com.
Website : www.azharacademy.com

امریکہ میں ملنے کے پتے

**DARUL-ULOOM AL-MADANIA**
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

**MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE**
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

# انتساب

## ربِّ محمد ﷺ کے نام

خداوندا! مصطفٰے ﷺ کے ابرِ رحمت کو مری

ہستی پہ برسادے

مجھے صدقِ ابوبکر رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ دے دے

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جذبہ عنایت ہو

حیائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نگاہوں کو بدل ڈالے

اسیری کی ردائے پاک کا سایہ ملے مجھ کو

مرا بچہ رسول پاک ﷺ کا نقشِ قدم بن کر

ہماری ناتمامی کو مٹا ڈالے

ربُّ العزت:

اس انتساب کو اور اس دعا کو قبول فرمالے، روزِ قیامت سرورِ کائنات ﷺ کے علم کے سائے تلے ہمیں پناہ دینا، ہمارے اعمال کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کہ رسول ﷺ کے ذکر سے ہمارے دل بار بار دھڑکے ہیں یہ میری، میری بیوی اور میرے بچوں کی دعا اور التجا ہے۔

خداوند!

اگر یہ تحریر کسی قابل ہے تو اپنے فرشتوں کو اسے ایک درود، ایک سلام کے طور پر حضور ختم المرسلین ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں پیش کرنے کا حکم عطا کردے۔

آمین یا ربّ العالمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# عرض ناشر

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دورِ حاضر میں انسان نے فنی اور تکنیکی اعتبار سے بہت ترقی کی ہے اور حیرت انگیز ایجادات کے ذریعے اپنی آسائشوں کا سامان داو تسخیر موجودات کے لئے بے شمار وسائل کر لئے ہیں لیکن یہ حقیقت بھی نا قابل تردید ہے کہ دورِ حاضر سے زیادہ کسی گزشتہ دور میں انسان بے چین و بے قرار اور امن وسلامتی سے محروم نہیں رہا انسان کی آزادی اور شعور بیدار سے بیدار تر ہو رہا ہے۔ لیکن اس دور میں ایک انسان دوسرے انسان کے اور ایک قوم دوسری قوموں کے استحصال پر بھی آج سب سے زیادہ مستعد ہے۔ اس کی اصل اور بنیادی وجہ صرف اور صرف ایک۔ ہے یعنی اسوۂ رسول کریم ﷺ سے انسانیت کی بے خبری۔

ہم بحیثیت مسلمان اپنے ہادیٔ برحق رسول اکرم ﷺ سے جو بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں وہ تو ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کیونکہ اس وابستگی کے بغیر ایمان کا کوئی تقاضا پورا نہیں ہو سکتا لیکن حضور ﷺ کی سیرت پاک سارے عالموں کے لئے رحمت ہے اس لئے عالم انسانیت کے فوز وفلاح اور امن وسلامتی کے لئے اُسوۂ محمد ﷺ سے بہتر ہدایت کی روشنی کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

دارالاشاعت کراچی کو الحمدللہ یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ پر متعدد نہایت مستند چھوٹی بڑی کتابیں شائع کیں اور جنہوں نے قبول عام حاصل کیا اور مقام مسرت ہے کہ یہ کُتب تمام حلقوں میں پسند کی گئیں ہیں۔ ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی صاحب کی تصنیف کردہ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں اور اپنے فضل وکرم سے آنحضرت ﷺ کی شفاعت عطا فرمائیں۔ آمین

والسلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# حرفِ اوّل

حمد اس ربُّ العزت کے لئے جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم عطا کیا اور اس سلسلہ کو جاری رکھا، جس نے ہمیں تخلیق فرمایا اور بیان کی قوت عطا کی تا کہ یہ قوت وصلاحیت اس کے اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر، قرآن حکیم کی تعلیمات کی اشاعت اور انسانی زندگی کی تعمیر کے لئے صرف کی جائے۔

مجھے اپنی بے بضاعتی، کم علمی اور کوتاہیوں کا پورا اندازہ ہے لیکن میری تمنا ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ حضور ﷺ کے سیرت نگاروں، اور مداحوں میں میرا شمار بھی ہو۔

زیرِ نظر کتاب کا آغاز ۱۹۶۶ء میں مدینہ منورہ میں ہوا گنبد خضریٰ کے جلوؤں کو نظروں میں آباد کر کے سرور دنیا و دین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضری دی اور صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا پھر صُفہ کے قریب بیٹھ کر اس تحریر کا آغاز کیا شاید وہ ستمبر کی نویں یا دسویں تاریخ تھی۔ اس تحریر نے ایک مضمون کی شکل اختیار کی اور یہ مضمون سیارہ ڈائجسٹ لاہور کے کسی شمارے میں شائع ہوا، پتہ نہیں کیسے بعض حصے حذف ہو گئے، بعد میں یہی مضمون ایک مختصر کتاب کی صورت میں شائع کیا گیا، ”عکسِ محمدی ﷺ قرآن کے آئینے میں“

۱۹۷۰ء میں جاپان گیا اور وہاں اس کتابچے کو بڑھانے اور نئے انداز سے لکھنے کا خیال آیا اور کام شروع کر دیا۔ ۱۹۷۱ء میں مسودہ ایک محترم دوست کے ذریعے اپنے ناشر کے پاس کراچی بھیجا، مگر شائع نہ ہو سکا اور ۱۹۷۳ء میں، میں واپس آ گیا ۱۹۷۳ء میں مسلسل اس کتاب کی اشاعت کے لئے کچھ نہ کچھ کوشش کرتا رہا کئی کتابیں چھپ گئیں مگر یہ کتاب ایک مقدس خواہش کی صورت اختیار کر گئی، ایک کاتب صاحب مسودہ لے کر پنجاب چلے گئے اور دو تین سال تک کچھ پتہ نہیں چلا اور جب میں مایوس ہو چکا تھا تو ایک دن یہ مسودہ واپس آ گیا کوئی اتنی

صفحات غائب تھے ابتدائی صفحات۔ میں اتنا اداس ہوا کہ مدتوں کچھ نہ لکھا گیا، سوچتا تھا کہ آخر یہ سب ہے کیا؟ اس مایوسی کے عالم میں کاغذ کے ایک تاجر نے کہا کہ آپ اداس کیوں ہیں؟ یہ تو اشارہ ہے کہ آپ اس حصہ کو دوبارہ لکھیں، اس بار انشاءاللہ پہلے سے بہتر لکھیں گے یہ کچھ کم سعادت ہے کہ آپ حضور ﷺ کے بارے میں سوچتے رہیں اور لکھتے رہیں۔

ان کلمات نے ذہن کی فضا بدل لی، مایوسی کی جگہ ایک سکون نے لے لی لیکن کام دوبارہ شروع نہ کر سکا اور ادھورا مسودہ جس کی کتابت ہو چکی تھی حسنین کاظمی صاحب کو دے دیا، چاہتا تھا کہ وہ اسے ایک نظر دیکھ لیں۔

پھر وہ اگست ۱۹۹۰ء میں ربیع الاول کے آغاز سے کوئی ایک ماہ پہلے کتابت اور مسودہ دے گئے اور اس حکم کے ساتھ کہ اس ربیع الاول میں یہ کتاب شائع ہو گی، میں نے کتاب کی تصحیح کی اور کام محمد ابراہیم غوری سلمہ کے سپرد کیا اور گم شدہ حصہ پھر لکھنے بیٹھ گیا وقت کی کمی کی وجہ سے ابتدائی حصے کے بعض ابواب بے حد مختصر ہیں انشاءاللہ اگلی اشاعت میں یہ حصے زیادہ تفصیل کے ساتھ پیش کئے جائیں گے۔

دل چاہا کہ کتاب کی روئداد قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کر دی جائے اس کتاب کی اشاعت کے لئے بلقیس مسلسل اصرار کرتی رہیں مگر مقررہ وقت سے پہلے شائع کیسے ہوتی، ربِّ محمد ﷺ کو تو یہ منظور تھا کہ یہ کتاب سال محمدی میں شائع ہو اس سال ہجری میں نبی اکرم ﷺ کے وصال پر چودہ صدیاں گذر چکی ہیں اور اس طویل مدت کے ہر لمحہ نے اس کائنات اور اہل ایمان کے دلوں میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی موجودگی کی شہادت دی ہے وہ موجودگی اور موجودگی کا وہ احساس جو ہمارے لئے حیات بخش ہے اس سال کتنی ہی تقریبات منائی جائیں گی حضور سرور کائنات ﷺ کے ذکر کی کتنی ہی محفلیں سجائی جائیں گی، کتنی ہی تحریریں شائع ہوں گی اور اس سمندر میں یہ قطرہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس اُمتی کا ہدیۂ حقیر ہے اور آپ جانتے ہی ہیں

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

آخر میں اپنے دوست، ممتاز عالم اور ام القریٰ یونیورسٹی میں تحقیق کے پروفیسر، مولانا ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے بڑی توجہ سے پورے مسودہ کو پڑھا تھا بعض اغلاط کی تصحیح کی تھی اور کئی مفید مشورے دیئے تھے جو حصے دوبارہ لکھے گئے وہ ضرور ان کی

نظر سے نہیں گزرے۔

اللہ سے دعا ہے کہ یہ ہدیہ، نبی آخرالزماں ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہو اور اس کتاب کی کسی غلطی پر میرا مواخذہ نہ کیا جائے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ مجھے میری کوتاہیوں کی اطلاع دیں، عاکف سلمہ، محمد شریف اعوان سلمہ، اور ابراہیم غوری سلمہ، نے کتاب کے ہر مرحلے میں میرا ساتھ دیا اس کے لئے میرے پاس صرف دعائیں ہیں اجر ربِ محمد عربی ﷺ کے پاس ہے۔

سید محمد ابوالخیر کشفی

۲۹ صفر ۱۴۲۱ھ

# فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ
رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًاۙ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً
وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَالَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ
لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَكَانَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ
سَلٰمٌ ج وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًاۙ وَّ
دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝

# دعائے خلیل علیہ السلام اور نویدِ مسیحا علیہ السلام

سعودی عرب میں مغرب کے وقت جب مؤذن بیت اللہ اور مؤذن مسجد نبوی ﷺ کے ہونٹوں پر اللہ ﷻ کے نام کے ساتھ ساتھ محمد ﷺ کا نام دعوتِ صلاۃ وفلاح میں آتا ہے تو وقت کی رفتار ناپی جاتی ہے، اور گھڑیاں اس آواز پر اسی طرح متحد ہو جاتی ہیں جس طرح ان دونوں عناصر (توحید ورسالت) نے دنیائے اسلام کو متحد کر رکھا ہے۔

یہ آواز چودہ صدیوں سے گونج رہی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کائنات میں ع

محمد ﷺ کا اب تک دھڑکتا ہے دل!

اور یہ دل ہمیشہ دھڑکتا رہے گا

یہ نام چودہ سو سال کی مدت اور عہدِ حاضر کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نام، یہ اسم گرامی جو ایک زندہ وجود ہے، اور سارے کرۂ ارض پر بسنے والے اہل ایمان کے لیے زندگی کی علامت اور تحریک ہے۔ یہ علامت اور تحریک، بیت اللہ سے دنیا کے ہر گوشے تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ نام ابرِ کرم کی طرح ''گنگا سے ٹیکس تک'' ہر جگہ برسا ہے۔ قرآن کریم نے ''سیروا فی الارض'' کی تعلیم دی ہے۔ اس سے ایک طرف تو ''عاقبة المكذبين'' سامنے آجاتی ہے اور دوسری طرف محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمِ گرامی، انفاسِ پاک اور زندگی بخش آثار کے حقائق مشہود طور پر ابھر آتے ہیں۔

وقت کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا جب دنیا کے کسی نہ کسی گوشے میں نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و درود کے ہدیے نہ پیش کیے جاتے ہوں۔ مدینہ منورہ میں صبح تاروں کی چھاؤں میں صلوٰۃ و درود کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے روضۂ مبارک کے روبرو کھڑے ہو کر آسٹریلیا، یورپ، امریکہ، افریقہ اور ایشیا کے ہر ملک اور خطے کے لوگ اپنی روح کے ساز پر یہ نغمۂ جاں، حرفِ سپاس اور شہادت فرشتوں کی ہم نوائی میں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

''سلام و درود، سید الکریم ﷺ پر

اے رسول عظیم ﷺ! اے رؤف و رحیم! آپ پر اللہ کی برکتیں ہوں۔

اے وہ کہ تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اور اللہ کا آخری رسول ہے۔ اللہ اور فرشتوں کے صلوٰۃ و سلام کے ساتھ ہم بھی شریک ہیں۔

اے نور عرش! اے خیر خلق ﷺ۔ تجھ پر لاکھوں سلام

اے رحمۃ للعالمین ﷺ! تجھ پر لاکھوں درود

اے یٰسین! اے طٰہٰ! اے بشیر ﷺ! اے سراج منیر ﷺ

''ہمیں مایوس نہ فرمانا۔ قیامت کے دن تیرے علم کا سایہ ہمارے سروں پر ہے''۔

یارسول اللہ (ﷺ)! ہم اپنے ایمان کی تمام کمزوریوں کو جاننے کے باوجود گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عظیم ترین رسول کی تمام تر عظمتوں کے ساتھ، اللہ کا پیغام ہم تک پہنچایا۔ اور ہم آپ سے شرمندہ ہیں کہ جو فریضہ آپ ﷺ نے اُمت کے سپرد کیا تھا، ہم اسے اچھی طرح انجام نہیں دے رہے ہیں۔

اے سلطانِ انبیا و مرسلین ﷺ! تیری عظمت کی سوگند، کہ ہم اپنی زندگی کے نقشے کو بدلنے کی کوشش کریں گے۔

اے شہ، عرب و عجم! تیری ایک نگاہِ لطف، تیرا ایک اشارہ، بس یہی ہمیں درکار ہے''

سرزمین حجاز کے ہر حصے میں سفر کرتے ہوئے قدم قدم پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم تاریخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ تاریخ کسی مردہ ماضی کا نام نہیں بلکہ روشنیوں کے جلوس کا نام ہے۔ تاریخ کے عظیم افراد اپنے ہاتھوں میں قندیلیں لئے آگے بڑھ رہے ہیں، اور پھر جیسے وقت کی آندھیاں ان قندیلوں کو بجھا دیتی ہیں۔ ان کے بجھتے ہی یونان کا فلسفہ، روم کی تہذیب، مصر کی تمدنی فتوحات، برعظیم پاک و ہند کی مدنیت اور چین کے کارنامے، سب ہی ایک غبار میں کھو جاتے ہیں۔

جب یہ غبار چھٹتا ہے تو انسان پھر وحشت و بربریت کے جامے میں نظر آتا ہے۔ زمین ''اللہ کے نائب'' سے شرمانے لگتی ہے، اور بارگاہ ربُّ العزت کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھتی ہے۔ زمین کی نگاہوں کی بے چارگی کا جواب بن کر وہ کامل ترین انسان اس دنیا میں آتا ہے کہ

زمین اپنے پیدا کرنے والے کے نور سے جگمگا اٹھتی ہے۔ ﷺ۔ حضرت خلیل علیہ السلام کی دعاؤں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارمانوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نوید کو انسانی پیکر مل جاتا ہے۔

ہوئی پہلوئے آمنہؓ سے ہویدا
دعائے خلیل علیہ السلام اور نوید مسیحا علیہ السلام

خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہوئے، حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت وہ صبح، مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے جب مکہ والوں کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا تھا کہ ''وہ امین آگیا، وہ صادق آگیا ہم اس کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ یہ تو محمد ﷺ (1) ہے''۔ اور پھر خوں آشام تلواریں اس امینِ وصادقؐ کے فیصلے کی وجہ سے نیاموں میں چلی گئیں۔ یہ واقعہ سرورِ کائنات ﷺ کی نبوت کا پیش خیمہ ہے۔ ایسا طائر جو بہار کے شگوفے کھلنے سے پہلے ہی بہار کی آمد کے نغمے سنا جائے۔

اور مقامِ ابراہیم پر نفل ادا کرتے ہوئے وہ لمحات تصور کی دنیا سے نکل کر حقیقت کے دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں، جب دو قدسی نفس انسان اللہ کے پہلے گھر کی تعمیر میں مصروف تھے، اور ان کے ہونٹوں پر وہ دعا تھی جسے قرآن مجید نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام بیت اللہ کی دیواریں اونچی کر رہے تھے (تو ان کے لبوں پر یہ دعا تھی کہ) اے ہمارے رب! ہماری یہ خدمت قبول

---

(1) ......ان کے الفاظ تھے '' هذا الامين، رضينا هذا محمد''

فرما بے شک تو خوب سننے اور جاننے والا ہے اور اے ہمارے رب! ہم کو اپنا فرمانبردار اور مُسلم بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک اُمت مُسلمہ پیدا کر دے جو تیرے احکام کی پابند ہو اور ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتادے عبادت و محکومیت کے حقیقی طریقے (مناسک) سکھا دے اور ہمارے حال پر توجہ فرما، بے شک تو توجہ فرمانے والا اور رحیم ہے اور اے ہمارے رب! اسی جماعت کے اندر سے ان ہی کا ایک ایسا رسول مبعوث فرمانا جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنایا کرے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کر دے۔ (ان کا تزکیۂ نفس کرے) بیشک تو غالب اور صاحب حکمت ہے) (سورۃ البقرہ: آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹)

اور پھر خانہ کعبہ سے قدرے فاصلہ ہی پر مولدِ نبوی ﷺ کی زیارت کرتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نوید کانوں میں گونجنے لگتی ہے۔ وہ نوید جو آج کی مسخ شدہ انجیل میں موجود ہے۔

''جب وہ مددگار (فارقلیط) آئے گا تو میری گواہی دے گا۔'' (انجیل: یوحنا)

''میں تم سے کہتا ہوں کہ میرا جانا ہی تمہارے لئے مفید ہوگا، کیونکہ میرے جائے بغیر وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ جب وہ روح صداقت تمہارے پاس آئے گا تو تم کو مکمل سچائی کی راہ دکھائے گا۔'' (انجیل: یوحنا)

خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ (انجیل: استثنا)

انجیل میں فارقلیط (معرب) کا لفظ حضور ﷺ کی ذات کے لئے ہی استعمال ہوا ہے، جس کے معنی ہیں ''احمد'' کتب سیر کے مطابق آپ کا نام حضرت عبدالمطلب نے محمد (ﷺ) اور حضرت آمنہ نے احمد (ﷺ) رکھا تھا۔ وہ نام جو نویدِ مسیحا میں موجود ہے۔

وَاِذْقَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات آچکی ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آئیں گے جن کا نام (مبارک) احمد (ﷺ) ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں''۔

(الصف، آیت:۶)

چار مقدس کتابوں (تورات، زبور، انجیل اور قرآن حکیم) کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے رسولوں پر بھی صحیفے نازل فرمائے۔ صحیفۂ ابراہیم کا قرآن مجید میں ذکر ہے

صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى (سورۂ اعلےٰ: آیت ۱۹)

قرآن مجید کے مطابق رسولوں پر ان کی زبانوں میں وحی بھیجی گئی اور کوئی قابل ذکر قوم یا خطۂ ارضی وحی و ہدایت اور رسولوں سے محروم نہیں رہا۔

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی رسول اکرم ﷺ کی آمد اور بعثت کی پیش گوئیاں موجود ہیں۔ انہیں چھپانے اور دبانے کی بہت کوششیں کی گئیں لیکن بشارتوں کے مختلف مجموعوں میں انہیں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ حال ہی میں ہندوستان میں کلکی اوتار (KALKI AUTAR) کے نام سے پنڈت اپدھائے کی کتاب شائع ہوئی ہے۔ ان کا تعلق الٰہ آباد یونیورسٹی سے رہا ہے۔

ہندو عرصے سے ہدایت یافتہ رہنما اور اوتار کا انتظار کر رہے ہیں جس کے بارے میں تفصیلات ویدوں اور ان کی مذہبی کتابوں میں موجود ہیں۔ پنڈت اپدھائے نے اپنے ہم مذہبوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ روح صداقت تو چودہ صدیوں پہلے دنیا میں آچکا ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ اس کتاب میں جو نکات پیش کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ کلکی اوتار آخری پیغمبر ہوگا اور وہ سارے انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا جائے گا۔

۲۔ کلکی اوتار کے والد کا نام وشنو بھگت اور والدہ کا نام سرمانی ہوگا۔ وشنو کے معنی ہیں خدا اور بھگت کے معنی ہیں بندہ، غلام۔ یہ صاف صاف ''عبداللہ'' کا ترجمہ ہے۔ سرمانی کے معنی ہیں امن یعنی آمنہ

۳۔ ان پیش گوئیوں کے مطابق کلکی اوتار کی پسندیدہ غذا کھجور اور زیتون ہوگی۔ وہ اپنے علاقے کا سب سے امانت دار اور سچا آدمی ہوگا (نبی اکرم ﷺ کو رسالت سے پہلے ہی

مکہ والے ''امین'' اور ''صادق'' کہتے تھے)

۴۔ ویدوں کے مطابق کلکی اوتار عرب کے علاقے میں پیدا ہوگا۔

۵۔ ویدوں کے مطابق کلکی اوتار نہایت معزز قبیلے میں پیدا ہوگا (حضور ﷺ قبیلۂ قریش میں پیدا ہوئے)

۶۔ کلکی اوتار کو اللہ کا پیغام ایک غار میں ملے گا (غارِ حرا)

۷۔ کلکی اوتار کو کرۂ ارض اور ساتوں آسمانوں کی سیر کے لئے برق رفتار گھوڑا عطا کیا جائے گا (معراج کی طرف اشارہ ہے)

ایسی ہی دوسری حیرت میں ڈالنے والی تفصیلات اور بھی ان مقدس کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نوید کو اپریل ۵۷۱ء میں بارگاہ رب العزت سے لباس بشری عطا ہوا۔ انسانیت نے قاب توسین کی بلندی پالی، اور انسان یہ کہنے کے قابل ہوگیا کہ ع

مقام بندگی دے کے نہ لوں شان خداوندی

ہماری تقویم میں وہ ربیع الاول کا مقدس مہینہ تھا جب اس عالم رنگ و بو میں وہ آگیا جس کا اسم گرامی طالبان مدعا کے لئے نسیم گرہ کشا ہے، وہ نسیم جس سے غنچۂ ادراک کھلتا ہے، ربیع الاول کی بارہویں ❶ تاریخ کو اس عالم کن فکاں کے ذروں نے اس حقیقت نما کے نقوش پا کو بوسہ دیا کہ سواد صبح ازل جس کے راستے کا غبار ہے۔ اور فنا کے اس دشت میں وہ ذات آپہنچی کہ جو روضۂ بقا تھی، ہے اور رہے گی ❷ ﷺ جسے اس کے بھیجنے والے نے سراج منیر کہہ کر بھیجا۔ وہ جو شرف آدم کی سب سے بڑی دلیل اور آیت ہے۔ وہ آگیا جس کے کلمات دیدۂ روزگار کے لئے سرمۂ بصیرت ہیں، اور وہ جس کا عکس آج بھی انسان کے ہر خوبصورت بول اور ہر تعمیری خیال میں نظر آتا ہے۔ تاریخ انسانیت کے اندھیروں کو چاک کرتا ہوا وہ شعلہ نمودار ہوگیا جسکی آغوش

---

❶ ..... تاریخ کے بارے میں ارباب سیر اور مؤرخین میں اختلاف ہے۔ ۹ ربیع الاول کے حق میں بھی قوی شواہد موجود ہیں۔

❷ .....

وہ جس کے لطف سے کھلتا ہے غنچۂ ادراک
وہ جس کا نام نسیم گرہ کشا کی طرح
سواد صبح ازل جس کے راستے کا غبار
طلسم لوح ابد جس کے نقش پا کی طرح
خزاں کے جنگلۂ ویراں میں وہ شگفتہ بہار
فنا کے دشت میں وہ روضۂ بقا کی طرح

سراج الدین ظفر

میں ہمارے لئے اسلام کا نورست نما تھا۔ وہ آ گیا جو مجسم ہدایت تھا اور ہمارے لئے ہدایت کا سبب ہے۔ وہ آ گیا جو حق و باطل کے درمیان فرقان ہے، اور ہمارے لئے اللہ کی حجت۔ وہ خاتم النبیین، سید المرسلین، امام الثقلین اور رسول رب العالمین آ گیا جو اللہ کی صفتِ رحمت کی دلیل ہے۔

مکہ کی وادیوں پر اس آفتاب کی کرنیں پھیل گئیں جسے محمد ﷺ کا نام دیا گیا۔ وہ جو صاحب تاج وعصا ہے، وہ جو کراماتوں والا ہے، وہ کہ نشانیات اور معجزات جس کے نقوشِ قدم ہیں، وہ جو روشن علامتوں والا ہے، اور وہ جو صاحبِ کوثر ہے۔ وہ صاحبِ کلام آ گیا کہ "پتھروں" نے جس کی صداقت کی شہادت دی اور جس کا وسیلہ ہمارے اور دوزخ کے درمیان آڑ ہے۔ ﷺ۔

نبی اکرم ﷺ قریش کے قبیلۂ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے جسے کعبہ ❶ کے متولی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ وہ کعبہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت المقدس سے تقریباً تیرہ سو سال پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ تعمیر فرمایا تھا، اور جسے رب العزت نے اپنے گھر کے طور پر پسند فرمایا، یہی نہیں بلکہ جس کی اولیت کی تصدیق بھی قرآن عظیم میں موجود ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۝

"بے شک وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے لئے (برائے عبادت) مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے (جو) بابرکت (ہے) اور جہاں بھر کے لوگوں کے لئے موجب ہدایت ہے اور جسے عالم انسانیت کے لئے دارالامن قرار دیا ہے۔" (آلِ عمران ۳: آیت ۹۶)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ

"اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے کعبہ کو انسانوں کا معبد اور (مقامِ امن بنایا"۔ (البقرۃ ۲: ۱۲۵)

❶ ...... کعبہ جو آج ملت اسلامیہ کا مرکز اور اس بات کا اشارہ ہے کہ امامت اقوام عالم ہماری ذمہ داری ہے۔ کاش ہمیں اس ذمہ داری کی سنگینی کا احساس ہو سکے۔

یہ حقیقت اس بات کی شہادت ہے کہ رب کعبہ نے کعبہ کے متولی خاندان کو رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے طور پر اس لئے چنا کہ خانوادۂ ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کے اس فرزندِ جلیل کی نگاہوں کی تمنا اور آرزو اور بار بار مڑ کر دیکھنے کے جواب میں ''تحویل قبلہ'' کے ذریعہ کعبہ کی تعمیر کے مقصد کی تکمیل ہو سکے۔

# عرب قبلِ اسلام

حضور سرور کائنات ﷺ کی پیدائش کے وقت عرب اور بقیہ دنیا کی جو کیفیت تھی وہ ایک معلوم بات ہے، اوراس باب میں کسی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ظلمتوں کی انتہا کا دور تھا۔ انسان کے ذہن میں نہ اپنی مرکزی اہمیت کا کوئی تصور تھا نہ وہ تخلیقِ کائنات کے ''بالحق'' ہونے کے بارے میں کچھ جانتا تھا، اور نہ خالق کائنات سے اس کا کوئی رشتہ باقی رہ گیا تھا یہودی اور عیسائی اللہ کے منکر نہ تھے مگر انہوں نے اپنے احبار و رہبان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس کو ''اربابًا من دون اللّٰہ'' کے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔ مشرکینِ عرب بھی ''خالق اکبر'' کے منکر نہ تھے، لیکن انہوں نے اس کے اختیارات اپنے بتوں میں تقسیم کر دیے تھے، (سوائے تخلیق کے) معاشرتی طور پر قتل و غارت گری، بدکاری اور ظلم وستم کو قانون کا درجہ حاصل تھا۔ عرب ان تمام برائیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا، مگر عربوں میں کچھ خصوصیات ایسی تھیں جن کی بناء پر وہی اللہ کے آخری پیغام کے مخاطب اول بن سکتے تھے۔ وہ فلسفیانہ اور ذہنی قلابازیوں سے نا آشنا تھے، اور اسی لئے ان کی قوت وحرکت کے خزانوں کو برائیوں کی طرف سے خیر وسعادت کی راہوں کی طرف موڑا جا سکتا تھا۔

قرآنِ حکیم میں عرب قبلِ اسلام کی کیفیت کئی مقامات پر پیش کی گئی ہے اور کتاب اللہ کی روشنی میں عربوں کی زندگی کے کئی پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مثلاً ان کی باہمی لڑائیاں، جن کو اسلام نے ایسی محبت میں بدل دیا کہ وہ اسلام لانے کے بعد آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ اخلاقی حالت کا اندازہ سود، قرعہ اندازی، ٹونکے اور ٹونے، جنسی معاملات میں بے راہ روی (مثلاً دو بہنوں کا ''نکاح'' میں جمع کرنا) سے ہو سکتا ہے۔ عبادت کا یہ انداز کہ برہنہ ہو کر طواف کرتے اور سیٹیاں بجاتے۔ اور دوسری طرف یہ انتہا پسندی کہ سفرِ حج میں کسبِ معاش کو ممنوع قرار دے رکھا تھا۔ مشرکین عرب کا ذہن کتنے ہی اوہام وتوہمات میں گرفتار تھا۔ انہیں اوہام کے تحت وہ جانوروں کے کان چیر کر انہیں اپنے ''خداؤں'' کے نام پر وقف کر دیتے۔

عربوں کی زندگی قبلِ اسلام کے بارے میں چند اشارے کیے گئے۔ مناسب ہو گا کہ ان کی

مذہبی زندگی کے بارے میں کچھ اور عرض کر دیا جائے کیونکہ اس طرح خود قرآن حکیم کے بعض مقامات کا پسِ منظر معلوم ہو سکے گا، اور یہ بھی اندازہ ہو سکے گا کہ قرآن کے اولین مخاطب کس ذہن اور نفسیاتی کوائف کے مالک تھے، اور قرآن نے کس کس انداز میں انہیں مخاطب کیا ہے، اور کس طرح انفس و آفاق کی نشانیوں کو پیش کر کے شرک کے تصورات پر کاری ضرب لگائی ہے۔

اسلام سے پہلے عربوں میں بیت اللہ کا احترام باقی تھا بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ خانۂ کعبہ کو ان کی اجتماعی زندگی میں اساسی اہمیت حاصل تھی۔ حج اور عمرہ کے مہینے حرام تھے جن میں راستے سفر کے لئے محفوظ رہتے۔ اسی بات سے اس حقیقت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ تعمیر کے ساتھ ساتھ اس کے معمار (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اور ان کے شریک معمار (حضرت اسماعیل علیہ السلام) سے بھی انہیں نسبت تھی۔ عہد جاہلیت کے عرب اپنے بارے میں یہی گمان رکھتے تھے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے مذہب پر قائم ہیں لیکن صورت حال یہ تھی کہ انہوں نے صدیوں اللہ کے دین میں اپنے عقائد و خیالات، ہوا و ہوس اور مفاد پرستیوں کو اس طرح شامل کیا کہ اس دین کے نقوش بھی پہچانے نہیں جاتے تھے۔ ان کا پورا مذہب خود، ان کی نظروں میں مشتبہ ہو کر رہ گیا تھا، اور اس کی مثال قتلِ اولاد ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ
شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ط

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے خیال میں اُن کے شرکاء (معبودوں) نے اُن کی اولاد کے قتل کو مستحسن بنا دیا ہے تا کہ اُن کو ہلاکت میں ڈال دیں اور اُن کے دین کو اُن کے لئے خلط ملط کر دیں (مشتبہ بنا دیں)۔" (الانعام ۶:۱۳۷)

مشرکین عرب اللہ کے خالق ہونے کے قائل تھے۔ اسی طرح وہ موت کو بھی حکم ربی سمجھتے تھے، مگر انہوں نے ارباب من دون اللہ کے کتنے ہی آستانے سجا لئے تھے اور ان آستانوں پر جبین نیاز جھکا دی تھی۔ وہ اپنے بتوں کو خالق اکبر کے حضور اپنا شفیع اور مددگار جانتے تھے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا

لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○

''اور یہ لوگ پرستش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ (اے محمد ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کہ'' کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے۔'' (سورہ یونس ۱۰: آیت ۱۸)

خدائے بلند و بزرگ کے انداز بیان کا یہ حسن تو دیکھئے کہ یہ لوگ اسے اس کے شرکاء کے بارے میں ''خبر'' دے رہے ہیں۔ اور پھر ان مشرکین نے اللہ کی بیٹیاں اور بیٹے ''تصنیف'' کر لئے تھے۔

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ (انعام ۶: آیت ۱۰۱)

''اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں بلا سند تراش رکھی ہیں وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔''

وہ بُت جو، ان ''بندگانِ ضرورت کے آفریدہ'' تھے اُن کے شجرۂ نسب کو ان ''مخلوق و عابد خالقوں'' نے اللہ سے ملا دیا تھا۔ یہ لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اب ذرا عیسائیوں کے اس ''ظلم'' کا اندازہ تو کیجئے۔ جو انہوں نے اللہ کے جلیل القدر نبی اور اپنے ہادی کو خدا کا بیٹا قرار دے کر کیا ہے۔

اس مقام پر عرب کے عیسائیوں اور یہودیوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ اہل کتاب، اپنی کتابوں کی روشنی میں سچائیوں کے ''گواہ''، ''مددگار'' اور ''روح صداقت'' کا انتظار کر رہے تھے۔ فضا میں جس کی کیفیت بارش کی آمد آمد کی نشان دہی کر رہی تھی: لیکن جب محمد عربی ﷺ اللہ کی باران رحمت کی صورت انسانی ذہن، روح اور اس دنیا کے ہر ذرے کی پیاس بجھانے کے لئے تشریف لائے تو اپنے ادنٰی مفادات کی خاطر ان لوگوں نے حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

''اور جب اُن کو ایک ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو منجانب اللہ ہے (اور) اس کی (بھی) تصدیق کرنے والی ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے (یعنی توریت) حالانکہ اس سے قبل وہ (خود) بیان کیا کرتے تھے کفار سے۔ پھر جب وہ چیز آپہنچی جس کو وہ (خوب جانتے) پہچانتے ہیں تو اس کا (صاف) انکار کر بیٹھے، پس منکروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت''۔ (البقرہ۲:۸۹)

یہی نہیں بلکہ اہلِ کتاب نے مشرکین کے ذہنوں میں مختلف قسم کے شکوک پیدا کئے اور انہیں مختلف ''سوالات'' سجھائے۔ ان کا یہ رویہ اپنی سیاست وقیادت کے قیام کے لئے تھا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے برتاؤ سے مشرکوں کو یہ یقین ہو جائے گا کہ (معاذ اللہ) یہ نبی سچا نہیں ہے۔

مدینہ کے قُرب وجوار میں یہودیوں کی کئی بستیاں تھیں اور یہاں کے قبائل خاص طور پر اوس وخزرج، سے ان کے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ ان قبیلوں کے قبول اسلام کے ساتھ ہی یہودیوں کے دلوں کی زمین میں دشمنی کے بیج تعصب اور مفاد کی کھاد کے سہارے نشوونما پا کر نفرت کے درختوں میں بدل گئے، مگر اپنی دشمنی کو ان یہودیوں نے منافقانہ کمال کے ساتھ چھپایا، اور جماعت مسلمہ میں انتشار پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ان کی نفرت اتنی شدید تھی کہ انتہائی احتیاط کے باوجود اس کا اظہار ہو ہی جاتا تھا۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو ان کی چالوں سے یوں آگاہ کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

''اے مومنو! اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا کسی کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ

تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں۔ واقعی بُغض اُن کے منہ (زبان) سے ظاہر ہو کر رہتا ہے اور جس قدر اُن کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ تو بہت کچھ (اور کہیں زیادہ شدید) ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے ہیں اگر تم، عقل رکھتے ہو"۔

(سورۃ آلِ عمران ۳: آیت ۱۱۸)

یہ تھا وہ دینی، اخلاقی اور معاشرتی پسِ منظر جس میں دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ کو انسانی پیکر میں ڈھالا گیا تا کہ انسانوں کے لئے اللہ کے ازلی و ابدی دین کو اس کی مکمل شکل میں پیش کر کے ہمیشہ کے لئے ان کے سامنے ایک صراطِ مستقیم پیش کر دی جائے۔ وہ صراطِ مستقیم جو قرآن کریم کے حروف اور محمد عربی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے ہر لمحہ اور ہر پل میں جگمگاتی نظر آتی ہے، اور انسانوں کو اپنی طرف بلاتی رہی ہے اور بلاتی رہے گی۔

# تلاشِ حق

حضور سرورِ کائنات ﷺ کی حیاتِ قبلِ نبوت تاریخ کے سامنے ہے آپ ﷺ نے اپنے گردوپیش کے اثرات کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ راہِ حق کی تلاش آپ ﷺ کو بے چین اور مضطرب رکھتی تھی۔ آپ ﷺ قتیلِ ذوقِ جستجو تھے۔ یہی صفت آپ ﷺ کے جدِ امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کی زندگی میں نمایاں تھی۔ قرآن حکیم نے آپ ﷺ کے اسی ذوقِ جستجو کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝

''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو (تلاشِ حق) میں سرگرداں پایا پس ہدایت عطا فرمائی۔''
(سورۃ الضحیٰ ۹۳: آیت ۷)

حضور ﷺ اکثر زندگی کے اہم ترین سوالات پر غور کرتے۔ یہ کائنات کیا ہے؟ اس کائنات کے یہ پھیلے ہوئے آثار و شواہد جس ذاتِ مطلق کی طرف اشارہ ہیں اس تک کیسے پہنچا جائے، اس کی صفات کیا ہیں؟ انسان کا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟ اور ایسے ہی اہم اور بنیادی سوالوں پر غور کرتے ہوئے آپ ﷺ نے غارِ حرا میں اپنی ابتدائی زندگی کے کتنے ہی شب و روز گزار دیئے۔

ایک طرف حرا کی تنہائیوں میں اپنے سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی یہ کوشش تھی، اور دوسری طرف آپ ﷺ نے اپنے گردوپیش کی زندگی سے اپنا رشتہ کبھی نہیں توڑا۔ حضور ﷺ کا اندازِ زیست ان لوگوں کے لئے مثال بن گیا جو اپنے ماحول اور اپنے معاشرہ سے مطمئن نہ تھے۔ اس باب میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی پیش کیا جا سکتا ہے۔

رزقِ حلال ابتداء ہی سے آپ ﷺ کی پاک زندگی کا ایک بنیادی پہلو تھا۔ آپ ﷺ نے تجارت کو اپنایا، اور اسی سلسلہ میں آپ ﷺ کی دیانت کی شہرت نے آپ ﷺ کو حضرت خدیجہؓ سے روشناس کرا دیا، اور آپ ﷺ نے حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ کی تجارتی نمائندگی کے فرائض بھی انجام دیئے۔ حضرت خدیجہؓ کی پاک زندگی نے عہدِ قبلِ اسلام میں بھی لوگوں کو مجبور کر دیا تھا کہ انہیں ''طاہرہ'' کے لقب سے یاد کریں، اور یہ طاہرہ اس قدسی نفس انسان کی زندگی

میں بیوی کی صورت، رحمت یزداں بن کر آئی، جس کی سیرت نے لفظ طہارت کو نئی سمتیں، نئی گہرائیاں اور نئی معنویت عطا کی ہے۔

اس رشتے نے حضرت محمد ﷺ کو مالی دشواریوں اور ظاہری و مادی الجھنوں سے بے نیاز کر دیا۔ سورۃ الضحیٰ نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی گفتگو کی نہایت خوبصورت مثال ہے۔ جس میں آپ ﷺ کی یتیمی اور تلاش حق کے ذکر کے بعد اسی رشتے کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝

''ہم نے آپ کو تنگ دست پایا، پس مال دار بنا دیا''۔ (سورۃ الضحیٰ ۹۳: آیت ۸)

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کو ازدواجی زندگی کی کامل ترین مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے لئے ایک ذہنی سکون کا درجہ رکھتی تھیں اور یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ عقد کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال اور سرورِ دو عالم ﷺ کا سنِ مبارک پچیس سال تھا۔

# بعثت

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو وہ وقت آ گیا جسے خدا کی رضا کے مطابق انسانیت کے عہد جدید کا نقطۂ آغاز بنتا تھا [1] رمضان کا مہینہ [2] تھا، اور حضور کی زندگی کا چالیسواں سال کہ جبرائیل امین، اللہ کا یہ پیغام لے کر آئے۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۚ

''(اے رسول ﷺ) پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے (مخلوقات) کو پیدا کیا جس نے آدمی کو خون کی پھٹکی سے تخلیق کیا، آپ (قرآن) پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے (انسان کو) قلم سے تعلیم دی اور (عموماً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے) اُن چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا''۔ (سورۃ العلق ۹۶: آیات ۱تا۵)

مکہ سے عرفات جاتے ہوئے پہاڑیوں کے سلسلہ میں ایک پہاڑی پر سفید رنگ دامنِ نظر کو اپنی جانب کھینچتا ہے۔ یہ جبلِ ثور ہے۔ اسی کی آغوش میں غارحرا ہے جسے قلبِ محمدی ﷺ کے بعد اللہ کے آخری سلسلۂ ہدایات کی پہلی وحی کو ''برداشت'' کرنے کا شرف حاصل ہے۔ حضور ﷺ غارحرا سے مکان تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے یہ تجربہ بیان فرمایا۔ انہوں نے فوراً آپ ﷺ کے سچے ہونے کی گواہی دی اور ایمان لے آئیں۔ آپ کے علاوہ سب سے

---

[1] ...... انسانی تاریخ کا عہد جدید کب شروع ہوا؟ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ مغرب کے نشاۃ الثانیہ کو نقطۂ آغاز قرار دینے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ خود یہ نشاۃ الثانیہ اسلام کے فیضان کی پیداوار ہے۔ رسالت محمدی ﷺ ہی عہد جدید کا نقطۂ آغاز بن سکتی ہے۔ رسول اللہ کے بعد کسی رسول کا نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسانی ذہن اب بالغ ہو گیا ہے۔ اور وہ قرآنی تعلیمات و سیرت رسولؐ کی روشنی میں حدود اللہ کا احترام کرتے ہوئے اپنا راستہ بنانے اور فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

[2] ...... شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ (سورۃ البقرہ، آیت: ۱۸۵) ''رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے ہدایت ہے اور راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کو الگ کر دینے والی تعلیمات پر مشتمل ہے''

پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ شامل ❶ ہیں۔ سب سے زیادہ قریب رہنے والوں کا اس حقیقت کو فوراً تسلیم کر لینا حضور ﷺ ختمی مرتبت کی صداقت کی ایسی نفسیاتی اور بدیہی دلیل ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی تابندہ درخشندہ ہے۔ قریب رہنے والوں سے بہتر کسی شخص کی کمزوریوں اور خوبیوں کو جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ بیوی کسی شخص کی ہر روحانی اخلاقی اور جسمانی کمزوری کو جانتی ہے اور حضور ﷺ کی صداقت پر سب سے پہلے ام المومنین خدیجہؓ الکبریٰ نے شہادت دی۔

❶ ......سابقون اولالون میں شرکت کا شرف رکھنے والوں میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح، حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن وارث مطلبی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ ان میں سے بیشتر کی عمریں ۲۰ اور ۳۰ سال کے درمیان تھیں۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث (یہ نبی اکرم ﷺ سے عمر میں بڑے تھے) اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر (یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ہم عمر تھے) کے علاوہ ان میں سب سے سن رسیدہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے، یعنی ۳۸ سال کے۔ نوجوانوں کا اسلام کی طرف مائل ہونا اس کی صداقت اور مستقبل سازی کی ایک خوبصورت اور نفسیاتی شہادت ہے۔

# دعوتِ حق اور اس کی مخالفت

نبی کریم ﷺ مومن اول تھے کیونکہ ہر رسول سب سے پہلے اپنے اوپر ایمان لاتا ہے۔ پھر حضرت خدیجہؓ، حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ ایمان لائے۔ رسالت ایک ایسا غیر معمولی تجربہ ہے جس کا ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ رسول میں وحی کی برداشت اور نبوت کے تحمل کی صلاحیت اللہ تعالیٰ تدریجاً پیدا کرتا ہے اور اس میں اضافہ کرتا جاتا ہے۔ بعثت سے پہلے بھی حضرت محمد ﷺ بھی اس تجربے سے گزرے، آپ ﷺ جن راہوں سے گزرتے تھے ان کے پتھر بھی آپ ﷺ کو یوں سلام کرتے، ''السلام علیکم یارسول اللہ۔'' پھر جب پہلی وحی آپ ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے پیغمبرانہ ظرف کے ساتھ اسے برداشت کیا۔ نزولِ وحی کی کیفیت اتنی سخت ہوتی تھی کہ سرکارِ ختمی مرتبت پر اگر سفر کے دوران وحی نازل ہوتی تو ناقہ زمین پر بیٹھ کر اپنا سینہ زمین سے لگا دیتی، سردیوں کے زمانے میں نزولِ وحی کے وقت پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرات ٹپکنے لگتے۔ ابتدائی پیغاماتِ وحی کے نزول کے موقع پر آپ کو اپنی تمام پیغمبرانہ عزیمت کے باوصف فطری طور پر اضطراب کا احساس ہوتا اسی لئے اولین پانچ آیات کے بعد سلسلۂ وحی کچھ عرصہ کے لئے منقطع ہو گیا اور پھر سورۃ المدثر کی پہلی سات آیات نازل ہوئیں۔

يَآيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۙ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۚ

''اے (اے جبریل کو زمین و آسمان کے درمیان دیکھ کر ہیبت سے) اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور خبردار کرو، اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو، اور زیادہ (بدلہ) حاصل کرنے کے لئے احسان نہ دھرو اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو''۔

(المدثر ۷۴: آیت ۱تا۷)

اسی دور میں حضور ﷺ کو "مزمل" بھی کہا گیا۔ مزمل یعنی اے کپڑے میں لپٹنے والے۔ سورۂ مدثر کی یہ آیات حضور ﷺ کو اپنے فرائضِ نبوت کے لئے تیار کرنے سے متعلق ہیں۔ احکام کے اس سلسلہ کو ملاحظہ کیجئے۔ المدثر "قم" اٹھ کھڑے ہوئیے کیونکہ انذار کا وقت آ گیا ہے۔ عالم انسانیت کی اصلاح کے سلسلہ کا آغاز کیجئے۔ غلط کاروں کو محبت و شفقت کے ساتھ ڈرائیے۔ اور قول و فعل سے اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کیجئے اور اپنے کپڑے پاک رکھنے سے مراد قلب و نفس اور اخلاق کی پاکی ہے۔ یہ محاورۂ اہلِ عرب ہے۔ لفظی معنی بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ چوتھا حکم ناپاکی (رجز) سے دور رہنے کا ہے۔ مفسرین کے مطابق رجز سے مراد بت ہیں۔

حضرت ابن عباس ﷺ کی تفسیر کے مطابق ہر معصیت اس کے دائرہ میں آجاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ تو معصوم تھے اور ان کی عصمت ہمارے ایمان کی اساس ہے، اس لئے اس حکم کے حقیقی معنی یہ ہوئے کہ انسانیت کو ان باتوں سے روکنا آپ ﷺ کا فریضہ ہوگا۔ اور حضور ﷺ کو مخاطب کر کے انسانوں سے کلام کیا جائے گا۔ یہ بھی علوئے رتبہ کی ایک صورت ہے اس کے ساتھ رب جلیل نے یہ ہدایت فرمائی کہ بدلے کے خیال سے کسی کے ساتھ احسان نہ کیا جائے۔ چھٹا حکم یہ دیا گیا کہ اپنے رب کے لئے صبر کیجئے۔ پانچ بنیادی احکام کے بعد یہ حکم "ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل ہے" اور پورے دین پر محیط ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت کے فوراً بعد اللہ جل جلالہ ایک طرف تو آپ کو آپ کے فرائض کے لئے ہدایت فرما رہا تھا اور دوسری طرف نہایت احتیاط کے ساتھ اسلام کی دعوت قریب ترین حلقہ تک پہنچائی جارہی تھی۔ اس کام اور دعوت حق کو بڑھانے میں محرم راز حضرت صدیق اکبر ﷺ کلیدی کردار ادا کر رہے تھے۔ سابقین الاولین انہی کی کاوش سے ایمان لائے اور یہ وہ لوگ تھے جو اپنے معاشرے سے غیر مطمئن تھے۔ یہ کسی راہ نجات کے منتظر تھے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی صداقت، دیانت اور امانت کے گواہ تھے۔ ان میں حضرت عثمان ﷺ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ، سعد بن ابی وقاص ﷺ، حضرت عبداللہ ﷺ بن مسعود، حضرت طلحہ ﷺ حضرت سعید بن زید ﷺ، حضرت ارقم ﷺ کے علاوہ حضرت عمار ﷺ، حضرت ابو عبیدہ ﷺ اور حضرت صہیب رومی ﷺ بھی شامل تھے۔ اسلام کی دعوت بڑی احتیاط کے ساتھ ان لوگوں تک پہنچائی جاتی جن کے قبول حق کی صلاحیت پر نبی برحق ﷺ کی نبوت بصیرت اور حضرت ابوبکر ﷺ کے تجربہ کو یقین تھا۔

یہ دور تین سال کی طویل مدت پر محیط ہے۔ ایک طرف اسلام حق طلبوں کے دل میں گھر کر رہا تھا اور دوسری طرف کارِ رسالت کے اعلیٰ ترمرحلے آخری رسول ﷺ کے سامنے پیش کئے جا رہے تھے۔ اور آپ ﷺ کو مسلسل حرفِ تسلی سے نوازا جا رہا تھا۔ وحیٔ الٰہی کی گراں باری کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ نبی اکرم ﷺ آیات کے حفظ کرنے اور انہیں اہلِ ایمان تک پہنچانے کے سلسلہ میں حد درجہ حساس تھے۔ آیات کو جلدی جلدی دہراتے، زبان کو بار بار حرکت دیتے ان کے رب کو ان کی یہ ذمہ دارانہ ادائیں کیسی بھلی لگتی ہوں گی۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ کتاب اللہ پڑھوانا، اسے یاد کرانا، اسے سمجھانا یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ (ﷺ) پریشان نہ ہوں۔ بس اپنے علم میں اضافہ کی دعا کرتے رہئے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ
فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ

"(اے محمد ﷺ) وحی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان کو بار بار نہ حرکت دو کہ جلدی یاد کرلو اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے لہٰذا جب ہم اسے سنا رہے ہوں تو تم غور سے سنتے رہو اور اسی طرح پڑھا کرو، پھر اس (کے معنی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔" (سورۃ القیامہ ۷۵: آیات ۱۶ تا ۱۹)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ
اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝

"پس اللہ تعالیٰ بلند و برتر اور بادشاہ حقیقی ہے اور قرآن کی وحی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے (پڑھنے کے) لئے جلدی نہ کیا کرو اور دعا کیا کرو کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما"۔

(سورۃ طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۱۴)

یوں نبوت کے پہلے تین سال خفیہ تبلیغ میں گزرے اور اللہ نے وحی کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کو آنے والے مرحلوں کے لئے تربیت عطا فرمائی۔ اس مدت میں بھی مسلمانوں کے اجتماعات ہوتے۔ کبھی کسی پہاڑی کی گھاٹی میں، کبھی خود خانہ کعبہ میں چاشت کے وقت کہ چاشت کی عبادت قریش بھی کرتے تھے اور پھر حضرت ارقم بن ابی ارقم کے گھر میں جو کوہ صفا کے قریب تھا۔

اس مدت میں سوا سو سے زیادہ سعید روحیں، اسلام کے حصارِ رحمت میں داخل ہو گئیں۔ ان میں قریش کے تمام ممتاز قبیلوں کے افراد شامل تھے قبیلۂ قریش کے علاوہ دوسرے قبیلوں کے دو چار افراد بھی مسلمان ہو گئے۔ ایمان لانے والوں میں کم وبیش نو غلام اور کنیزیں بھی شامل تھیں۔ جن کی آغوش کی فضا میں سرورِ کائنات ﷺ نے اپنے بچپن کے لمحے گزارے تھے اور حضرت عمار ﷺ بن یاسر کی والدہ حضرت سمیہؓ بھی تھیں جو اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں۔ اسلام کی تاریخ، عورت کی عظمت کا سرنامہ ہے۔ پہلی مسلمان ایک خاتون، پہلی شہید ایک خاتون۔ ایمان لانے والے نو زیردستوں (غلاموں اور کنیزوں) میں چھ کنیزیں شامل ہیں۔

ایک طرف خفیہ تبلیغ کے ذریعہ مکہ کے مشرکانہ ماحول میں وہ جماعت وجود میں آئی جس کے ارکان کی زندگی اللہ، وحی الٰہی اور نورِ مجسم ﷺ کے انوار سے جگمگا رہی تھی۔ یہ وہ تھے جن کے معاملات اور اُسلوبِ حیات کو دیکھ کر اہلِ مکہ سوچنے لگتے کہ آخر یہ روشنی ان کو کہاں سے ملی۔ دوسری طرف رسولِ اکرم ﷺ کی تربیت ربِ جلیل نے یوں فرمائی کہ اس دعوتِ حق کو عام کرنے کا مرحلہ آ گیا۔ تاریخ نبوت کے صفحات شاہد ہیں کہ ہر رسول نے اپنی عملی زندگی اور موعظ وحکمت کی زبان اور زور سے اسلام کی دعوت اپنے اپنے دور میں پیش کی۔ حضور ﷺ تو خلاصہ نبوت اور جامع صفات نبوت تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ کی دعوت حق کو حکمت ونصیحت کا نقطۂ عروج وتکمیل بننا تھا۔

آپ ﷺ کے رب نے آپ کو بتایا

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝

"(اے نبی) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور بہترین طریقے سے اُن سے مباحثہ کرو اور تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب جانتا ہے جو ہدایت پانے والوں میں سے ہیں"۔ (النحل ۱۶: آیت ۱۲۵)

ہر لفظ آج بھی رسول اکرم ﷺ کے امتیوں کو طریق دعوت حق بتلا رہا ہے۔ لوگوں سے ان

کے ذہن کے مطابق عمدہ پیرایۂ اظہار میں بات کرنی لازم ہے اور مباحثہ میں مزاج کا اعتدال اور الفاظ کا سلیقہ ناگزیر ہے۔ پھر نبی کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔ نتائج تو اللہ تعالیٰ مرتب فرماتا ہے۔ رسول کا اُسلوبِ تبلیغ اور اندازِ کلام کبھی شیطان کے حیلوں اور حربوں سے شکست نہیں کھا سکتا۔ شیطان جو انسانوں کے درمیان فتنہ برپا کرنا چاہتا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل معراج کا تحفہ ہے۔ اس سورت میں ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے دعوت حق کے اسالیب کے سلسلہ میں جیسے احکام کی تکمیل فرمادی گئی ہو۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ يَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًاo رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْاِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًاo

''اور (اے نبی ﷺ) میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ ایسی بات کہیں جو بہترین ہو۔ شیطان انسانوں کے درمیان فساد ڈالنا چاہتا ہے، بے شک شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے تمہارا رب تمہارے حال سے خوب واقف ہے وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور چاہے تو عذاب دے اور (اے نبی ﷺ) ہم نے تم کو ان پر حوالہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے''۔ (بنی اسرائیل: ۵۳۔۵۴)

یہ آیات تبلیغ کے اس مرحلے کو پیش کرتی ہیں جب دعوت عام کو شروع ہوئے کئی برس گزر چکے تھے، اور جماعت مؤمنین بھی اس سلسلہ میں اپنا فریضہ انجام دے رہی تھی۔ تین سال کی محتاط تبلیغ کے بعد جب فضا دعوت حق کے لئے ہموار ہوگئی تو دوسرا مرحلہ آگیا اور وہ مرحلہ تھا اپنے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کو صداقت اور نجات کی طرف بلانے کا حکم ہوا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

''اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو (کفر کے نتائج سے) خبر دار کرو اور ڈراؤ''۔ (الشعراء: آیت ۲۱۴)

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے قریبی عزیزوں کو دعوت دی۔ ان لوگوں تک ''نئے دین'' کی

اطلاع تو پہنچ چکی تھی۔ تین سال کی کاوشوں سے وہ بے خبر تو نہیں رہ سکتے تھے۔ بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب اور بنی عبدالمناف کے سربرآوردہ لوگ دعوت پر آ گئے نبی کریم ﷺ کے خطاب سے پہلے ہی ابولہب اٹھا اور اس نے کہا بھتیجے اور جو چاہو کہو، مگر اپنے نئے دین کی بات نہ کرنا۔ تم سے زیادہ کوئی شخص اپنے خاندان کے لئے آفت نہیں لایا۔ اور یوں پہلے ہی دن ابولہب نے اپنی ازلی بدبختی اور حق دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ یوں ابولہب، مصطفی ﷺ کے مقابل کفر کی علامت بن گیا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی

رسول اکرم ﷺ نے دوسرے دن پھر اپنے ذوی القربیٰ کو جمع کیا اس محفل میں ابولہب نے یہاں تک کہہ دیا کہ آؤ ہم اسے قتل کر دیں کہ اس سے پہلے کہ غیر ایسا کریں اسی محفل میں جناب ابوطالب نے کہا کہ میں اپنے آبائی دین کو تو، ترک نہیں کر سکتا۔ ہاں تمہیں نہیں روکتا۔ تم اپنا کام کرو۔ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔

اس پہلی دعوتِ عام کے بعد ایک طرف تو مسلمانوں پر مشرکین کے مظالم کا سلسلہ اور بڑھ گیا۔ اور دوسری طرف وہ مسلمانوں کے ساتھ تمسخر کرنے لگے۔ ان کا مذاق اڑاتے اور ان کا طنزیہ کلام کا انداز وہی تھا جو اقوام سابقہ کے ''مجرمین'' رسولوں اور اہل ایمان کے ساتھ روا رکھتے تھے۔ ان حالات میں سلسلہ تبلیغ کو اور عام کرنے کا حکم ہوا اور وہ بھی اس تسلی کے ساتھ کہ ان پر ٹھٹھا کرنے اور مذاق اڑانے والوں کے لئے اللہ کافی ہے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝

''پس جو حکم تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے وہ لوگوں کو سنا دو اور مشرکین کا ذرا خیال نہ کرو ہم تمہاری طرف سے ان مذاق اڑانے والوں (کو سزا دینے) کے لئے کافی ہیں''۔ (الحجر ۱۵ آیات ۹۴۔۹۵)

اور اسی حکم کے سلسلہ میں یہ بھی ارشاد ہوا۔

وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ۝

"اور (اے رسول ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں تو علانیہ ڈرانے والا ہوں۔" (الحجر ۱۵:۸۹)

اللہ تعالیٰ کی ان ہدایات کے بعد ایک صبح حضرت محمد ﷺ کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھے اور آپ ﷺ کے ہونٹوں سے "یا صباحاہ" کا نعرہ بلند ہوا یہ صدا اس وقت بلند کی جاتی تھی جب کسی دشمن کے حملے کا اندیشہ ہوتا یا لشکر غنیم دیکھ لیا جاتا۔ صفا و مروہ کی پہاڑیوں کو قرآن حکیم نے من شعائر اللہ (اللہ کی نشانیوں میں سے) قرار دیا ہے۔ (البقرہ ۲: آیت ۱۵۸)

حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے انہیں پہاڑیوں کے درمیان بے تابانہ چکر لگائے تھے۔ شیر خوار اسمٰعیل علیہ السلام کی پیاس اور ماں کی بے تابی نے رحمت الٰہی کو چشمہ کے جاری کرنے کا "بہانہ" عطا کیا۔ اس واقعہ کے علاوہ صفا کی عظمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسی کی بلندی سے سرور کائنات ﷺ نے قریش کو آواز دی تھی "یا معشر القریش" اور قریش اس آواز کی طرف بے تابانہ آئے تھے، کیونکہ یہ اس کی آواز تھی جوان کے معاشرہ کا صادق اور امین تھا اور اس صادق و امین کے دل میں بھی ایک اضطراب تھا۔ اپنے عزیزوں اور قبیلہ والوں کو گمراہی سے بچانے کا اضطراب۔ یہ وہ ذات تھی جو ساری زندگی گمراہوں کے غم میں اپنے آپ کو پگھلاتی رہی۔ اس دن جب آپ صفا کی چوٹی پر تھے تو دوسری طرف کا منظر آپ ﷺ کے سامنے تھا۔ سامنے قریش جمع تھے اور آپ ﷺ کی پشت پر کوہ صفا کی دوسری جانب جو کچھ تھا وہ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے بنی عبد المطلب! اے بنی کعب! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے دوسری طرف ایک فوج تیار کھڑی ہے اور تم پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے تو کیا تم میری بات مان لو گے؟ قریش نے کہا کیوں نہیں، تم سچے ہو، ہم نے تم سے کبھی کوئی غلط بات نہیں سنی۔ قریش کے اس اقرار کے بعد زبانِ رسالت سے یہ الفاظ ادا ہوئے "پس تم جان لو کہ میں تمہیں اس عذاب شدید سے آگاہ اور متنبہ کرنے آیا ہوں جو تم سے بہت قریب ہے" اور پھر آپ ﷺ نے دعوت اسلام پیش کی۔ اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی دعوت۔ قریش کا مجمع خاموش ہو گیا۔ مکمل سناٹا اس مجمع پر چھایا ہوا تھا۔ وہ تردید کرتے تو کیسے! ہاں، بدبخت ازلی ابولہب نے اس لمحہ خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ "تمہارا دن برباد ہو۔ کیا اسی لئے تم نے ہمیں بلایا تھا۔"

صفا کے انتخاب میں منصب نبوت کا عملی مظاہرہ بھی تھا۔ نبی کا مفہوم صرف یہ نہیں کہ وہ غیب

کی خبریں ہم تک پہنچاتا ہے۔ بلکہ نبی اس کو کہتے ہیں جو مقام بلند پر کھڑا ہو اور دونوں طرف دیکھ سکے۔ رسول کو نبی اس لئے کہتے ہیں کہ دونوں دنیائیں اس کے دائرہ نگاہ میں ہوتی ہیں یہ دنیا تو اس کے سامنے ہوتی ہی ہے۔ اللہ اسے آخرت کا مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے۔ اور نبی انہیں حقائق کی طرف بلاتا ہے جو اس کے لئے ''دیدہ'' ہوتی ہیں۔ جنہیں وہ دیکھ لیتا ہے۔

قرآن حکیم مسلسل نازل ہو رہا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے نازل شدہ اجزا کو بھی کتاب قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کتاب کے نزول کا مقصد یہی ہے کہ تم ام القریٰ (مکہ) اور اس کے اطراف کے باشندوں کو اس کی روشنی میں ان کی گردشِ حیات کے نتائج سے متنبہ کرو۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

''اور یہ کتاب جسے ہم نے نازل کیا بڑی خیر و برکت والی ہے اور اس چیز (کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی تھی اور اس لئے نازل کی گئی ہے کہ تم اس کے ذریعہ ام القریٰ (مکہ) اور اس کے اطراف کے لوگوں کو خبردار کرو''۔ (الانعام ۶: آیت ۹۲)

اس حکم کے بعد حضرت ہادی ونذیر و بشیر ﷺ نے قریبی بستیوں کا دورہ فرمایا۔ اسی کے ساتھ زمانۂ حج میں مختلف علاقوں کے آنے والوں سے بھی آپ ﷺ نے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسی سلسلہ میں یثرب کے وفود سے بعد کے برسوں میں آپ ﷺ کی ملاقاتوں کے بعد ہی ہجرت مدینہ کی منزل آئی۔ مگر اس سے پہلے ہی حبشہ کی ہجرتوں کی منزل آ گئی تھی۔ تفصیلات آپ آگے ملاحظہ کریں گے۔

ہر دعوت تاریخی مراحل سے گزرتی ہے۔ حضور ﷺ کی دعوت کے مراحل کی تکمیل ان الفاظ کے ساتھ ہوئی۔

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨالَّذِىْ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ
وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝

''(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ اے انسانو (اے عالم انسانیت) میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت جس کے لئے ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا اور مارتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور اس کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پالو''۔ (سورۂ اعراف ۷: آیت ۱۵۸)

اہلِ مکہ کے سامنے آپ ﷺ کی زندگی کا ہر گوشہ ایک کھلی کتاب کے صفحات کی طرح تھا اور اس کتاب کی عبارت میں کہیں ایک نقطے کی غلطی انہیں کبھی نظر نہیں آئی تھی۔ اسی لئے جب صفا کی بلندی سے آپ ﷺ نے انہیں دعوت دی تو وہ خاموش رہے۔ اور اس کے بعد سلسلہ تبلیغ پھیلا تو آپ ﷺ نے آیاتِ الٰہی کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔

یہ آیات معجزہ کا درجہ بھی رکھتی تھیں۔ حسی معجزات بھی اہلِ قریش کے سامنے آئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کو ثبوت کے طور پر پیش کیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

''آخر میں اس سے پہلے ایک عمر تمہارے درمیان گذار چکا ہوں، پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے''۔ (سورہ یونس ۱۰: آیت ۱۶)

اللہ ربُّ العزت نے رسول اکرم ﷺ کی زبانی کفار سے جو بات کہلوائی ہے، ذرا اس کی معنویت پر غور فرمائیے۔ سامنے کے معنی تو یہی ہیں کہ میں نے تمہارے درمیان ایک عمر گزاری ہے اور میری ساری زندگی، میرا کردار، میری نشست و برخاست میری گفتگو اور میرے معاملات تمہارے سامنے ہیں۔ پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے اور میری صداقت کے اقرار کی جگہ یہ خاموشی کیوں۔ لیکن اس جگہ ان سات الفاظ کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ اپنی زندگی کے ذکر سے پہلے اسی آیت میں نبی کریم ﷺ سے اللہ نے یہ الفاظ کہلائے ہیں کہ ''اگر اللہ کی مشیت نہ ہوتی تو میں تمہیں قرآن کیوں سناتا اور تمہیں تو اس کا علم ہی نہیں ہوتا۔ میں نے ایک عمر تمہارے درمیان گزاری ہے۔ کیا تم نے اس سے پہلے ایسا حکیمانہ کلام، ایسی صداقتیں

کبھی مجھ سے سنی ہیں جن کے دائرے میں یہ زندگی اور آنے والی زندگی سمٹ آئی ہے۔ تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے اور یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ ان تعلیمات کا سرچشمہ کچھ اور ہے۔ یہ اللہ کی وحی ہے، اور اللہ علیم و خبیر ہے۔

عقل سے کام لینے کے جگہ اور حضور ﷺ کے چیلنج کا جواب دینے کی جگہ سرداران قریش نے آپ کی اور آپ کے پیغام کی مخالفت شروع کر دی اور نہایت شدت کے ساتھ۔ حضور ﷺ کی مخالفت اتنی شدت کے ساتھ کیوں کی گئی؟ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر اس سوال کا جواب دیا اور تمام عوامل و عناصر کو پیش کر دیا ہے جو اس مخالفت کی بنیادی وجہ تھے۔ ان عوامل کے مطالعے سے اس عہد کے ذہن اور عربوں کے برسر اقتدار طبقے کے مفادات کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ بات عرض کر دینی مناسب ہوگی کہ انبیائے سابقین میں سے بیشتر کی مخالفت کے یہی اسباب تھے اور آج بھی کفر انہیں اسباب و عوامل کی بناء پر دین حق کی مخالفت کرتا ہے۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کفر کا ذہن جامد ہوتا ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کی مخالفت برسر اقتدار طبقے نے اس بناء پر کی کہ یہ پیغام ان کے اقتدار کے لئے موت کے اعلان کا درجہ رکھتا ہے۔ ''اخوت'' اور ''مساوات'' کے تصورات ان کی سیادت کے خاتمہ کے مترادف تھے۔ اسی طرح توحید کا نظریہ ان کی قبائلی تقسیم پر کاری ضرب تھا۔ اور قبائلی امتیازات کے سہارے ہی ان کی بڑائی کی عمارت کھڑی تھی۔ وہ ایک ایسے دین کو کیسے تسلیم کرتے جس میں فوقیت اور بڑائی کا انحصار قبیلہ، پیدائش اور دولت کی جگہ کردار اور تقویٰ تھا۔ معاشرے کے زیردست اور غریب لوگ اس نظام سے وابستہ ہو کر ان کے ہم سر بن جاتے، ابوبکر و عثمان و علی اور صہیب و بلال و عمار میں کوئی فرق نہ رہ جاتا۔ حضرت نوح کی قوم نے بھی نوح سے یہی کہا تھا۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝

''انہوں نے کہا، کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ تیری پیروی رذیل ترین لوگوں نے اختیار کر رکھی ہے''۔ (الشعراء ۲۶: آیت ۱۱۱)

قرآن حکیم نے اس سلسلہ میں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اقوام سابقہ کے سردار انبیائے کرامؑ کی مخالفت میں پیش پیش رہتے تھے، کیونکہ وہ معاشی اور خاندانی طور پر کم تر لوگوں کو حقوق

انسانیت دینے کے خلاف تھے۔ اور پھر یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ ان جیسا ایک شخص اللہ کا رسول کیسے ہوسکتا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ○

''نوح کی قوم کے سردار جنہوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کردیا تھا، بولے تم ہماری نظروں میں اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ بس ہم جیسے انسان ہو اور ہم دیکھ رہے کہ ہماری قوم میں جو ذلیل تھے انہوں نے بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کرلی ہے اور ہم کسی چیز میں تم کو اپنے سے زیادہ صاحبِ فضیلت نہیں پاتے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں''۔ (سورۂ ہود ۱۱: آیت ۲۷)

یہی رویہ قریشِ مکہ نے اختیار کیا۔ ان کی مخالفت کا ایک اور قوی سبب اسلاف پرستی اور آباؤ اجداد کے راستے کو صحیح سمجھنا تھا۔ اس سبب کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار کیا گیا ہے۔ قریش نے اللہ پر کتنی ہی تہمتیں جوڑ رکھی تھیں، اور عقل سے کام نہ لیتے اور

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ○

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اس کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ جس راستے پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے چاہے ان کے آباؤ اجداد کچھ نہ جانتے ہوں اور صحیح راستے کی انہیں خبر نہ ہو''۔ (المائدۃ ۵: آیت ۱۰۴)

منکر یہ باتیں کہتے تو تھے مگر اپنے نقطۂ نظر کو اتنا کمزور پاتے تھے کہ انہوں نے افترا کو اپنا مسلک بنالیا۔ بہت سی باتوں کو اللہ سے منسوب کرنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے نبی اکرم

ﷺ کے سچے اور دل میں اتر جانے والے ارشادات کے اثر کو کم کرنے کے لئے آپ ﷺ کو مجنوں ساحر، مسحور اور شاعر کہنا شروع کر دیا ویسے بالعموم آپ کو کذاب (معاذ اللہ) کہنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، مگر مجبوراً یہ لفظ بھی استعمال کرنا پڑتا۔ قرآن حکیم میں یہ سارے الزامات اور بہتان تفصیل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ اس کا عملی اور ہمیشہ قائم رہنے والا پہلو یہ ہے کہ ہر دور میں حق کی آواز بلند کرنے والوں کو انہیں راستوں سے گزرنا پڑتا ہوگا۔

رسول کریم ﷺ ایسے رسول تھے کہ اُن کا رسول ہونا ہر اعتبار سے واضح تھا۔ وہ رسول مبین تھے مگر اہل قریش کی بدبختی اور سخت دلی نے انہیں اعتراف حق سے روک رکھا تھا۔ ان کی غفلت کا عالم یہ کہ

أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝

"ان کی غفلت کب دور ہوتی ہے حالانکہ ان کے پاس رسول مبین آگیا پھر بھی انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا اور کہا کہ یہ تو کسی دوسرے (انسان) کا پڑھایا سکھایا ہے اور مجنون ہے"۔ (الدخان ۴۴: آیات ۱۳۔۱۴)

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ۝

"یہ وہ لوگ تھے کہ جب اُن سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ غرور اور استکبار سے کہتے کہ کیا ہم اپنے ایک شاعر مجنون کے کہنے سے اور اس کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں"۔ (الصّٰفّٰت ۳۷: آیات ۳۵۔۳۶)

"مجنوں"، "شاعر"، "کذاب"، "مسحور"، "معلم" اور "شاعر" جیسے خطابات کی ارزانی، پتھروں کی بارش، سماجی مقاطعہ، تین سال تک ایک گھاٹی میں انتہائی شدائد کے ساتھ پناہ گزینی اور ایسی ہی دوسری صبر آزما اور جاں لیوا مخالفتوں کے درمیان نبی کریم ﷺ اللہ کے راستے پر چلتے رہے اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ یہ تھا فریضۂ نبوت کی تکمیل کا کامل ترین مظاہرہ۔ اس سلسلہ میں حضور ﷺ نے ان ربانی ہدایات کے ہر پہلو پر عمل فرمایا جن کا ذکر آیات قرآنی کے

حوالوں سے کیا جا چکا ہے۔ سرورِ دنیا و دین ﷺ نے وحی الٰہی کو دوسروں تک پہنچانے میں حکمت و موعظت سے کام لیا اور بحث کی شائستگی اور رویہ کی بے غرضی کا وہ معیار قائم فرمایا کہ آج کی مہذب، شائستہ اور متمدن دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کا قلب مبارک انسانیت کے درد اور محبت کا ایسا سرچشمہ تھا کہ گمراہوں کی گمراہی پر آپ ﷺ کا دل روتا رہتا۔ اس حقیقت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ جو ایمان نہیں لائے آپ ﷺ ان کے لئے ہلکان نہ ہوں کیونکہ ان کے ضمیر مردہ ہیں اور کلام حق ان کے بہرے کانوں کے لئے نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سماعت حق اور قبول حق سے محروم کر لیا ہے۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

''پس آپ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھئے یقیناً آپ صریح اور بالکل واضح حق پر ہیں آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے نہ ان بہروں تک اپنی دعوت پہنچا سکتے ہیں جو منہ پھیر کر بھاگے جا رہے ہیں اور نہ اندھوں کو راستہ بتا کر بھٹکنے سے بچا سکتے ہیں۔ آپ تو اپنی بات انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لائے ہیں اور پھر مُسلم بن جاتے ہیں''۔ (سورۃ النمل ۲۷: آیات ۷۹ تا ۸۱)

حضور ﷺ کے ذمے اللہ تعالیٰ نے ''تنذیر'' اور ''تبشیر'' کے فرائض تفویض فرمائے تھے۔ ان لوگوں کو نتائج سے آگاہ کرنا جو راہ باطل پر گامزن تھے۔ اور انہیں جنت نعیم اور بھلائیوں کی بشارت دینا جو صراطِ مستقیم کے راہی تھے۔

امام الانبیاء ﷺ نے نذیر و بشیر کے فرائض جس فوق بشری محنت، دیانت، اور شفقت کے ساتھ انجام دیئے چودہ صدیاں اس کے آثار کا درجہ رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ نے صراطِ مستقیم کی سعادتوں کو اپنے اُسوۂ حسنہ سے اُجاگر کیا اور آخر اسلامی ریاست کے قیام کے ذریعہ اجتماعی زندگی کو اللہ کے رنگ میں رنگ دیا۔ وہ اسلامی ریاست آج بھی صرف ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ تمام عالمِ انسانیت

کے لئے ایک بشارت کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن کامیابی کی اس منزل تک پہنچنے سے پہلے حضور ﷺ کتنی آزمائشوں سے گزرے۔ وہ آزمائشیں جو زلزلہ صفت تھیں۔ لوگوں نے جب صادق وامین، شعور مجسم اور بندہ سولا صفات کو ساحر و کذاب کہا تو دل کی کیفیاتِ جراحت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ مگر تسلی دینے والا، تسلی سے نواز رہا تھا۔ اور یہ تسلی دینے والا کون تھا؟ خالق کائنات

فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ
بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ۝

"اے نبی (ﷺ!) اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کی تکذیب کی جاچکی ہے، جو بہت واضح نشانیوں اور صحیفوں اور روشنی عطا کرنے والی کتابیں لائے تھے"۔ (سورۂ آل عمران ۳: آیت ۱۸۴)

اللہ تعالیٰ نے انبیائے سلف کی تاریخ کے حوالے سے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ کافروں کا تمسخر کوئی نئی چیز نہیں۔ باطل کے ہاتھ میں صرف یہی حربہ ہوتا ہے۔

وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيۡنَ سَخِرُوۡا
مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ۝ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ
ثُمَّ انۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ۝

"اے نبی (ﷺ!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا جاچکا ہے مگر ان مذاق اڑانے والوں پر آخر کار وہی حقیقت مسلط ہو کر رہی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے اے رسول (ﷺ!) اپنے ان مخالفوں اور تمسخر کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ ذرا زمین پر چل پھر کر دیکھیں کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا"۔ (سورۂ انعام ۶: آیات ۱۰۔۱۱)

حضور ﷺ کی زندگی اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ مذاق اڑانے والے ذلت کی زندگی اور الم ناک موت سے دوچار ہوئے۔ اور ان کے وطن کی زمین ان پر تنگ ہوگئی۔ ہاں ان میں سے جو سعید اور خوش بخت تھے وہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہدایت کے ستارے اور اپنے عہد اور آنے والے ادوار کے معماروں میں شامل ہوگئے۔

# جماعتِ مؤمنین

## ظلم کا مقابلہ ایمان اور صبر سے

کفر کو اپنانے والے صرف تمسخر تک محدود نہیں رہتے بلکہ وہ اہل ایمان کے دلوں میں ظلم کے تیر پیوست کرتے ہیں۔ ان مظالم کا جواب اللہ کے ماننے والے صبر اور صلوٰۃ سے دیتے ہیں اور جب تاریخ کا رخ مڑتا ہے تو ظلم کی کلائی مروڑ دیتے ہیں۔ اور یہاں قریش مکہ کا واسطہ تو اس رحمت للعالمین سے پڑا تھا۔ جو مذاق اڑانے والوں کے لئے دعائیں کرتا اور صبر کو اس طرح اختیار کرتا کہ ظلم کو اپنی کمزوری کا احساس ہوتا۔ یہ وہ صبر نہیں جو مجبوری اور مجبوری کی پیداوار ہوتا ہے، بلکہ وہ صبر جو اپنے راستے پر پہاڑوں کی طرح جم کر کھڑے رہنے کی کیفیت ہے۔ اور اسی صبر کا سبق اللہ تعالیٰ نے صابر اعظم ﷺ اور جماعت مؤمنین کو دیا ہے۔ کفار کی ایذا رسانی کے سلسلہ میں حضور ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○

"اگر تم صبر کرو (بدلہ لینے کی جگہ) تو یقیناً یہ صبر صابرین کے حق میں بہتر ہے اے نبی! صبر سے کام لئے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کے مکر اور چالوں پر دل تنگ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ کو اختیار کرتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔" (النحل ۱۶: آیات ۱۲۶ تا ۱۲۸)

اس سلسلہ کلام ربانی سے صبر کے مرحلے اور صابروں کے مرتبے کس طرح سامنے آتے ہیں اپنے موقف پر قائم رہو اور مظالم کا مقابلہ کرو، پھر دیکھو کہ زخم کیسے پھول اور آنسو کیسے شبنم بنتا

ہے۔ وہ شبنم جو وجود کی گہرائیوں میں اتر کر شادابی بن جاتی ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے۔ اللہ سے رشتہ قائم رہے تو قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح ظالم بہت چھوٹے نظر آتے ہیں۔ ان کی چالیں تارِ عنکبوت اور ان کے ظلم اظہارِ کمزوری۔ اللہ کی توفیق صبر کے ساتھ تقویٰ بھی عطا کرتی ہے۔ ایسا تقویٰ جس کی طاقت کارزارِ حیات میں کردار کے ریشمی دامن کو کانٹوں سے مجروح نہیں ہونے دیتی اور ظلم کے مقابل احسان کا اظہار، ظالموں کو رعشہ براندام کر دیتا ہے اور وہ حق کے آستانے پر جھک جاتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور راستہ ان کے لئے باقی نہیں رہتا۔ اس صبر اور ظلم کے مقابلے کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

ایک دن صاحبِ کوثر اور ابن معمار کعبہ ﷺ کعبے کے پاس سے گزر رہے تھے۔ اور یہ سوچتے ہوئے کہ یہاں رب ابراہیم علیہ السلام و محمد ﷺ کی پرستش کب شروع ہوگی اور انسانوں کے تراشے ہوئے دیوتاؤں سے یہ عمارت کب خالی ہوگی کہ سرداران مکہ آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک دن پہلے بھی انہوں نے یہی ارادہ کیا تھا۔ مگر جب ان کے طنز و دشنام کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ "اس ذات کی قسم جس کے قبضے قدرت میں میری جان ہے۔ میں تمہارے لئے ذبحِ عظیم لے کر آیا ہوں" تو آئمہ کفر جیسے بے روح اور بے جان ہو گئے اور دوسرے دن انہوں نے اچانک حملہ کا فیصلہ کیا۔ درمیان میں سرورِ کائنات تھے اور چاروں طرف سرداران مکہ اپنے دائرے کو تنگ کر رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے آپ ﷺ کی چادر گھسیٹنی شروع کی، یہاں تک کہ چادر سے آپ ﷺ کے گلوئے مبارک پر خراش پڑنے لگی اور دم گھٹنے لگا۔ وہ گلوئے مبارک جس سے دشمنوں کے لئے بھی دعائیں نکلتی تھیں۔ اس عالم میں بھی کوئی خوف آپ ﷺ کے احساسات میں شامل نہ ہو سکا۔ زیرِ لب آیاتِ الٰہی کی تلاوت اور چہرے پر وہ سکون، جو اللہ پر اعتماد کا نشان تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ درمیان میں آ گئے اور ظالم کے ہاتھ کو روک کر روتے ہوئے کہنے لگے کہ "تم اس انسان کو صرف اس لئے مار ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ اعلان کرتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔" صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہ آنسو اپنے صاحب، اپنے ہادی ﷺ کی تکلیف کے لئے تھے۔ اور ان کا حلقۂ اعدا میں آ کر انہیں روکنا ان کے ایمان اور شجاعت کی دلیل تھا۔ اللہ اور اسلام کے دشمنوں نے نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ ان کے سر پر گہرا زخم آیا اور ریش مبارک نوچی گئی۔

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا ہر دن، آزمائش اور فتنہ کے مقابل استقامت کا دن تھا۔ کبھی آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے، کبھی راہ گزرتے آپ پر گندگی پھینکی جاتی اور ایسا تو اکثر ہوتا کہ آپ ﷺ جدھر سے گزرتے، قریش والے طنزیہ جملے کہتے، تمسخر آمیز فقرے چست کرتے اور آپ ﷺ کی تکذیب کرتے۔

جماعت مؤمنین میں ایمان اور اسلام کے داعی اور ہدایت مجسم ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے باعزت اور بااثر فرد تھے، لیکن قریش دین حق کی دشمنی میں سارے آداب قرابت اور تہذیب کے سارے آداب فراموش کر بیٹھے، ایک دن حضور ﷺ کی معیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مجمع میں تبلیغ اسلام کے لئے زبان کھولی ہی تھی کہ قریش نے ہر طرف سے یلغار کر دی۔ عتبہ بن ربیعہ نے پرانے اور سخت تلے والے جوتوں سے آپ کے چہرہ مبارک پر اتنی ضربیں لگائیں کہ چہرہ خون میں ڈوب گیا اور خدوخال، چوٹوں کی وجہ سے پہچانے نہ جاتے تھے۔ بنی تمیم آپ کو بیہوشی کے عالم میں اٹھا کر لے گئے۔ موت ابوبکر کو چھو کر گزر گئی۔ گھنٹوں کے بعد جب ہوش آیا تو جو لفظ زبان سے ادا ہوئے وہ یہی تھے کہ ”رسول ﷺ تو خیریت سے ہیں؟

آپ کو اپنے قبیلہ کی حمیت کی بنا پر بچا کر لانے والے عمائد بنو تمیم برا بھلا کہنے لگے کہ دیکھو اپنی پروا نہیں، اسی کا ذکر ہے جس کی وجہ سے اس حال کو پہنچے۔ ام جمیل مسلمان ہو چکی تھیں۔ وہ جب قریب آئیں تو ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے اشارہ سے کہا کہ کیسے بتاؤں؟ آپ کی والدہ سن لیں گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کے سامنے بتا دو، کوئی بات نہیں۔

ام جمیل نے حضور ﷺ کی خیریت سے مطلع فرمایا تو بے ساختہ الحمدللہ کہا۔ جب کوئی مشروب پیش کیا گیا تو جاںنثار محمد عربی ﷺ نے انکار کر دیا اور کہا اللہ کے حضور یہ میری نذر ہے کہ چہرۂ زیبائے رسول اللہ ﷺ کو دیکھے بغیر نہ کچھ کھاؤں گا، نہ پیوں گا۔ جب قبیلہ والے چلے گئے تو اپنی والدہ اور ام جمیل رضی اللہ عنہا کا سہارا لے کر ہزار دقت سے اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفاداری کے اس نقش کو دیکھ کر سرکار ختمی مرتبت ﷺ کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے، اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کی وہ لکیر نمودار ہوئی جس میں مستقبل کے پردے میں چھپی ہوئی اسلام کی ساری کامیابیوں اور فتوحات کی روشنی تھی۔ صاحب خلق عظیم ﷺ نے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا شکریہ ادا کیا، اور یہی لمحہ تھا کہ ان کا دل اسلام کے لئے کھل گیا اور وہ مسلمان ہوگئیں۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اگر ایک طرف دعوت صلوٰۃ کا استعارہ ہیں تو دوسری طرف استقامت وصبر کی علامت۔ مکہ کی گرمی کی دوپہریں، پیٹھ کے نیچے تپتی ریت، سینے پر بھاری جلتا ہوا پتھر، آقا کا مطالبہ کہ محمد ﷺ کی اطاعت سے انکار کرو اور لات وہبل کی عظمت کا آوازہ بلند کرو۔ اور ادھر بلال ہیں کہ ہونٹوں پر احد احد۔ ظلم کے مقابل احد ان کے لئے کافی ہے۔ یوں بلال آگ میں انداز گلستاں پیدا کرتے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

کون جانے کہ یہ شعر کہتے وقت مولانا محمد علی جوہر کے ذہن میں بلال رضی اللہ عنہ کی آزمائشیں ہوں۔ نگاہِ تخیل کے سامنے ایسی تصویریں مسلسل آتی جاتی ہیں۔ مثالیں کہاں تک دہرائی جائیں۔ صرف یہی موضوع کئی دفتروں کا متقاضی ہے۔ یہ خباب رضی اللہ عنہ بن الارث ہیں۔ قریش نے انہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا اور ایک قوی ہیکل آدمی نے سینے پر پوری قوت سے اپنا پیر رکھ دیا تا کہ ان کی پشت انگاروں پر رہے مگر یہ تو وہ تھے جس کا ذوق صبر ہر سزا کے بعد اور بڑھتا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے رسیوں سے باندھ دیا اور اس اعلان کے ساتھ کہ محمد (ﷺ) کے لائے ہوئے دین کو نہیں چھوڑو گے تو مرنے تک یوں ہی گرفتار بلا رہو گے۔ مگر عزم عثمان رضی اللہ عنہ کے آگے یہ دعویٰ تعزیر دم توڑ گیا۔ حضرت سمیرہ ام عمار کو مشرکوں کے سرخیل ابوجہل نے نیزہ مار کر شہید کر دیا اور وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اسلام کے علاوہ ہر چیز سے لاتعلقی کا اعلان کرتی رہیں۔ ان کے شوہر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی جان کی قیمت پر تصدیق رسالت کی۔ ابوفکیہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ صفوان انہیں شریر اور ایذا پسند لوگوں کے حوالے کر دیتا کہ اپنا جی بہلاؤ۔ اور وہ نت نئی سزائیں ان کے جسم پر ایجاد کرتے۔ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی کنیز حضرت زنیرہؓ عمر کے اسلام لانے سے پہلے ان کی مسلسل سزاؤں کا نشانہ تھیں۔ اور ایک بار ابوجہل نے انہیں اتنا مارا کہ حساس حصوں پر چوٹ پڑنے سے آنکھوں کی بصارت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئیں۔

یہ وہ تھے جن کے ایمان کی طاقت کا سرچشمہ وحی الٰہی، نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اور اپنی

صداقت پر کلی ایمان تھا۔ یہ وہ تھے جنہوں نے ابدی زندگی کی جاوداں لذتوں کو اس دنیا کے بدلے خرید لیا تھا اور جو بندگی کے آداب کو اپنے عمل کے ذریعہ آنے والی صدیوں کے لئے مرتب کر رہے تھے۔ یہ لوگ جانتے تھے کہ کفر کی طرف ذرا سا جھکاؤ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اللہ کی نصرت صرف ثابت قدمی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○

”پس اے نبی ﷺ تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر و ظلمت ایمان واطاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں راہ راست پر پوری طرح ثابت قدم رہیں جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے اور بندگی واطاعت سے تجاوز نہ کرو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ تمہارے ربّ کی نگاہ میں ہے، ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی آگ کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہیں ملے گا جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچا سکے اور نہ کہیں سے تم کو مدد پہنچے گی۔“ (سورۃ ہود ۱۱: آیات ۱۱۲۔۱۱۳)

رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا کفار کی طرف جھکنا بعید از قیاس ہے۔ یہ قرآن حکیم کا وہ اندازِ بیاں ہے جو ایمان و کفر کے درمیان ہر تعلق کو کاٹ دیتا ہے اور سب سے بڑھ کر آنے والے اہل ایمان بھی اس تخاطب سے اپنے آپ میں حوصلہ پیدا کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

جب باطل دباؤ ڈالنے کے طریقوں میں ناکام ہو گیا، جب ہر نادک ستم خود ظالموں کے سینوں میں پیوست ہو گیا تو تحریص اور لالچ سے کام لیا گیا۔ قریش کے اربابِ حل وعقد نے آپ سے کہا کہ اگر تمہیں دولت کی تمنا ہے تو تمہارے لئے سونے چاندی کے انبار لگائے جا سکتے ہیں اور اگر ”اچھی گھریلو زندگی“ میں اپنا وقت گزارنا چاہتے ہو تو جس لڑکی سے کہو تمہاری شادی کر دی جائے اور اگر حکومت کی خواہش ہے تو یہ بکھرے ہوئے قبیلے تمہارے لئے ایک مملکت کی صورت میں منظم کئے جا سکتے ہیں۔ ان ترغیبات کا جواب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ دیا کہ ”ربِ جلیل کی قسم! اگر تم میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دو تو بھی میں وحی الٰہی

کی اشاعت وتبلیغ سے نہیں رک سکتا۔'' اس استقامت کا سبب اپنی رسالت پر یقین اور اللہ اور اس کے تعاون وحفاظت پر کامل ترین ایمان تھا۔

اس ایمان کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ائمہ کفر کے بارے میں قرآن حکیم جو کچھ ارشاد فرما رہا تھا اسے اللہ کا رسول ﷺ، جو بے سروسامان تھا، نہایت جرأت کے ساتھ اہل ایمان اور اہل مکہ تک پہنچا رہا تھا۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۙ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ
وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ۙ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۙ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ
اَزِیْدَ ۙ كَلَّا ۖ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ۙ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۚ
اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ۙ
ثُمَّ نَظَرَ ۙ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ فَقَالَ اِنْ
هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ؕ سَاُصْلِیْهِ
سَقَرَ ۔

''چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور اسے بہت سا مال دیا۔ اس کے ساتھ رہنے والے بیٹے اسے دیئے اور اس کے لئے ریاست کی راہ ہموار کی، وہ پھر بھی لالچ رکھتا ہے کہ اسے اور دوں۔ ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیات سے عناد اور دشمنی رکھتا ہے، میں عنقریب اسے ایک کٹھن چڑھائی چڑھاؤں گا۔ (سخت آزمائش میں ڈالوں گا) اس نے سوچا اور بات بنانے کی کوشش کی، اس پر اللہ تعالیٰ کی مار، کیسی بات بنانے کی کوشش کی، ہاں اس پر اللہ کی مار، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر (لوگوں کو) دیکھا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا، پھر پیٹھ پھیری اور غرور (کا اظہار) کیا پھر بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آرہا ہے یہ انسانی کلام ہے، ''عنقریب اسے دوزخ میں جھونک دوں گا۔

(المدثر ۷۴: آیات: ۱۱تا ۲۶)

یہ ولید بن مغیرہ کا تذکرہ ہے جس کی متاع دنیا کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کی سالانہ آمدنی

ایک کروڑ دینار تھی۔ اور یہ اپنے آپ کو وحید ابن الوحید کہتا تھا (قرآنی بیان میں اس طرف اشارہ بھی ہے) اس کے دل نے قرآن حکیم کے کلام اللہ ہونے پر گواہی دی۔ اور یہ گواہی زبان تک آ گئی۔ عرب کے سب سے مالدار سردار کی اس تبدیلی قلب سے ابوجہل پریشان ہوا اور اس نے کذب و سازش سے ولید کا دل اسلام سے پھیرا، مگر ولید نے یہ ضرور کہا کہ محمد ﷺ کو شاعر، مجنوں، کذاب اور کاہن کہنے سے کام نہیں چلے گا۔ انہیں ساحر کہو۔ آیات بالا میں اس کے ذہن کی کیفیات اور مختلف فکری مرحلوں کو کس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ ہر ٹکڑا ایک ذہنی موڑ ہے۔

ولید بن مغیرہ کو اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ اس کا نام اللہ کی کتاب میں آتا، لیکن تمام قرائن اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور قریش مکہ پر ان آیات کا مفہوم بالکل واضح تھا۔ ہاں ابولہب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ اس بد بخت ازلی کا رویہ اور اسلام دشمنی کا ذکر اوراق گزشتہ میں پیش کیا جا چکا ہے اور اسی پس منظر میں سورۃ اللہب کو سمجھا جا سکتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے وہ نامراد ہو گیا اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کچھ کام نہ آیا وہ ضرور شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کی جورو بھی لگائی بجھائی کرنے والی، اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی''۔

(سورۃ لہب ۱۱۱)

یہ سورت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب حضور ﷺ نے کوہ صفا کی بلندی سے قریش کو آواز دے کر جمع کیا تھا اور ابولہب نے آپ ﷺ کی دعوت سن کر گستاخانہ کہا تھا کہ ''تو ہلاک ہو۔ کیا ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا'' اور آپ کے مارنے کے لئے پتھر اٹھایا تھا۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اس کے ہاتھوں کے ٹوٹنے کی خبر دی۔ یہ محاورہ کسی کے منصوبوں کی بربادی کا اظہار کرتا ہے۔ اور پھر ابولہب بڑی ذلت کے ساتھ ہلاک ہوا۔ غزوۂ بدر کے سات دن بعد وہ طاعون میں مبتلا ہوا۔ گھر والوں نے اسے الگ کر کے ایک کونے میں ڈال دیا اور وہیں وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر

گیا۔ تین دن تک اس کی لاش کو کسی نے ہاتھ نہ لگایا۔ پھر گلی سڑی نعش کو مزدوروں نے ایک گڑھے میں ڈال کر پتھروں سے پاٹ دیا۔

اس کی بیوی خاردار کانٹے محسن انسانیت ﷺ کے راستے میں ڈالتی تھی۔ آپ ﷺ کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف چغل خوری کو اپنا شعار بنالیا تھا۔

ان واقعات وآیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اپنی مظلومیت کے انتہائی دور میں بھی مسلمانوں کے صبر میں استقامت بلکہ حق کے غلبہ کے لئے کفار کے بارے میں اعلان حق شامل تھا۔ قریش کے مظالم سے عام مسلمانوں کی زندگی بوجھ بن گئی تھی۔ حضور ﷺ کے لئے اپنے جانثاروں کی تکلیف جب قطعاً ناقابل برداشت ہو گئیں تو ۵ ء نبوی میں آپ ﷺ نے انہیں حبشہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ حبشہ کی دونوں ہجرتوں کا ذکر ہجرت نبوی سے پہلے کیا جائے گا تا کہ ہجرت کی اہمیت اجاگر ہو سکے۔

قریش کے ان مظالم سے مسلمانوں کی تربیت ہوئی۔ ان میں اللہ پر اعتماد اور توکل بڑھا۔ ظلم کی سیاہ رات میں انہیں اس آنے والے روشن دن کی آمد پر مکمل ایمان تھا جب اسلام کا سورج اپنی پوری تابانی سے چمکے گا، جس سے سرزمین عرب کے ذرے آئینہ تجلی بن جائیں گے۔ اور ساری دنیا کو اسی سورج کی روشنی سے ایمان کی صراط مستقیم ملے گی۔ افراد کی آزمائشوں کے بعد وہ منزل آگئی جب ربُّ العزت نے جماعت مؤمنین کے کردار، ان کی استقامت اور حقیقی خدوخال کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی تدبیر فرمائی اور اس جماعت کے صبر واستقلال کے اظہار کے لئے شعب ابی طالب کی محصوری کا واقعہ مرتب فرمایا۔

کفار کے ظلم وستم کا ایک مثبت پہلو یہ بھی تھا کہ بعض نہایت دلیر افراد اس ظلم سے اظہار برات کرنے کے لئے مسلمان ہو گئے۔ مظلوموں کے صبر نے ان کے دلوں کو برما دیا۔ شعب ابی طالب کے واقعہ سے ایک سال پہلے یعنی ۶ نبوی میں حضرت حمزہ ؓ مسلمان ہو گئے۔ حمزہ شجاع تھے، دلیر تھے، سیر وشکار کا شوق تھا، زندگی کو شکار کا میدان سمجھتے تھے۔ اپنے بھتیجے محمد ﷺ سے بہت محبت تھی، مگر اسلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ایک دن کوہ صفا کے قریب ابوجہل نے حضرت سید المرسلین ﷺ کے ساتھ سخت گستاخیاں کیں۔ حمزہ ؓ شکار پر گئے ہوئے تھے جب وہ شام کو واپس آئے تو چہرہ گرد سے اٹا ہوا تھا۔ منہ ہاتھ دھونے سے پہلے ہی کنیز نے، جس نے ابوجہل کی گستاخیوں کو خود دیکھا تھا پورا واقعہ سنا دیا۔ وہ توفیق الٰہی کی ساعت اور قبولِ حق کی

گھڑی تھی۔ حمزہ ؓ اسی حال میں تیر کمان لئے حرم میں داخل ہوئے، کمان ابوجہل کے سر پر ماری اور جلال کے عالم میں اعلان کیا۔ ''سن لو میں مسلمان ہو گیا ہوں'' یہی وہ سال تھا کہ عمر ؓ ابن خطاب بھی اسلام لائے۔ عمر کے اسلام قبول کرنے کے لئے زبان رسالت نے اپنے معبود کے حضور دعا فرمائی تھی۔ حضرت عمر ؓ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ نہایت معروف ہے۔ اس لئے ہم تفصیل سے گریز کرتے ہیں۔ ہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ بھی ایک مسلمان خاتون کی جرأت و ہمت کا کارنامہ ہے۔ حضرت عمر ؓ نے اپنی بہن فاطمہ کو زدوکوب کیا مگر بہتے ہوئے لہو کے ساتھ زبان فاطمہ نے یہی کہا کہ بھائی کچھ کرلو، رسول اللہ ﷺ سے رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا اور کلام الٰہی ہونٹوں پر یوں ہی جاری رہے گا اور دل کی طرف یوں ہی سفر کرتا رہے گا۔ اور یوں فاطمہ ؓ نے تقدیر عمر ؓ بدل دی۔

قریش غصے سے اپنی انگلیاں کاٹ رہے تھے اور اپنے غضب کی آگ میں جل رہے تھے۔ ان کے بہترین افراد حلقہ بگوشان محمد ﷺ میں شامل ہو گئے تھے۔ اللہ کی زمین ان کے لئے وسیع تر ہو رہی تھی۔ مسلمان مہاجروں کے دو قافلے حبشہ پہنچ چکے تھے۔ اور قریش کے جو سفیر انہیں واپس لانے اور حبشہ نکلوانے کے لئے گئے تھے وہ نامرادانہ واپس آچکے تھے۔ نجاشی خود بھی دولت اسلام سے سرفراز ہوا۔ ان حالات میں قریش نے یہ انتہائی تدبیر سوچی کہ مسلمانوں کو محصور کر کے رزق اور سامانِ حیات سے محروم کر دیا جائے تاکہ دنیا سے ان کا رشتہ ٹوٹ جائے اور وہ تباہی و موت کی وادی میں پہنچ جائیں۔

قریش نے مکمل مقاطعہ (بائیکاٹ) کا معاہدہ مرتب کیا جس کی رو سے طے ہوا کہ کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ ان تک کھانے پینے کا سامان نہیں پہنچنے دیا جائے گا۔ ان کے ساتھ تجارت اور لین دین ممنوع ہوگا۔

یہ عہد نامہ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ بنی ہاشم میں سے ابولہب اس معاہدہ میں قریش کے ساتھ شریک تھا۔

جناب ابو طالب نے کمال جرأت کے ساتھ مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ بنو ہاشم ۷ نبوی میں شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے، دو چار دن، دو چار مہینے کے لئے نہیں بلکہ پورے تین سال کے لئے۔ بنی ہاشم درختوں کے پتے بلکہ چمڑے کے ٹکڑے ابال ابال کر کھانے پر مجبور ہو گئے۔ شعب ابی طالب میں جب معصوم بچوں کے رونے کی آوازیں گونجتیں تو محمد مصطفیٰ ﷺ

کے قلب میں رنج وغم کی موجیں اضطراب پیدا کردیتیں۔ اگر وہ اللہ کے رسول نہ ہوتے اور اللہ کی وحی کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے مکلف نہ ہوتے تو یہ سب کچھ کیسے برداشت کرتے۔ان شدائد کو دیکھئے اور اس نقطہ پر غور کیجئے کہ اس عالم میں بھی سرکار ختمی مرتبت ﷺ نے اپنی تبلیغ جاری رکھی۔

نبی اکرم ﷺ کی اس استقامت سے وہ دل بھی پگھلنے لگے جو پتھر کی طرح سخت تھے اور انہیں بھی اسلام کی حقانیت کا یقین ہونے لگا۔قریش میں ایسے لوگ بھی تھے جو انصاف اور انسانیت کے تصورات سے بے بہرہ نہ تھے،وہ صلہ رحمی اور حسن سلوک کا واضح تصور رکھتے تھے۔ ہشام بن عمرو بن ربیعہ ایسے ہی انسان دوست اور بہادر انسان تھے انہوں نے اور ان کے چار ساتھیوں نے قریش کے اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف آواز بلند کی۔

ایک دن جب قریش کی محفل بجی ہوئی تھی۔ قہقہے لگ رہے تھے، جام ٹکرائے جارہے تھے زہیر بن ابی امیہ کی آواز گونجی کہ مجھ پر عیش اور رزق حرام جب تک میں اس ظالمانہ معاہدہ کو چاک نہ کردوں گا۔ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے بہت شور مچایا،مگر بہادروں کا یہ قافلہ معاہدہ کو چاک کرنے کے لئے آگے بڑھا۔اس میں ہشام، زہیر اور معطم بن عدی شامل تھے۔ جب وہ کعبہ پہنچے تو دیکھا کو معاہدہ کو دیمک چاٹ چکی ہے۔ اللہ اپنا فیصلہ دے چکا تھا۔مگر اس واقعہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ قریش میں بہادر اور حق کا احساس رکھنے والوں کا ضمیر جاگ اٹھا۔حق میدان جنگ ہی میں سرفراز نہیں ہوتا وہ تو قلوب کی دنیا کو متلاطم اور دگرگوں کر دیتا ہے۔

مکہ کے اس دور میں افراد کی تربیت کے ساتھ ساتھ جماعت مؤمنین کی شیرازہ بندی ہوئی۔ایک ایسا گروہ وجود میں آیا جسے اپنے رب پر، اپنے رسول پر اور اپنے دین پر مکمل ایمان تھا۔ یہ وہ جماعت تھی جو کسی ظلم کے سامنے جھک نہیں سکتی تھی اور جسے کوئی تحریص وترغیب خرید نہ سکتی تھی۔صبر اور استقامت اس جماعت کی امتیازی صفات تھیں،اور ان کے صبر کی بنیاد صلوٰۃ پر قائم تھی۔ یہ جماعت صبر وصلوٰۃ کے ذریعہ اللہ سے نصرت طلب کرتی تھی اور ان کی دعا جب باب اجابت پر دستک دیتی تو اسے کھلا ہوا پاتی۔اس جماعت کے صبر نے دوسری طرف مخالفوں کے دلوں کو بھی بدل دیا۔

# مکی زندگی کے اہم باب

## شق قمر، عام الحزن، طائف، ایامِ حج میں تبلیغ اور معراج

جہاد کسی مقصد کے حصول میں حد درجہ مشقت اور امکان بھر کوشش کو کہتے ہیں۔ سیدنا و مولانا محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ جہادِ اکبر تھا۔ آپ ﷺ تو شعب ابی طالب کے عہد محصوری میں بھی فریضۂ تبلیغ میں ہمہ تن مصروف رہے۔ پیغامِ حق کی تبلیغ و ترسیل میں رسول ﷺ کی زندگی اور آیات الٰہی معجزات کا درجہ رکھتی ہیں۔ ہم اس مطالعے میں کسی مقام پر عرض کر چکے ہیں کہ آمنہ کے لختِ جگر ﷺ کے یہ دونوں معجزات یعنی آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور قرآن حکیم قیامت تک کے لئے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کی رسالت ہر دور کے لئے ہے ان معجزات کے علاوہ حسی معجزات بھی عطا کئے گئے تاکہ ان کے منکروں پر حجت قائم ہو سکے۔

شعب ابی طالب کا محاصرہ جاری تھا۔ ایک طرف قریش کے بعض سردار عناد اور دشمنی میں سخت تر ہوتے گئے۔ اور دوسری طرف ہشام، زہیر اور معطم بن عدی کے دلوں میں نرمی کی کونپلیں پھوٹنے لگیں۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا۔ اسی دور میں معجزہ شق قمر دنیا کے سامنے آ گیا۔ محاصرہ بنیادی طور پر معاشرتی مقاطعہ تھا۔ حضور ﷺ اس زمانے میں بھی مکہ کے دوسرے مقامات پر تشریف لے جاتے تھے۔ وہ چاندنی رات تھی۔ حضور ﷺ منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ اہل مکہ آپ ﷺ کی تکذیب و تعذیب کے لیے ہر جگہ پہنچ جاتے۔ وہ منیٰ میں بھی پہنچ گئے اور بخاری و مسلم کے مطابق۔ ''اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اپنی نبوت کے لئے کوئی نشانی (معجزہ) دکھلائیں، تو اللہ تعالیٰ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا یہاں تک کہ انہوں نے جبل حرا کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔'' ❶

قرآن حکیم نے سورۃ القمر میں اس معجزہ کو اہل ایمان و بصیرت کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ

❶ ...... حوالہ معارف القرآن جلد ہشتم (مولانا مفتی محمد شفیعؒ) صفحہ ۲۲۷، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء۔

يَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝

قیامت کی گھڑی آگئی اور چاند پھٹ گیا مگران لوگوں کا یہ حال ہے کہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے انہوں نے (اس معجزہ شق القمر کو بھی) جھٹلا دیا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی ہر معاملہ کو بالآخر ایک انجام پر پہنچنا ہے۔ (سورۃ القمر ۵۴: آیات ۱تا۳)

قریش مکہ اور صحابۂ کرام ﷺ کی ایک جماعت نے چاند کو دو ٹکڑوں میں منقسم ہوتے دیکھا۔ ایک ٹکڑا مشرق کی طرف۔ دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا۔ صاحب معجزات و براہین ﷺ نے گروہ قریش سے کہا کہ دیکھو اور شہادت دو۔ اور اچھی طرح دیکھنے کے بعد چاند پھر جڑ گیا۔ اس واقعہ کی شہادت بعد میں مکہ آنے والے قافلوں نے بھی دی۔ لیکن قریش مکہ کے قلب ونظر پر جیسے ان کے تعصبات اور ہٹ دھرمی نے مہر لگا دی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ جادو تو وقتی اور محدود چیز ہے، لیکن اقصائے عالم میں دیکھے جانے والے اس معجزے کو بھی انہوں نے سحر قرار دے کر گریز کی صورت نکال لی۔ مگر وہ یہ بھول گئے کہ ہر چیز اپنے انجام تک ضرور پہنچتی ہے اور اس مرحلے پر حق واضح اور مشہور ہو کر سامنے آجاتا ہے جس سے انکار ممکن نہیں رہتا۔

نبوت کے دسویں سال مسلمان شعب ابی طالب کی محصوری سے نکلے۔ پناہ گزینی کے دن ختم ہوئے، لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد جناب ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ یہ وہ ذات تھی جس نے کم سن اور یتیم محمد ﷺ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا تھا، جس نے قریش کی تمام دھمکیوں کے علی الرغم اپنے بھتیجے سے کہا تھا کہ اپنے کام میں لگے رہو میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ وفات کے وقت ہادی حق ﷺ نے اپنے چچا کے سامنے ایک بار پھر اسلام کی دعوت پیش کی لیکن قریش کے سردار بستر مرگ کے گرد جمع تھے، اور ابو طالب خاموش رہے تا کہ یہ سرداران قبیلہ انہیں بزدل قرار نہ دیں۔

ابھی اس صدمے سے حضور ﷺ سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئیں۔ حضرت خدیجہؓ نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی رسالت اور صداقت کی گواہی دی تھی۔ وہ خدیجہؓ کی ذات تھی جس نے اپنے حرف تسلی سے آپ ﷺ کا بوجھ

ہلکا کیا تھا، اور جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غنا عطا فرمایا تھا۔ حضرت خدیجہ طاہرہؓ کے بطن مبارک سے سرکار دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار صاحبزادیاں عطا فرمائی تھیں ان کے نام قیامت تک عفت و عصمت کے استعارے رہیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو ہمیشہ یاد رکھا۔ ان کے ذکر سے آپ کو غم آمیز نشاط حاصل ہوتا۔ آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں اور اعزا کے ساتھ الطاف برتتے رہے اور عنایت کا سلوک کرتے رہے۔

مہربان چچا اور زندگی کے ہر دُکھ سکھ میں رفیقۂ حیات کی رخصت کا یہ سال عام الحزن یعنی غم کا سال کہلاتا ہے۔

طائف بعثتِ محمدی ﷺ کے عہد میں مکہ کے بعد دوسرا بڑا اور اہم شہر تھا ''قریتین عظیم'' سے مراد یہی ''دونوں بڑے شہر'' تھے۔ قریش جو دولت اور اقتدار کو ہر عظمت کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ یہی اعتراض کرتے تھے کہ اگر خدا کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو ان بستیوں (مکہ اور طائف) کے کسی سردار اور ذی حیثیت آدمی کو اس منصب کے لیے کیوں نہ چنا۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ نبوت اللہ کی رحمت ہے اور اس کی ''تقسیم'' اور ''انتخاب'' اسی کا حق ہے۔ رہی دولت، سو وہ اس نے دنیا پرستوں کو دے دی۔ وہ تو دنیا پرستوں کے گھروں کی چھتوں، ان کی سیڑھیوں، ان کے دروازوں اور ان کے بیٹھنے کے تختوں کو بھی سونے چاندی کا بنا کر انہیں فریب مزید میں مبتلا کر دیتا اگر یہ بات اس کی حکمت کے مطابق ہوتی۔ ان سارے مباحث کو سورۃ الزخرف کی پانچ آیتوں میں سمو دیا گیا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ○

وَلِبُيُوتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ ۙ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

''اور یہ مشرک کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں بڑے شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیا تمہارے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے تقسیم کی ہے حیاتِ دینوی میں ان کی روزی اور بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں اور تمہارے رب کی رحمت، (نبوت) اس مال و متاع سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو ہم رحمٰن (اللہ) سے کفر کرنے والوں کے مکانوں کی چھتیں اور ان کے زینے جن سے وہ اپنے بالا خانوں پر چڑھتے ہیں اور ان کے دروازے اور ان کے تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں سب چاندی سونے کے بنا دیتے یہ تو محض دینوی زندگی کی متاع و اسباب ہے اور تمہارے رب کے پاس آخرت (اور اس کے انعام) صرف متقیوں کے لئے ہے''۔

(الزخرف ۴۳: آیات ۳۱ تا ۳۵)

ان آیات ہی سے اہلِ طائف اور بالخصوص وہاں کے سربرآوردہ لوگوں کے اندازِ زیست اور طرز و فکر کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ طائف مکہ کے بعد دوسرا بڑا شہر ہی نہیں تھا بلکہ دوسرا اہم مذہبی مرکز بھی تھا۔ قریش کے بڑے بُت ''ہبل'' کے بعد طائف کے بت اعظم ''لات'' کا درجہ تھا۔ قریش بھی ہبل و لات کی عظمت کی قسم کھاتے تھے۔ طائف باغوں کا شہر تھا۔ اور گرمیوں میں سارے عرب کے امراء کا مرکز تفریح بن جاتا۔ طائف کے رئیس اپنی متاع دینوی پر ناز کرتے ہوئے اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بالاتر سمجھتے تھے۔ اور اقوام سابقہ کے خوشحال لوگوں کے اس اسلوب فکر کی ترجمان تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ

وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ○

''اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں کوئی خبردار کرنے اور کفر کی روش کے نتائج سے، ڈرانے والا بھیجا ہو اس بستی کے خوشحال لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو (پیغام) تم لے کر آئے ہو ہم اس کو نہیں جانتے۔ انہوں نے یہی کہا کہ ''ہم مال اولاد میں سے تم سے زیادہ اور ہرگز عذاب میں مبتلا نہیں کیے جائیں گے''۔

(سورۂ سبا ۳۴: آیات ۳۴ تا ۳۵)

مکہ میں آپ کو تبلیغ کرتے ہوئے دس سال ہو رہے تھے، لیکن قریش کے سرداروں کا وہی رویہ رہا۔ آپ ﷺ باہر سے آنے والے قافلوں میں بھی تبلیغ کرتے۔ اس مرحلے پر آپ کے ذہن مبارک میں طائف کے سفر کا خیال آیا۔ مکہ سے طائف کا فاصلہ کوئی پچاس میل ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق حضرت زید ؓ بن حارثہ آپ کے شریک سفر تھے۔ لیکن سفر طائف کی جو تفاصیل سامنے آتی ہیں۔ ان سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ آپ تنہا تشریف لے گئے تھے۔ اس عہد میں یہ فاصلہ کچھ کم نہ تھا۔ اور راستہ بھی پہاڑی تھا۔ حالات ایسے تھے کہ کسی سواری کا بندوبست بھی نہیں کیا جا سکا۔ آپ ﷺ کے صحابہ ؓ آپ ﷺ پر جاں نثار کرنے کے لئے آمادہ رہتے لیکن اس سفر میں آپ ﷺ نے کسی کو ساتھ نہ لیا۔ تبلیغ اور رسالت کا راستہ آپ ﷺ کا راستہ تھا۔ یہ جادۂ فرض تھا اور اس سلسلہ میں آپ ﷺ کسی کو تکلیف دینے کے لئے تیار نہ تھے کہ مومنوں کے لئے آپ ﷺ کو رؤف و رحیم بنا کر بھیجا گیا تھا۔

نبی اکرم ﷺ کے اس سفر کی مدت اور طائف میں قیام کے بارے میں اختلاف ہے۔ مختلف روایات کے مطابق آپ کی مدت قیام دس دن سے لے کر ایک ماہ عنوان جلی اور باب صبر و استقامت بن گیا۔ آپ ﷺ طائف کے سرداروں سے ملے اور ان کا انداز کلام یہ تھا۔

''تم رسول ہو؟ خدا کو تمہارے علاوہ کوئی نہ ملا؟''

''اگر خدا نے تمہیں پیغمبر بنایا ہے تو میں کعبے کا پردے پھاڑ دوں گا۔''

''میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔ اگر تم واقعی رسول ہو تو میں تمہاری بات کا جواب نہیں دے سکتا۔ اگر تم جھوٹے ہو تو بات کرنے کے لائق نہیں''

یوں سردارانِ طائف نے اپنی باتوں سے آپ ﷺ کے سینہ تحمل کو زخمی کیا اور پھر بے کار اور

اوباش لڑکوں اور نوجوانوں کے ساتھ اپنے غلاموں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ آپ ﷺ جدھر سے گزرتے وہ تالیاں بجاتے، مذاق اڑاتے، گالیوں سے آپ ﷺ کو مضمحل کرتے اور پھر آپؐ پر پتھروں کی بارش ہوئی کہ ایڑیوں کے لہو سے نعلین مبارک چپچپانے لگے۔ آپ ﷺ زخموں سے چور چور ہو کر کھجور کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ بہتے لہو، اپنی بے سروسامانی کے احساس، کفر کی تاریکی کے غلبہ اور لوگوں کے حق سے گریز نے آپ ﷺ کو ایک کرب عظیم میں مبتلا کر دیا تھا۔ مگر اس لمحے میں بھی آپ ﷺ کو تنہائی کا احساس نہیں تھا کیونکہ رفیق اعلیٰ کی معیت پر آپ ﷺ کا یقین پختہ تھا اور آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کا ملجا و ماوا اور پناہ گاہ تھا۔ اس عالم میں آپ کے ہونٹوں پر یہ دعا ابھری۔

> ''اے میرے معبود! میں اپنی کمزوری، اپنے وسائل کی کمی اور لوگوں کی تحقیر کے سلسلہ میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں۔ یا ارحم الرحمٰن! تو ہی درماندوں اور ضعیفوں کا رب ہے اور میرا مالک بھی تو ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرے گا بیگانے اور ترش خودشمن کے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی چیز کی پروا نہیں۔ تیری عافیت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جو ہر تاریکی کو روشن کر دیتا ہے۔ اور جس سے دین و دنیا کا ہر کام سدھر جاتا ہے۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے۔ نیکی کے عمل کی توفیق اور شر سے بچنے کی طاقت تو ہی مجھے عطا کرتا ہے۔''

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے سوال کیا کہ احد کے معرکے سے بھی سخت تر کوئی مرحلہ آپ کی زندگی میں آیا؟ آپ نے فرمایا طائف اور فرمایا کہ میں غم کے عالم میں حیران تھا کہ کدھر جاؤں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ میں قرن المنازل میں ہوں، ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے اور اس میں جبریل امین موجود ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے رب نے وہ سب کچھ سن لیا ہے جو آپ نے اپنی قوم سے کہا اور اس کا جو جواب دیا گیا۔ آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے اپنے حکم سے مطلع کریں۔ اس واقعہ کی تفاصیل مسلم بخاری اور طبرانی میں موجود ہیں۔ پہاڑوں کا فرشتہ مکہ اور طائف کے درمیان قریش اور اہل طائف کو دبا کر کچل دینے کی اجازت مانگ رہا تھا، لیکن رحمت للعالمین ﷺ نے

جواب دیا کہ نہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں وہ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے۔اوراس کے ساتھ کسی کوشریک نہیں کریں گے۔

آپ کی حالت زاراور آپ کے صبر کا طائف کے سرداروں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ پراثر پڑا۔انہوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کے ہاتھ آپ کوانگور بھجوائے تاکہ آپ نوش فرمائیں آپ سے مل کراور آپ کی عزیمت سے متاثر ہوکر وہ غلام مسلمان ہوگیا یہ دیکھ کر کہ اتنی تکلیف دینے والوں کے لئے بھی یہ ذات دعا کررہی ہے اس کے ذہن میں آپ ﷺ کی رسالت کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہا۔اور وہ کہہ اٹھا کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اپنے اعزا اور اپنے قبیلے تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے بعد ہادیٔ برحق قرآن ناطق، مبلغ اعظم نے مضافاتی بستیوں کے علاوہ عربوں کے اجتماعات اور ایام حج میں اطراف وجوانب سے آنے والوں کے درمیان تبلیغ شروع کردی تھی۔طائف کا سفر اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔

اجتماعات عرب اور بالخصوص حج کے اجتماع میں یہ قبیلے اپنے خیمے ایک ساتھ لگا کر اپنے ''پڑاؤ'' قائم کرتے، یوں ہر قبیلہ کی ایک چھوٹی عارضی بستی وجود میں آجاتی۔حضور ﷺ پر قریش کے جاسوس مقرر تھے۔آپ جب بھی کسی قبیلہ کا رخ کرتے، کسی اجتماع میں تبلیغ کے لئے روانہ ہوتے تو ابولہب اور ابوجہل آپ کے پیچھے لگ لیتے۔آپ ﷺ پر پتھراؤ کرتے اور جب کسی قبیلہ سے آپ ﷺ گفتگو کرتے تو وہاں پہنچ کر شور مچاتے، آپ ﷺ کی تکذیب کرتے۔جب آپ اللہ کی وحدت، انسانوں کی مساوات، آنے والی زندگی کے نکات بیان کرتے تو ابولہب یا کوئی اور قریشی سردار اٹھ کر لات وعزیٰ کی دہائی دیتا۔قریش کے اس طرز عمل کے طور پر دور دراز سے آنے والے قبیلوں کے ذی شعور لوگ سوچنے لگے کہ آخر یہ لوگ اس حد تک مخالفت کیوں کر رہے ہیں۔پھر عرب شجاع تھے اور بہادر انسانوں کو ظلم سے نفرت ہوتی ہے۔قریش کے ظالمانہ برتاؤ کو دیکھ کر ان قبیلوں کے بعض افراد سوچتے کہ آخر قریشیوں نے عربوں کے روایتی اخلاق، آداب کو کیوں ترک کردیا ہے۔لیکن اس جاہلانہ معاشرے میں ایسے ذی شعور لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔

سرور عالم ﷺ نے جنوبی عرب کے بااثر قبیلہ کندہ شمالی عرب کے قبیلہ کلب کے علاوہ بنی الحارث، بنی حنیفہ، بنوسلیم، بنی عبس۔بنی عذرہ، بنی بکر، بنی عنان اور کئی دوسرے قبیلوں کے وفود

سے ملاقاتیں کیں۔ حضور ﷺ ان قبیلوں کے سرداروں سے فرماتے کہ میری قوم مجھے تبلیغ اور انسانوں کی اصلاح سے روک رہی ہے۔ اگر تم مجھے اپنے علاقے میں رہنے کی اجازت دو تو میں ہجرت کے لئے تیار ہوں۔ بیشتر قبائل کا رویہ دل شکن ہوتا اور انداز کلام سخت۔ جو لوگ نئے دین کے لئے کشش محسوس کرتے وہ تعداد میں بہت کم تھے۔ یہ سعادت اہل یثرب کے لئے مقدر ہو چکی تھی کہ وہ اللہ کے رسول کو اپنے دیار میں آنے کی دعوت دیں اور اس پیغام کو پھیلانے کے لئے رسول اکرم ﷺ کا یوں ساتھ دیں کہ تاریخ انہیں انصار محمد ﷺ کہے اور ان کا وطن یثرب کی جگہ مدینۃ النبی بن جائے۔

اطراف یثرب میں یہودیوں کے" قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر آباد تھے ایک یہودی قبیلہ بنی قینقاع مدینہ میں آباد تھا۔ ان یہودی قبیلوں کے تعلقات دو قبیلوں اوس وخزرج سے تھے۔ بنی قینقاع خزرج کا حلیف قبیلہ تھا اور بنی قریظہ و بنی نضیر اوس کے حلیف تھے۔ یہ یہودی قبیلے اوس وخزرج کو آپس میں لڑاتے رہتے اور یوں اپنی اہمیت قائم رکھتے۔ یہودیوں سے ان تعلقات کی وجہ سے اوس وخزرج والے ان کے اعتقادات سے خوب واقف بلکہ متاثر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہود اپنی کتاب کے حوالے سے ایک نبی کی آمد کے منتظر ہیں۔ (1) جو آکر ان کی بالادستی اور اقتدار کے دور کا آغاز کرے گا۔ یہود جب یثرب والوں سے ناراض ہوتے اور کوئی باہمی جھگڑا ہوتا تو آنے والے نبی سے انہیں ڈراتے۔ اس طرح نبوت، وحی اور کتاب کے تصورات اہل یثرب کے لئے نئے نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے طے کرلیا ہے کہ وہ یہود سے پہلے آنے والے رسول پر ایمان لے آئیں گے اور وہ انہیں امن اور اتحاد کی زندگی عطا کرے گا۔

---

(1) ...... یہود تورات کی روشنی میں آخری نبی کی بعثت کے علاقے سے بھی باخبر تھے۔ وہ عرب اور عرب کے قریب کے علاقوں میں ہجرت کر کے آئے۔ مذکورہ بالا قبیلے تو یثرب ہی میں آباد ہو گئے۔ وہ اس سے بھی باخبر تھے کہ آنے والا نبی آل ابراہیم علیہ السلام میں سے ہوگا۔ مگر جب وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شاخ میں مبعوث ہوا تو یہود کے حسد کی انتہا نہ رہی۔ حسد کی انتہا یہ کہ کتاب اور نبی کی پہچان کر کے بھی منکر ہو گئے۔ اور ہر قسم کی سازش کی۔ خزرج والوں کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اللہ شاید آپ کے ذریعہ ہمیں ایک متحد قوت بنا دے بلکہ ایسا ضرور ہوگا کیونکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ہم یثرب جا کر اپنی قوم کے سامنے وہ پیش کریں گے جسے ہم نے قبول کرلیا ہے۔

ان اہل یثرب نے وطن واپس جا کر نئے رسول اور اس کے دین سے اپنے لوگوں کو باخبر کیا۔ گھر گھر اسلام کی بات ہونے لگی۔ اگلے سال موسم حج میں بارہ آدمیوں نے آکر اسلام قبول کیا۔ یہی بیعت عقبہ اولیٰ ہے۔ اور اس کا ذکر ہم نے ہجرت نبوی ﷺ کے سلسلہ میں کیا ہے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کا تذکرہ بھی آپ کو آگے ملے گا۔

یوں" مختلف اسباب وعوامل نے جو در اصل اللہ تعالیٰ کی حکمت ومشیت پر مبنی تھے، اور ان کا مقصد اسلام کی اشاعت اور غلبہ کے لئے راستہ ہموار کرنا تھا۔ اوس وخزرج کے یہ قبائل قریش مکہ کے برخلاف نرم مزاج اور نرم دل تھے۔ اور انتہاپسندی سے دور تھے۔

خانہ جنگی ختم ہو جائے گی۔ اتحاد کی طاقت انہیں گردونواح کے تمام علاقوں میں ممتاز کر دے گی۔

یہ تھا وہ پسِ منظر جب خزرج کے کچھ لوگوں کو رسول اکرم ﷺ نے منیٰ کے قریب ان کی خیمہ گاہ میں جا کر دعوتِ اسلام دی تو انہوں نے آپس میں تبادلۂ خیال کیا اور آپ کی تصدیق کی اور کہا یا رسول اللہ! ہم بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم انتشار میں مبتلا ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

”اور جب یہ کتاب (قرآن) ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگئی جو اس کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی (یعنی تورات) تو ان کا اس کتاب کے ساتھ کیا رویہ ہے حالانکہ اسی کے آنے سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے مگر جب وہ چیز آگئی جسے پہچان بھی گئے، تو اس سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان کافروں پر“۔ (سورۃ البقرۃ ۲: آیت ۸۹)

تشدد، تکبر اور انکارِ حق جیسے رذائل سے پاک تھے۔ ❶ ”علی میاں مدظلہٗ نے نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد کی روشنی میں اس کا سبب اوس و خزرج کی نسلی و نسبی خصوصیات اور یمنی مزاج و کردار کو قرار دیا ہے۔“ یہ دونوں قبیلے اپنی اصل میں یمن ہی سے وابستہ تھے۔ زمانہ قدیم میں ان کے آباؤ اجداد وہیں سے یہاں منتقل ہوئے تھے۔ ❷

سورۂ حشر جو دنیا اور آخرت میں یہود کے عذاب، ان کی سازشوں اور اسلام دشمنی سے متعلق ہے اپنے دامن میں اوس و خزرج کا ذکر بھی رکھتی ہے۔ کفار یہود سے حاصل ہونے والے مال (فَی) کے بارے میں سورۂ حشر کی آٹھویں آیت میں ارشاد ہوا کہ یہ غریب مہاجروں کے لئے ہے جو اسلام کی ”پاداش“ میں اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔ اور اس کے بعد کی آیت میں انصار (بالخصوص اوس و خزرج) کا ذکر ہے۔

---

❶ ..... مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نبی رحمت حصہ اول صفحہ ۱۵۴۔

❷ ..... حوالہ بالا

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُ والدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ

''اور یہ مال فی ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے اور جو کچھ ان کو دیا جائے اس کی حاجت تک اپنے دل میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود ضرورت مند ہوں اور جو لوگ اپنے آپ کو دل کی تنگی سے بچا لے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں''۔ (سورۂ حشر ۵۹: آیت ۹)

مکہ کی زندگی کے آخری برسوں کی اس تبلیغی جدوجہد کا یہ پہلو بہت اہم ہے کہ اس دور میں ہجرت کا خیال سرکارِ دو عالم ﷺ کے ذہن میں بار بار پیدا ہوتا۔ قریش کے ظلم وستم سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے آپ نے ۵ نبوی میں ہجرت حبشہ کی اجازت عطا کی، اور مسلمانوں کے دو گروہ الگ الگ حبشہ گئے تھے۔ لیکن خود آپ نے اس وقت ہجرت نہیں فرمائی کیونکہ ابھی وہاں تبلیغ کا کام باقی تھا۔ اور جب ہجرت کا خیال ذہن مبارک میں راسخ ہوا تو کچھ عرصہ کے بعد ربّ العزت نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی بصیرت اور اس کی حکمت عملی پر اس کے رب نے مہر توثیق ثبت کی۔ یہ حضور ﷺ اور اللہ کے باہمی رشتہ اور محبت کا وہ معاملہ ہے جسے ہم پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتے۔ تحویل قبلہ کا معاملہ بھی محمد ﷺ کی خواہش اور تمنا کا ربانی جواب تھا۔

ابھی ہجرت کے لئے محمد ﷺ کے رب کو اپنے رسول کو ایسے انعام سے نوازنا تھا جس سے آپ کو دار الہجرت میں نئی توانائی حاصل ہو۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی عبادت میں نیا رنگ پیدا ہو اور جب صلوٰۃ، مسجد سے وابستہ ہو کر اسلام کا سب سے بنیادی اور اساسی ادارہ بن جائے اور جب معاشرۂ اسلامی کی تشکیل وتعمیر کے احکام اس بلندی سے عطا ہوں کہ خود مسلمان انسانیت کے لئے معراج صغریٰ بن جائے۔ یہ انعام اور یہ مرحلہ عظمت وجبرت معراج تھی۔

کم و بیش گیارہ ساڑھے گیارہ سال تک عبداللہ کے لعل، آمنہ کے لختِ جگر، خدیجۃ الکبریٰؓ کے رفیق و نبی، اہلِ ایمان کے دلوں کی دھڑکن حضرت محمد عربی ﷺ نے قریش کے مظالم کا مقابلہ اپنے اللہ کی نصرت کے سہارے کیا۔ طائف میں آپ ﷺ کی ایڑیاں، زخم اور خون میں ڈوب کر نعلین مبارک سے چپک گئیں۔ مکہ میں آپ جدھر سے گزرتے دل خراش باتیں آپ کا تعاقب کرتیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے مرتب کردہ نقشہ کے مطابق یہ دور ختم ہونے والا تھا اور دوسرے دور کا آغاز قریب تھا۔ دورِ قیامِ ریاست سے پہلے محمد ﷺ کے رب نے چاہا کہ انہیں اس طرح نوازا جائے کہ ہر زخم کا نشان مٹ جائے۔ اور اسی انعام اکرام کو معراج کہا گیا۔ معراج جس میں انفس و آفاق کی تمام حقیقتیں محمد ﷺ مکی و مدنی و عربی کے حضور پیش کردی گئیں۔ وقت جو ازل سے بہتا چلا آرہا ہے اس رات سفر سے روک دیا گیا۔ زماں کے ساتھ مکاں بھی اس ابن آدم علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام کے لئے مسخر کردیا گیا، اور اس کی امت کو اس واقعہ کے ذریعہ بشارت دی گئی۔

کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

یہ وہ رات تھی جس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے سورۂ اسرا (بنی اسرائیل) اور سورۂ نجم نازل ہوئیں جو "یہ اعلان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں قبلوں (مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ) کے نبی اور دونوں سمتوں مشرق و مغرب کے امام اور اپنے پیشرو تمام انبیاء کرام کے وارث اور بعد میں آنے والی پوری نسل انسانی کے رہبر و رہنما ہیں۔ آپ کی شخصیت اور آپ کے سفر معراج میں مکہ بیت المقدس سے اور مسجد حرام مسجد اقصیٰ سے ہم آغوش ہوگئی۔ آپ کی امامت میں تمام انبیاء نے نماز پڑھی اور یہ دراصل آپ کے پیغام دعوت کی عمومیت و آفاقیت، آپ کی امامت کی ابدیت، اور ہر طبقۂ انسانی کے لئے آپ کی تعلیمات کی ہمہ گیری و صلاحیت کی دلیل و علامت تھی"۔ ❶

معراج کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق ۱۷ رمضان ۱۲ نبوی کو آپ معراج سے سرفراز فرمائے گئے۔ یعنی ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے۔ بعض روایات کے مطابق ہجرت سے چھ ماہ پہلے آپ اس تجربے سے گزرے لیکن قبول عام ۲۷ رجب ۱۲ نبوی کی روایت کو حاصل ہے۔ ہماری رائے میں ملت مسلمہ کا اجتماعی ضمیر اپنے آقا اور رسول کے بارے میں جس بات کو قبول کرلے چاہے اس کا تعلق توقیت حیات محمد ﷺ سے ہو، اسے

❶..... مولانا ابوالحسن علی ندوی، نبی رحمت ﷺ حصہ اول صفحہ ۱۴۸ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۷۶ء۔

اختلافات کی صورت میں قبول کر لینا چاہئے۔ جس طرح آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے سلسلہ میں ۱۲ ربیع الاول کو قبول کر لیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ مسجد حرام میں آرام فرما رہے تھے۔ کہ جبرائیل امین نے آ کر بیدار کیا اور کہا کہ معراج کی گھڑی آ چکی ہے۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں براق پیش کیا اور آپ نے براق پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر لمحوں میں طے کیا۔ یہی سفر اسرا کہلاتا ہے اور پھر بیت المقدس سے آسمانوں کا سفر معراج۔ سورۂ بنی اسرائیل (سورۂ اسرا بھی کہلاتی ہے) سفر اسرا کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور پہلی ہی آیت میں اسرا کی تمام کیفیت آ جاتی ہے اور اس طرح اسے محض روحانی تجربہ قرار دینے والوں کے ہر اعتراض کا جواب اسی آیت میں موجود ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ o

"پاک ہے وہ (معبود) جو ایک رات اپنے بندے کو لے گیا، مسجد حرام سے دور کی اس مسجد (مسجد اقصیٰ) تک جس کے ماحول کو اس نے بابرکت بنایا ہے تا کہ اسے اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ بے شک اللہ ہی سمیع و بصیر ہے"۔

(سورۂ بنی اسرائیل ۱۷: آیت ۱)

آیت کا آغاز کس اہتمام اور شان سے کیا گیا ہے "سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ" اگر یہ خواب کا معاملہ ہوتا تو ایسے افتتاحی الفاظ رب محمد ﷺ استعمال نہ فرماتا۔ پھر اسریٰ کا لفظ جو "رات کو لے جانے" کے مفہوم کے ساتھ وابستہ ہے۔ پھر لیلاً اس حقیقت کا اظہار ہے کہ یہ ایک پوری رات کی بات نہیں بلکہ رات کے ایک حصہ کا واقعہ ہے۔ آگے "عبد" کا لفظ حضور ﷺ کی مکمل ذات کا احاطہ کر رہا ہے۔ عبد محض روح سے عبارت نہیں ہوتا بلکہ جسم و روح کا نام عبد ہے۔ یوں محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل "عبد" مسلمانوں کے لئے بلند ترین مقام ٹھہرا اور یہ عبد و عبدیت دونوں کی معراج ہے۔ اس کے علاوہ متواتر احادیث اسرا کے بعد سفر معراج کی تصدیق کرتی ہیں۔ حضور ﷺ نے معراج سے واپسی پر حضرت ام ہانیؓ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ کسی اور کو نہ سنائیں۔ اگر یہ خواب کی بات ہوتی تو ام ہانی تکذیب سے کیوں ڈراتیں۔

حضور اللہ کے رسول تھے اس لئے وہ اس سفر، اس کے نتائج اور اس سے متعلق آیات واحکام کو کیسے چھپا سکتے تھے۔ اور سفر بھی ایسا جس میں اللہ نے اپنے حبیب کو اپنی آیات اور اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ یہ سفر خود ایک آیت کبریٰ تھا۔

آپ ﷺ نے جب اپنے سفرِ معراج کا ذکر کیا تو قریش اپنی عقل کے پیمانے سے اس واقعہ کو پرکھ کر مذاق اڑانے لگے۔ اور جھٹلانے لگے۔ کئی نومسلم اسے معاذ اللہ خللِ دماغ سمجھ کر مرتد ہو گئے۔ یہ سعادت ابوبکر ؓ کے حصے میں آئی کہ سنتے ہی تصدیق کی صدقت یا رسول اللہ اور اسی تصدیق نے انہیں صدیق بنایا۔ صدیق جو رسول تو ہرگز نہیں ہوتا۔ مگر مقاماتِ نبوت کو کوئی غیر نبی اس سے زیادہ نہیں سمجھتا۔

حضور ﷺ نے مسجدِ اقصیٰ میں تحیۃ المسجد کی نماز نفل ادا فرمائی اور پھر صحنِ مسجد سے آپ کا سفرِ معراج شروع ہوا۔ ایک ربانی زینے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے آپ پہلے آسمان پر گئے اور پھر دوسرے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ چھٹے آسمان کے بعد سدرۃ المنتہیٰ کی منزل آئی! سدرۃ المنتہیٰ کے آگے ساتویں آسمان پر بیت المعمور کا مشاہدہ جہاں حضرت خلیل اللہ آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ اللہ کے زینے کی نوعیت کی ہمیں کیا خبر، اور نہ ہمارا قیاس ہمیں اس راستے پر دور تک لے جاسکتا ہے۔ اسی زینے کی نسبت سے یہ واقعہ معراج کہلایا۔

آسمان حدِ نظر بھی مگر یہ قرآنی آسمان تو طبقاتِ سماوی ہیں۔ اور وہ دائرے جن میں کائنات کا ایک بڑا حصہ آجاتا ہے۔ ابھی تو ہمارے رب کے عالموں اور دنیاؤں کی ہمیں خبر بھی نہیں۔ کتنی نئی کہکشائیں ہمارے دائرہ علم میں آرہی ہیں۔ واپسی کے سفر میں انبیائے کرام اپنے امام کے ساتھ بیت المقدس میں اترے اور آپ ﷺ نے ان انبیاء کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور ان کی امامت کی۔

حضور ﷺ نے معراج میں جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا یہ مشاہدہ محض مکانی نہیں تھا۔ بلکہ اس مشاہدہ میں زمانے بھی سمیٹ دیئے گئے اور مستقبل اس لمحۂ دیدِ محمد ﷺ کا حصہ بن گیا۔ آپ ﷺ مستقبل میں جنت، دوزخ اور ملائکہ کو ماننے کی دعوت اپنی قوم کو دے رہے تھے۔ یہ سب چیزیں آپ کو دکھادی گئیں تاکہ آپ کی دعوت جو وحی الٰہی کی بنا پر مستحکم و معتبر تھی اس مشاہدہ سے شخصی شہادت بن سکے۔

اقبال نے لکھا ہے کہ صوفی کا تجربہ شخصی ہوتا ہے جب کہ نبی کا تجربہ شخصی ہونے کے ساتھ

ساتھ عالم انسانیت کے لئے بہت سی ہدایات اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ صوفی کے لئے تو اللہ کے قرب میں گم ہو جانا ہی معراج ہے، جب کہ رسول قرب الٰہی سے نئی قوت اور نئی طاقت لے کر عالمِ انسانیت کی طرف واپس آتا ہے اور تاریخ کے دھارے کو نیا رخ عطا کرتا ہے۔ پنج وقتہ نماز ہمارے لئے معراج مصطفوی کا تحفہ ہے اور شاید اسی لئے ہمارے قرار جاں ﷺ نے نماز کو معراج المومنین قرار دیا۔

پنج گانہ نماز جیسا کہ عرض کیا گیا اپنی ادائیگی کے آداب کے ساتھ اسلامی معاشرہ کا بنیادی ادارہ ہے۔ آداب سے مراد مسجد اور جماعت ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اسلامی معاشرہ کے رہنما اصول عطا کر دیئے گئے۔ اور یہ بات ہجرت اور مدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام کا واضح اشارہ ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی واضح طور پر بتا دی گئی کہ اسلامی ریاست کا قانون قرآن پر مبنی ہوگا۔ ویسے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن کو صاحب قرآن ﷺ سے الگ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن کی تفسیر اور احکام قرآن پر عمل کے راستے اسی ذات اقدس نے ہمیں عطا کئے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ

''بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اسے مان کر اعمالِ صالحہ کو اپنائیں انہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے''۔

(سورۂ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۹)

سورۂ بنی اسرائیل میں انسانی زندگی اور اسلامی معاشرہ کے جو بنیادی اصول عطا کئے گئے ہیں ان میں بنیادی اصول آیات نمبر ۲۲ سے ۳۷ تک تسلسل کے ساتھ بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ آیات کے ترجمے میں ہم نے ان اصولوں پر نمبر ڈال دیئے ہیں تا کہ انہیں الگ سے دہرایا نہ جائے اور قارئین کرام انہی آیات میں تدبر و تفکر فرمائیں۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝
وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا
كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا
فِيْ نُفُوْسِكُمْ ط اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ
غَفُوْرًا ○ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ○ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ
رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ○
وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ
الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ○ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ○ وَلَا
تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ
وَاِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ○ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى
اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا ○ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا
لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ○
وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ
اَشُدَّهٗ ص وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ
مَسْئُوْلًا ○ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ج اِنَّكَ لَنْ

تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ۝

''تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنالو ورنہ ملامت زدہ اور بے یارو مددگار بیٹھے رہ جاؤ گے تمہارے رب نے فیصلہ دیا ہے کہ (۱) تم کسی کی عبادت نہ کرو سوائے اس کے، اور (۲) والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، (۳) اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو، اور ان سے ادب و کرامت کے ساتھ بات کرو اور نرمی کے ساتھ ان کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دو اور دعا کرو کہ اے رب ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں رحمت کے ساتھ مجھے پالا تھا تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اگر تم نیک بن کر رہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخش دیتا ہے۔ (۴) رشتہ دار کو اس کا حق دو، اور (۵) محتاج اور مسافر کو اس کا حق دو، (۶) فضول خرچی نہ کرو بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے اگر تم ان (ضرورت مند رشتہ داروں مسکینوں، مسافروں) سے مجبوراً کتراؤ، اس وجہ سے کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کو تلاش کر رہے ہو جس کے امیدوار ہو تو انہیں نرم جواب دو، (۷) نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھو اور نہ ہی بالکل کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن جاؤ، (۸) (یعنی نہ بخل سے کام لو اور نہ فضول خرچی سے) تمہارا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں کشادگی پیدا کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے (۹) اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی ان کا قتل ایک بڑی خطاء ہے اور (۱۰) زنا کے قریب بھی نہ جاؤ وہ بہت بڑا فحش فعل اور بہت ہی بُرا راستہ ہے، (۱۱) قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبہ کا حق دیا ہے، پس چاہئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے اس کی مدد کی جائے گی، (۱۲) یتیم کے مال کے قریب نہ پھٹکو مگر جس طرح بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے، (۱۳) عہد کی پابندی کرو بے شک

عہد کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا(۱۴) پیمانے سے دو تو پورا بھر کر اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو، یہ اچھا طریقہ ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے(۱۵) کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تم کو علم نہ ہو،(۱۶) یقیناً آنکھ، کان، اور دل سب ہی سے باز پرس ہونی ہے(۱۷) زمین پر اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو"۔

(سورۂ بنی اسرائیل: آیات ۲۲ تا ۳۷)

یہ وہ اصول تھے جن پر مدینہ کی اسلامی ریاست کو اپنی بنیادیں استوار کرنی تھیں اور ان احکام سے یہ بات بھی ہر دور کے مسلمانوں پر واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مملکت کے آئین کا مقصد محض کاروبار مملکت کو چلانا نہیں ہے، بلکہ ایک ہموار، متوازن اور عادلانہ معاشرہ قائم کرنا ہے۔ ایک فلاحی مملکت کے خدوخال پوری طرح ان قرآنی ہدایات میں موجود ہیں۔ اسلام کا کمال اور معراج یہ ہے کہ وہ پہلے افراد کے قلب کو معروف پر آمادہ کرتا ہے اور منکرات سے روکتا ہے۔ پھر معروف کو معاشرہ کا مزاج اور قانون بنا دیتا ہے۔ قرآن کے ان احکام پر تفصیلی گفتگو کی جا سکتی ہے۔ اور ان نکات کو سنت کی روشنی میں اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہاں ہمارا مقصد معراج کے پس منظر میں انہیں پیش کرنا تھا۔

معراج نبوی، ہجرت نبوی کا دیباچہ تھی اور اسی سے ہجرت کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

# ہجرت حبشہ

مکہ معظمہ میں قریش نئی طرز ستم ایجاد کر رہے تھے اور مسلمان اپنے لہو سے تزئین در و بام حرم کر رہے تھے

یہ تو وہ تھے کہ حق کے تحفظ کی خاطر
خود اٹھا لاتے تھے گر تیر خطا ہوتا تھا

تبلیغ اور دین حق کی اشاعت کی خاطر یہ اہل ایمان گھر سے نکلتے تو جیسے اپنی ہتھیلیوں پر اپنا سر لے کر۔ یہ لوگ تو کفر شرادوں کی اوقات کو جانتے تھے، لیکن ان کے رؤف و رحیم ﷺ کے چہرۂ اقدس کا رنگ مسلمانوں کے لہو کو دیکھ کر متغیر ہو جاتا تھا۔ رحمتِ عالم و عالمیاں ﷺ نے تو کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ حرم کعبہ بہت محترم اور مقدس ہے مگر مسلمان کا لہو اس سے زیادہ محترم ہے۔ ان حالات میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حبش ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس ملک سے مکہ والوں کے تجارتی تعلقات تھے اور وہاں کے حالات سے بھی آگاہی تھی۔ وہاں کے حکمران نجاشی کے انصاف کی شہرت بھی دور و قریب کے علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ عیسائی تھا مگر روادار۔ ابھی ہجرت حبشہ کا خیال ہی تھا اور مہاجروں کے پہلے قافلے نے مکہ کی زمین سے آغاز سفر نہیں کیا تھا کہ سورۂ مریم نازل ہوئی۔ اس سورۃ میں حضرت مریم اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر بھی موجود ہے اور وہ تمام واقعات بھی جنہیں عیسائیوں نے انجیل کے مطابق نہیں رہنے دیا تھا، اور مسخ کر دیا تھا۔ اشارہ ربی یہ تھا کہ عیسائی بادشاہ کی سرزمین میں بھی عیسائیت اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی کہنا جو سچ ہے، انسانوں کو اپنا نجات دہندہ نہ جاننا۔ تمہارا محافظ تمہارا رب ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ یہ ہجرت محض جان بچانے کے لئے نہیں تھی، بلکہ تبلیغ کا پہلو بھی موجود تھا۔ مکہ کے پتھر دل تو اسلام سے گریزاں تھے۔ یہ توقع پیدا ہوئی کہ جو لوگ کتاب اور نبوت سے آگاہ ہیں، شاید وہ ایمان لے آئیں۔

قرآن حکیم نے اہل کتاب سے بحث کے سلسلہ میں مسلمانوں کو خاص طور سے یہ ہدایت

دی تھی کہ

وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

''اور اہلِ کتاب سے عمدہ طریقے سے بات کرو سوائے ان کے لوگوں کے جوان میں سے ظالم ہوں ان سے کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس (ہدایت) پر جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اس (کتاب) پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھی، ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں''۔

(سورۂ عنکبوت ۲۹: آیت ۴۶)

یہ لحہ اور یہ انداز و اسلوب تبلیغ حق پسند اہل کتاب کے دلوں کو کھولنے کے لئے کتنا موثر ہے۔ ایک ہی پیغام اور ایک ہی خدا پر ایمان کی طرف دعوت۔

حبشہ ہجرت کرنے والی پہلی جماعت کے ارکان کی تعداد میں معمولی سا اختلاف ہے کچھ کے نزدیک یہ لوگ چودہ تھے اور بعض روایات کے مطابق سولہ۔ بعد میں حضرت جعفر بن ابی طالب ان کے ساتھ شریک ہو گئے تھے۔ سیرۃ النبی میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کے نام ملتے ہیں۔ ان مہاجرین میں نبی اکرم ﷺ کے داماد اور خلیفہ ثالث حضرت عثمان ؓ اور ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بنت محمد ﷺ، حضرت زبیر بن العوام ؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ یہ اپنے معاشرہ کے بااثر لوگ تھے۔ شبلی نے ایک لطیف نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑا تھا، یعنی حضرت بلال ؓ، عمار ؓ، یاسر ؓ وغیرہ ان لوگوں کا نام مہاجرین حبشہ کی فہرست میں نظر نہیں آتا، اس لئے یا تو ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا، یا یہ کہ درد لذت سے آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔

ہمارے خیال میں اس جماعت مہاجرین میں وہ شامل تھے جو اسلام اور اس کے پیغام کو بہتر

طور پر اہل کتاب کے سامنے پیش کر سکتے تھے، اور غالباً اسی لئے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کو بھی بھیج دیا گیا۔ بعد میں اور مسلمان بھی حبشہ پہنچے، ان مہاجرین کی مجموعی تعداد ۸۳ بتائی جاتی ہے۔

حبشہ میں ان مسلمانوں کا احترام کیا گیا۔ جب قریش تک یہ خبریں پہنچیں کہ مسلمان حبش میں آرام اور عزت و آزادی کی زندگی گزار رہے ہیں تو ان کے غم و غصہ کی انتہا نہ رہی اور وہ اپنی انگلیاں کاٹنے لگے۔ قریش نے طے کیا مسلمانوں کو حبشہ سے واپس لانے یا کم سے کم وہاں سے نکلوانے کے لئے ایک سفارت بھیجی جائے۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص بن وائل، نجاشی اور اس کے درباریوں کے لئے ایسے بیش بہا تحفے لے کر حبشہ پہنچے جن سے بہتر تحفے مکہ میں نہیں مل سکتے تھے اور مکہ ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔ نجاشی کے دربار میں ان نمائندوں نے خیر خواہی کی نقاب اوڑھ کر کہا کہ یہ ہمارے عزیز ہیں۔ ہمارے جگر گوشے ہیں مگر انہوں نے دین آبائی کو چھوڑ کر ایک نیا دین ایجاد کر لیا ہے۔ اگر یہ آپ کا دین بھی قبول کر لیتے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ یہ آپ کے ہاں اپنے ماں باپ، اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے ہیں۔ آپ ہمیں انہیں واپس لے جانے کی اجازت دیں تا کہ ان اعزا کو سکون حاصل ہو سکے۔ نجاشی کے درباری تو قریش کے تحفے قبول کر کے ان کے طرفدار بن چکے تھے۔ انہوں نے ایک زبان ہو کر قریش کے سفیروں کی تائید کی۔

نجاشی صاحب فراست و بصیرت تھا۔ اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ میں انہیں پناہ دے چکا ہوں اور بے سبب اپنی پناہ واپس نہیں لے سکتا۔ پھر ان کی گمراہی اور بے دینی کا فیصلہ ان کے نقطۂ نظر کو سنے بغیر کیسے کیا جا سکتا ہے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں بلایا اور اپنے پادریوں کو بھی بلایا کہ وہ مسلمانوں کے دین کے بارے میں سنیں اور اگر ہو سکے تو جواب دیں۔ نجاشی نے گروہ مسلمین سے پوچھا کہ تمہارے دین کی ترجمانی تم میں سے کون کرے گا۔ حضرت جعفر بن ابی طالب کھڑے ہوئے اور انہوں نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

''اے معزز بادشاہ۔ ہم جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بُت پرستی ہمارا شیوہ تھی۔ بے حیائی اور گناہ ہمیں مرغوب تھے۔ طاقتور کمزور پر ظلم کرتا۔ اس سلسلہ میں وہ رشتے اور ہمسائیگی کو بھی خاطر میں نہ لاتا۔ جب ہم اس حال میں مبتلا تھے تو ہم میں سے ہی ایک رسول، اللہ نے ہماری طرف بھیجا جو امین و صادق تھا، اور سب اس کی امانت و صداقت کے گواہ تھے۔ اس نے

ہمیں اللہ کی توحید، صداقت، امانت، صلۂ رحمی کی دعوت دی۔ پڑوسیوں کے حق بتائے، حرام اور قتل ناحق سے روکا۔ بے حیائی، یتیم کا مال کھانے اور عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں نماز، روزے، زکوٰۃ کا حکم دیا۔ اور ان ہی باتوں پر ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی۔ کونسا ظلم انہوں نے ہم پر نہیں کیا۔ ان سے خود ہمارے اس بیان کی شہادت طلب کیجئے۔ ہمارے رسول کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ ایک خاتون کو شہید کیا گیا۔ مظلوموں کو آگ پر لٹایا گیا۔ ان حالات میں ہم نے پناہ لینے کے لئے آپ کا انتخاب کیا اور اے ملک الکریم! ہمیں امید ہے کہ یہاں ہم پر ظلم نہیں کیا جاسکے گا۔“

نجاشی نے سکون اور دلچسپی کے ساتھ یہ خطاب سنا اور پوچھا کہ اللہ کی طرف سے تمہارے رسول پر جو کچھ نازل ہوا ہے۔ اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟

”جی ہاں ہمیں اس کلام کے حصے یاد ہیں“ حضرت جعفر نے کہا۔

نجاشی بولا: ”مجھے کچھ سناؤ۔“

حضرت جعفر ؓ نے سورۂ مریم کی چند ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائی۔ آیات قرآنی سن کر نجاشی کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ اس کے پادریوں پر سناٹا چھا گیا۔ قریش کے سفیر اس صورت حال سے بہت پریشان ہوئے، مگر انہوں نے اگلے دن نجاشی سے کہا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمان بد رکھتے ہیں۔ ایسے برے خیالات کہ ہم دہرا بھی نہیں سکتے“ اس پر نجاشی نے حضرت جعفر ؓ سے سوال کیا۔ اور انہوں نے سورۂ مریم کی یہ آیات پڑھیں۔

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ‌ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡــًٔـا فَرِيًّا ۝ يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ‌ ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّىۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰٮنِىَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِىۡ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِىۡ مُبٰرَكًا اَيۡنَ مَا كُنۡتُ ۖ وَاَوۡصٰنِىۡ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمۡتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِىۡ وَلَمۡ يَجۡعَلۡنِىۡ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوۡمَ

وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝ ذٰلِكَ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ
اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

''پھر وہ (مریم) بچے کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئی، لوگ کہنے لگے اے مریم! یہ تو نے بڑا گناہ کر ڈالا، اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ بُرا تھا نہ تیری ماں بدکار تھی، مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا (کیونکہ انہوں نے خاموشی کے روزے کی نذر مانی تھی) قوم والوں نے کہا کہ ہم گہوارے میں لیٹے ہوئے بچے سے کیا بات کریں؟ بچہ بول اُٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا اور مجھے جہاں بھی میں رہوں صاحب برکت بنایا اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا اور مجھے اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھے جبار اور شقی نہیں بنایا، سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ میں زندہ اُٹھایا جاؤں یہ عیسیٰ ابن مریم ہے اور اس کے بارے میں وہ سچی بات جس پر لوگ شک کر رہے ہیں یہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کام نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ پاک اور بے عیب ذات ہے اور جب کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو کہتا ہے ''کن'' (ہوجا) اور بس وہ ہوجاتا ہے۔ (اور ابن مریم نے کہا تھا کہ) اللہ تعالیٰ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، پس تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے مگر پھر مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے وہ دن عظیم بڑی تباہی کا ہوگا جس کا وہ مشاہدہ کریں گے''۔ (سورہ مریم ۱۹: آیات ۲۷ تا ۳۷)

ان آیات کی تلاوت کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب نے کہا ''ہمارے رسول نے ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وحیِ الٰہی کی روشنی میں یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ کے بندے،

اس کے رسول اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو کنواری اور پاکباز مریم پر القا کی گیا'' نجاشی نے بے ساختہ زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا۔ ''خدا کی قسم جو کچھ تم نے اپنی کتاب اور رسول کے حوالے سے کہا عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں'' عیسائی پادری بے حد خفا ہوئے۔ ان کے چہروں سے نفرت اور حسد ٹپکنے لگا۔ نجاشی نے ایک بار پھر مہاجرین اسلام کو اپنے دیار میں امن و سلامتی کی ضمانت دی اور قریش کے سفیروں کے تحائف کو ''رشوت'' قرار دیتے ہوئے لوٹا دیا۔

اسی سال رمضان میں مہاجرین حبشہ کو یہ خبر ملی کہ مشرکین مکہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ یہ سن کر مہاجروں نے واپسی کا سفر قبول کیا، مگر مکہ کے نزدیک پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ اطلاع درست نہیں۔ یہ سن کر کچھ لوگ جن میں ہمت اور طاقت تھی دوبارہ حبشہ چلے گئے۔ اور اکثریت خاموشی اور اخفا کے ساتھ مکہ آ گئی۔ لوٹنے والوں پر قریش نے تازہ دم ہو کر مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا اور نتیجتاً ان مظلوموں نے پھر حبشہ کا رخ کیا۔ ان مہاجرین کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ نجاشی جو ان کے جانے پر افسردہ تھا۔ ان کی واپسی اس کے لئے مژدہ بہار بنی۔ یہ مہاجر کئی سال حبشہ میں رہے اور جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو یہ لوگ مدینہ پہنچ گئے۔

ہجرت حبشہ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ان سے متاثر ہو کر حبشہ کے کم و بیش بیس عیسائی مکہ معظمہ آئے اور نبی اکرم ﷺ سے حرم کعبہ میں ملاقات کی۔ انہوں نے سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوالات کئے، اپنی الجھنیں بیان کیں۔ اور افصح الناس ﷺ کے جوابات سے تشفی ہوئی اور ذہن کی گرہیں کھل گئیں۔ مشرکین قریش کے دلوں پر تو اللہ نے مہر لگا دی تھی۔ وہ سن کر نہیں سنتے تھے۔ اور دیکھ کر نہیں دیکھتے تھے۔ ان میں سے بیشتر قبول حق کی صلاحیت سے محروم تھے۔ جب حضور ﷺ سے ان عیسائیوں کی ملاقات ہوئی تو آپ نے انہیں آیات قرآنی بھی سنائیں اور ان کی آنکھوں سے نجاشی کی طرح آنسو جاری ہو گئے۔ مختصر یہ کہ اسی محفل میں ان عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ قریش بھی اس محفل میں آ گئے تھے اور اپنی ہلڑ بازی شروع کر دی، مگر کلمات باطل حق کے متلاشیوں کو متزلزل نہ کر سکے۔ اسلام کے قبول کرنے کے بعد جب وفد حبشہ رخصت ہوا تو آئمہ کفر نے انہیں برا بھلا کہا۔ انہیں بے غیرتی کے طعنے دیئے اور یہ اہلِ ایمان جو دوبارہ ایمان لائے تھے (وہ عیسائی تھے اور انجیل پر ایمان رکھتے تھے) کفار سے بالکل نہیں الجھے، کہا تو صرف یہ کہ ''تم پر سلام۔ ہم جاہلوں کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہتے۔'' سورۃ

القصص میں یہ واقعہ اجمالاً موجود ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ○ اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ○

''جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان کو یہ سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بے شک یہ ہمارے رَبّ کی طرف سے حق ہے اور ہم تو پہلے ہی سے مسلم ہیں، یہ وہ ہیں جن کو ان کا اجر دوبارہ دیا جائے گا، اُس ثابت قدمی اور صبر کے بدلے جس کا اُنہوں نے اظہار کیا، وہ برائی کو بھلائی سے رفع کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے اُنہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں اور جب اُنہوں نے لغو اور بیہودہ بات سنی تو اس سے اعتراض کیا (اور کنارہ کش ہو گئے) اور کہا ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، تم پر سلام ہے اور ہم جاہلوں سا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔ (سورۃ القصص ۵۲ تا ۵۵)

یوں ہجرت حبشہ کے ذریعہ اسلام کی عالمی تبلیغ کا دروازہ کھلا۔ حضور ﷺ کو عالمِ انسانیت کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ نجاشی پہلا فرماں روا تھا جو اسلام لایا اور جس نے دیکھے بغیر حضرت رسول ﷺ کی محبت کا حق ادا کیا۔

نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے تذکرہ سے پہلے ہجرت حبشہ کا خاصا تفصیلی ذکر اس لئے کیا گیا کہ اسے ہجرت نبوی ﷺ کے پسِ منظر کے طور پر نمایاں اہمیت حاصل ہے اور اس سے کئی اور باتیں بھی سامنے آتی ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنے تقریباً چالیس ساتھیوں کے ساتھ مرکزِ کفر میں ظلم و

ستم کے خلاف نبرد آزما ہے، اور جماعت مؤمنین کے بڑے حصہ کو دین کے احکام کی بجا آوری کے لئے امن و آزادی کے ساحل کی تلاش میں ہجرت کا حکم دیا۔ پھر نجاشی کے دربار میں کتنے نازک موقع پر حضرت جعفرؓ نے بلاکم و کاست اسلام کی تعلیمات کو نجاشی کی خوشی یا ناراضگی کے ادنیٰ سے خیال کے بغیر بیان کیا۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ہجرت دین کے اصولوں پر عمل کرنے کی آزادی کی تلاش تھی۔ ہجرت حبشہ کے سلسلہ میں قرآن حکیم میں ہمیں کئی اور اشارے بھی ملتے ہیں۔ ایسے واضح اشارے جن میں ان مہاجرین کی مغفرت کی بشارت ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۙ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

''وہ جو ظلم سہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاطر ہجرت کر گئے اور ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بدرجہا بڑا ہے کاش وہ (مظلوم) جنہوں نے صبر کیا ہے اپنے اللہ پر (انتہائی) توکل کے ساتھ کام کر رہے ہیں جان لیں (کہ کتنا اچھا انجام ان کا منتظر ہے) (سورۃ النحل ۱۶ آیات ۴۱-۴۲)

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''پھر بے شک جن لوگوں نے ایذائیں اٹھانے کے بعد ہجرت کی تو (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) جدوجہد کی اور سختیاں اٹھائیں اور صبر سے کام لیا، ان کے لئے یقیناً آپ کا ربّ غفور رحیم ہے۔'' (سورۃ النحل ۱۶: آیت ۱۱۰)

ہجرت حبشہ کی طرف سورۃ العنکبوت میں بھی واضح اشارے ہیں۔ یہ سورت ہجرت حبشہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی، اس لئے ان اشاروں کو ہجرت کے حکم کا درجہ حاصل ہے۔ قرآن اور سنت کی رو سے ایسی جگہ قیام کرنا جہاں دین پر پابندیاں عائد ہوں مستقل معصیت ہے۔ ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو دارالکفر میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہے ہوں یا ہجرت کے وسائل سے محروم ہوں۔

ہجرت اللہ پر توکل کا عملی مظاہرہ ہے۔ اللہ نے اہلِ ایمان سے فرمایا کہ ''میری زمین وسیع ہے۔'' پھر اگر ہماری زمین تمہارے لئے تنگ ہو جائے تو اس کا علاج یہی ہے کہ تنگیوں کے اس قفس کو توڑ کر اللہ کی زمین کی نئی وسعتوں کو آباد کیا جائے۔ وطن کی محبت اپنی جگہ سہی لیکن دین کا دائرہ وطن سے کہیں وسیع ہے۔ اس سلسلہ میں جان کی سلامتی اور رزق کا خیال آڑے آتا ہے۔ قرآن مفادات کے کھوکھلے پن کو واضح کر دیتا ہے کیونکہ ''یہ توکل علی اللہ'' کے خلاف ہیں۔ علاوہ بریں ایمان کے مقابل جان اور زندگی کی آسائشوں کی کیا قیمت ہے؟ یہ ساری باتیں اور دائرہ مباحث قرآن حکیم کی چند آیات میں کس انداز سے سمٹ آیا ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

''اے میرے بندو! جو ایمان لا چکے ہو، میری زمین بہت وسیع ہے، پس تم میری ہی عبادت کرو، ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری طرف پلٹ کے لائے جاؤ گے، جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اعمالِ صالحہ کو اپنایا اُن کو ہم جنت کے بلند خانوں اور غرفوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، اچھے اعمال کرنے والوں کے لئے کیا ہی اچھا اجر ہے، ان لوگوں کے لئے جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بھی رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔ وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے (سورہ عنکبوت ۲۹: آیات ۵۶ تا ۶۰)

# ہجرت نبوی ﷺ

ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ نبوی کے درمیان کئی سال حائل ہیں۔ یہ مدت، مدت تدبیر ہے۔ یہ منصوبہ بندی کا وقفہ ہے اور ہمارے لئے اس کی اہمیت یہ ہے کہ اللہ پر کامل ترین توکل واعتماد کے ساتھ ساتھ اس دارالاسباب میں اسباب کی فراہمی حکمِ ربی ہے، اللہ کی ہدایت اور رہنمائی ہر قدم پر نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھی۔ اب قرآن کی صورت میں وحی الٰہی اور سنت رسول ﷺ ہماری رہبری کے لئے موجود ہیں۔

نبی اکرم ﷺ ام القریٰ کے باشندوں کو دعوتِ حق دینے کے ساتھ ساتھ نواحی بستیوں کا بھی دورہ فرماتے۔ مکہ کو اہلِ عرب کی زندگی میں جو مرکزیت حاصل تھی، کعبہ اس کا زندہ نشان اور علامت تھا۔ حج کے ایام میں جو لوگ مکہ آتے، ہادی برحق ﷺ صراطِ مستقیم کی نشان دہی کے لئے ان کے پاس جاتے۔ حج کے علاوہ دوسرے تہواروں اور اجتماعی مواقع پر بھی آپ ﷺ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے حضور ﷺ کی زندگی کا ہر نفس اسی دعوت و تبلیغ سے عبارت تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ دعوت حق زمین میں جڑ پکڑے۔ کوئی ایسا خطہ مل جائے جہاں زندگی کا ہر دائرہ اسلام کے نقطہ کے گرد کھینچا جا سکے، اور اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی اسلامی اصولوں کے مطابق کی جا سکے۔

یثرب کے لوگ جو اوس اور خزرج کے قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ہر سال حج کے موقع پر مکہ معظمہ آتے۔ یثرب میں یہودیوں سے قربت کی وجہ سے ان لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ اہلِ کتاب کسی رسول اور مددگار کے منتظر ہیں۔ ۱۰ نبوی میں قبیلہ خزرج کے چھ افراد نے اسلام قبول کیا۔ اولیت کا شرف رکھنے والوں کے نام تاریخ کے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ یہ تھے عقبہ بن عامر، ابوامامہ زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک قطبہ بن عامر اور جابر بن عبداللہ بن ریاب رضی اللہ عنہم۔ ۱۱ھ میں بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر یثرب کے بارہ افراد نے مکہ میں نبی اکرم ﷺ کے دست حق نما پر بیعت کی۔ ان افراد کی تربیت کے لئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے ان کی درخواست پر یثرب بھیجا۔

اب تک مسلمان ہونے والوں میں قبیلہ خزرج کے لوگ تھے۔ حضرت مصعب ؓ کی تبلیغ

سے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ ؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ "ان کا اسلام لانا تمام قبیلہ اوس کا اسلام قبول کر لینا تھا۔" ❶ یوں اسلام نے انصار کے ان دونوں قبیلوں کو متحد کر دیا جن کے درمیان نفرتوں، خون اور تلواروں کی فصلیں حائل تھیں۔

ان چند اشاروں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یثرب کی زمین اسلامی نظام کے اس پودے کو اپنے سینے کی گہرائیوں میں جگہ دینے کے لئے کس طرح اپنے آپ کو ہموار کر رہی تھی جسے بڑھتے بڑھتے ایسا عالمگیر درخت بننا تھا۔ جس کے سائے تلے صرف قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے مظلوم انسانوں کو پناہ نہیں ملی بلکہ جس کی خنک چھاؤں نے برہمنیت کے ستائے ہوئے برعظیم سے لے کر اسپین کی سرزمین تک کے انسانوں کو دل ونظر کا سکون عطا کیا۔

اگلے سال ۱۲ نبوی میں بہتر افراد مدینہ نے منیٰ (عقبہ) میں سب سے چھپ کر نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ❷ یہ بیعت، بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ کی رات ہی وہ رات ہے جب اسلامی نظام کے سورج کی پہلی کرنیں مقام عقبہ میں اس گروہ کے دلوں سے ابھر رہی تھیں یہ محض ۷۲ یا ۷۵ افراد نہ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو تاریخ اور جغرافیہ کو بدلنے کا مقدمہ اپنے عمل سے مرتب کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو یثرب کو مدینۃ النبی ﷺ اور یوں دارالاسلام بنانے کی طرح ڈال رہے تھے، اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے فیصلے کی سنگینی کا پورا پورا احساس تھا۔ یہ لوگ جانتے تھے کہ ساری دنیا سے قطع علائق کر کے وہ اللہ کے رسول ﷺ کے دامن کو پکڑ رہے ہیں۔ انہیں یہ علم تھا کہ ایک طرف یثرب کے یہود سے معاہدے ختم ہوں گے، اور دوسری طرف قریش کے لشکر ان کی سمت یلغار کریں گے۔ ان جذبات اور حقائق کا اظہار بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر حضرت براء بن معرور ؓ حضرت اسعد بن زرارہ ؓ اور حضرت عباس بن عبادہ ؓ نے اپنی تقریروں میں کیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو یاد دلایا کہ ایک طرف تو حضرت ختم المرسلین ﷺ کی رفاقت کے عوض اللہ کے اجر اور جنت کا دوام ہے، اور دوسری طرف قریش کے ہاتھوں اس دنیا میں مال کی تباہی اور اشراف و اولاد کی ہلاکت کے خطرے ہیں۔ لیکن یہ لوگ تو دنیا سے ٹکرانے کے ارادے ہی سے نکلے

---

❶ ..... شبلی، سیرۃ النبی، جلد اول صفحہ ۲۶۳، طبع ہفتم ۱۹۶۵ء۔

❷ ..... مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۷۲ کی جگہ ۷۵ کی تعداد لکھی ہے، تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۱۱۹ سیرۃ النبی میں ۷۲ کی تعداد دی گئی ہے۔

تھے۔ان یاددہانیوں کے جواب میں وفد نے کہااور پوری قوت سے کہا۔

فانانا خذهٔ علی مصیبة الا موال وقتل الا شراف

''ہم انہیں اپنے مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کی قیمت پر بھی لے رہے ہیں۔''

ادھر جب مکہ کے لوگوں کو اس بیعت کے بارے میں معلوم ہوا تو ان کی مخالفت اسلام کے دائرے کی توسیع کے ساتھ اور بڑھتی گئی۔

اس پسِ منظر اور حالات میں نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کا عظیم واقعہ پیش آیا۔ ویسے تو حضور ﷺ کی زندگی کا کون سا لمحہ اور واقعہ ایسا ہے جس پر ابدی عظمت کی چھاپ نہ لگی ہو، لیکن چند واقعات ہمارے لئے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ان میں ہجرت بھی شامل ہے۔ہجرت نے ایک عالمگیر برادری کے افراد کو جغرافیائی حد بندیوں سے بالاتر کر دیا۔اس عہد کے عرب میں مکہ اور یثرب دو شہر نہ تھے بلکہ یہ دو الگ دنیائیں تھیں۔ مسلمانوں کو ہجرت سے یہ سبق ملتا ہے کہ اسلام کی سربلندی اور اسلامی نظام کے قیام کا مقصد ہر وطنی اور جغرافیائی رشتے سے زیادہ اہم ہے اور مقصد سے اسی وابستگی نے یثرب کو مدینۃ النبی بنا دیا۔مقصد اور لگن نے تاریخ کے ساتھ ساتھ جغرافیہ کے ایک نئے تصور کو جنم دیا۔یثرب کو مدینۃ النبی ﷺ بنا دیا۔یثرب کے مدینۃ النبی بننے سے قیام پاکستان تک اسلام کی قوت نے تاریخ اور جغرافیہ دونوں کو بدلا ہے۔

ہجرت ویسے بھی سنت انبیائے کرام علیہم السلام ہے۔خاص طور پر جناب سرور کائنات ﷺ کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ختم المرسلین ﷺ کی ہجرت نے اس عمل ہجرت کو ایک مکانی اور زمانی عمل سے کہیں زیادہ وسیع بنا دیا ہے۔یہ عمل لامحدود ہے۔یہ عمل

ع نہ ہے زماں نہ مکاں ، لا الٰہ الا اللہ

کا ثبوت ہے۔یہ عمل اللہ کی طرف ہجرت ہے اور اس میں مقام کی حیثیت ثانوی ہے۔

وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

''اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہ غالب حکمت والا ہے''۔ (سورۃ العنکبوت ۲۹ آیت ۲۶)

ان حقائق کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ کا ہجرت کے باب میں عملی مثال قائم کرنا ضروری تھا تاکہ اس قسم کے حالات میں اہل ایمان سے کہا جاسکے کہ

ہے ترک وطن سنت محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

سورۃ الضحیٰ مکی سورت ہے اور اس میں ایک نہایت اہم آیت ہمارے سامنے آتی ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝

اور آپ کا رب (عنقریب) آپ کو وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے"۔ (الضحیٰ ۹۳: آیت ۵)

مفسرین کا خیال ہے کہ ہجرت اللہ کے اس وعدے کا عنوان بنی۔ وہ عنوان جس کا نام اسلامی ریاست اور غلبۂ دین ہے۔

قریش کو جب آثار و قرائن سے یہ یقین ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ ہجرت فرمانے والے ہیں تو گناہ اور ظلم کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ یہ تعاون کرنے والے اپنی پارلیمان (دارالندوہ) جمع ہوئے اور سوچنے لگے کہ پس چہ باید کرد؟ کچھ جلاوطنی کے حق میں تھے۔ کچھ کی رائے یہ تھی آپ کو قید یا نظر بند کر دیا جائے۔ اس وقت وہ شخص اٹھا کہ خود جس کے معتقد اسے شیطان کی صفت میں جگہ دیتے ہیں اور اس نے کہا کہ "بنو ہاشم کے علاوہ قریش کے ہر خاندان کا ایک نمائندہ چن لیا جائے اور یہ لوگ مل کر محمد کو قتل کر دیں۔ یوں بنی ہاشم خون بہا کے مطالبہ یا جنگ کی جرأت نہ کر سکیں گے۔" ابوجہل نے یہ تجویز اس شخص کے سلسلہ میں پیش کی جس نے اسی طریقہ کار کو خانۂ کعبہ میں حجر اسود نصب کرنے کے سلسلے میں پیش کر کے خون ریزی کے امکانات کو ختم کر دیا تھا۔

یوں قریش کی یہ سازش اور ان حالات میں آپ کی ہجرت کا حکم، اللہ ﷻ کی حکمت بالغہ کی دلیل کبریٰ ہے، کیونکہ اگر کفار آپ کی جلاوطنی پر متفق ہو جاتے تو ہجرت کی نوعیت ہی بدل جاتی۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ
يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝

''اور (اے رسول اس وقت کو یاد کرو) جب کافر تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تم کو قید کریں یا جان سے مار ڈالیں یا وطن سے نکال دیں، (ادھر تو وہ) چالیں چل رہے تھے اور (ادھر) اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے''۔ (سورۂ انفال ۸: آیت ۳۰)

کفار نے کاشانۂ نبوی ﷺ کا محاصرہ کر لیا۔ وہ اس گمان میں تھے کہ ان کے قلب کی طرح تاریک رات ان کی رفیق ہے۔ ادھر نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہدایت فرمائی کہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور صبح کفار مکہ کی جو امانتیں میرے پاس ہیں انہیں واپس کر کے یثرب چلے آنا۔

یوں اس تاریک رات میں جب آفتاب رسالت اپنی جہاں تابی کے ساتھ اپنے کاشانہ سے باہر نکلا تو دل کے اندھے اس سراج منیر کو نہ دیکھ سکے۔ اور پھر آپ ﷺ نے شب ہجرت اپنے رفیق عتیق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے رب کی عطا کردہ دعا کے ساتھ مکہ سے یثرب کی طرف قدم اٹھایا۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝

''اور آپ یوں دعا کیجئے اے میرے رب مجھے (مدینے میں) اچھی طرح داخل کیجئے اور (مکے سے) اچھی طرح نکالئے اور مجھ کو اپنے پاس ایسا غلبہ دیجئے جس کے ساتھ نصرت ہو''۔ (بنی اسرائیل ۱۷: آیت ۸۰)

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس دعا کے سائے میں اس کے رسول برحق ﷺ نے اس کے راستے میں قدم اٹھایا۔ کفار کو جب آپ ﷺ کا مکہ سے نکلنا معلوم ہوا تو وہ غصہ میں اپنی بوٹیاں نوچنے لگے اور پھر تعاقب اور تلاش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کئی مرتبہ تو کفار اتنے قریب پہنچ گئے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی سلامتی کے خیال سے کانپ گئے، مگر نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ اور اللہ کی بھیجی ہوئی تسلی سے ان کا دل ٹھہرا اور اللہ کے لشکروں نے جنہیں وہ دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ مشرکوں کو ماندہ و پسپا کر دیا۔ قرآن حکیم کے

اشارات میں واقعاتی تفصیل کی جگہ ایسے اشارے ہیں جن میں گہرائی اور معنویت کے ساتھ ساتھ واقعاتی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝

''اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے (وہ وقت تم کو یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے جلا وطن کر دیا تھا جب کہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے (دوسرے حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے) جب وہ دونوں (غارِ ثور) میں تھے اس وقت آپ اپنے ہم راہی کو تسلی دے رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے سو اللہ تعالیٰ نے آپ (کے قلب) پر تسکین نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے مدد دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات کو پست کر دیا (کہ وہ ناکام رہے) اور بات تو اللہ تعالیٰ ہی کی بلند ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے''۔ (سورۃ التوبہ ۹ آیت ۴۰)

جن لوگوں نے کلمہ پڑھ لیا تھا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، لیکن ہجرت کے لئے آمادہ نہ تھے ان کے اس عمل کو منافقت کی صحیح نشانی بلکہ ثبوت قرار دیا گیا۔ حکم ہجرت سے مکہ کے منافق اسی طرح بے نقاب ہو گئے جس طرح حکم جہاد اور جہاد سے مدینہ کے منافق۔ جن لوگوں نے اپنے وطن کی مانوس فضاؤں، اپنے گلی کوچوں سے اپنے جذباتی لگاؤ اور اپنے کا فرعزیزوں سے قربت کو دین کی راہ میں نئی فضا میں سانس لینے اور دینی بھائیوں سے رشتہ اخوت قائم کرنے پر ترجیح دی۔ انہوں نے اپنے عمل سے اپنے نفاق کو آشکار کر دیا۔

پھر یہ منافق بھی کئی گروہوں میں تقسیم کئے گئے۔ ایک تو وہ جو مسلمانوں سے برسرپیکار کافروں کے ساتھ مل کر اسلامی ریاست کے خلاف عملی کاروائی میں حصہ لیں، دوسرے وہ جو کسی

ایسی قوم سے جاملیں جس سے اسلامی ریاست کا معاہدہ امن ہو، اور تیسرے وہ کہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے۔ نہ تو مسلمانوں سے ٹکرانا چاہتے تھے اور نہ اپنی قوم سے اور منافقوں کا چوتھا گروہ وہ ہے جو مسلمانوں اور اپنی قوم دونوں کے ساتھ رشتہ استوار رکھنا چاہتے تھے۔ یا کم سے کم اس کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن فتنہ کا موقع ملتے ہی مسلمانوں کے خلاف عملی حصہ لینے سے بھی نہیں چوکیں گے۔

پہلے اور چوتھے گروہ کے منافقوں کے بارے میں تو قرآن حکیم نے قتل کا حکم بھی دے دیا ہے اور دوسرے گروہوں کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ مسلمان انہیں دوست نہ بنائیں۔ سورۃ البقرہ میں آیت ۸۸ سے آیت ۹۱ تک یہ مباحث پیش کئے گئے ہیں۔

# یثرب سے مدینۃ النبی ﷺ تک

انصارِ محمد ﷺ کو ختمی مرتبت ﷺ کی آمد کا انتظار تھا۔ وہ لوگ جنہوں نے ساری دنیا کی دشمنی کے مقابل اپنے لئے محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چن لیا تھا، ہر دن شہر سے باہر مکہ سے آنے والی سڑک پر قافلۂ ہدایت و نبوت کا انتظار کرتے۔ اور ان ''سرمایہ دار انتظار'' آنکھوں میں شام ہوتے ہوتے امید کی شمعیں بجھ جاتیں اور مایوسی کے اندھیرے چھا جاتے اور پھر وہ دن طلوع ہوا جب غبار راہ سے مہر عالم تاب نبوت ابھرا، اور اس کی چمک کو دیکھ کر مقام قباء میں انتظار کرنے والوں نے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ مار کر دوسروں کو خبر بھی دی اور اپنے ہادی ﷺ کا استقبال بھی کیا۔

قباء مدینہ منورہ سے کوئی تین میل کے فاصلے پر ہے، اور آج بھی مدینہ منورہ میں حاضری دینے والے اپنے رسول ﷺ کے پہلے مسکن کے علاقے اور اس کی تعمیر کردہ مسجد کی زیارت کے لئے یہ فاصلہ پروانہ صفت، انتہائی جذبہ و شوق کے عالم میں طے کرتے ہیں۔ یہاں انصار کے کئی گھرانے آباد تھے اور ان گھرانوں میں عمرو بن عوف ؓ کے گھرانے کو مہاجر اعظم ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ قباء میں سرکار دو عالم ﷺ کے علاوہ مکہ سے آنے والے دوسرے مہاجرین بھی انصار کے ہاں مقیم تھے۔ حضور ﷺ نے قباء میں اپنے چودہ روزہ قیام کے دوران مسجد قبا کی تعمیر فرمائی۔

حضور ﷺ کی ہجرت نے یثرب کو مدینۃ النبی ﷺ بنا دیا۔ اس ہجرت کا مقصد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کے لئے ایک خطے کا حصول تھا۔ مسجد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی بنیادی اکائی ہے۔ اس ملت کی بنیاد ہی مسجد ہے، اسی لئے مسجد قبا کی تعمیر مدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام کی بنیاد ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

لَاتَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ
یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ
وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۝

''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ واقعی اس قابل ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لئے) کھڑے ہوں اور اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ، پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔ (سورۃ التوبہ ۹ آیت ۱۰۸)

اس مسجد کے معماروں میں سید المرسلین ﷺ بھی شامل تھے۔ اس معمار اعظم ﷺ نے کارِ تعمیر کو معنوی طور پر انجام نہ دیا، بلکہ لغوی طور پر بھی۔ دوشِ رسالت ﷺ پر بھاری پتھروں کو دیکھ کر اہلِ ایمان کے قلوب، موم ہو کر پگھلنے لگتے۔ وہ حضور ﷺ سے درخواست کرتے کہ یہ پتھر ہمیں مرحمت فرما دیجئے۔ سرکارِ دو جہاں ﷺ مسکراتے ہوئے ان درخواستوں کو شرف قبولیت عطا فرماتے، اور خود دوسرا وزنی پتھر اٹھا لیتے۔ کاش آج مسجد قبا میں سجدہ کرنے والے ان گھڑیوں کو یاد کریں جب اس مسجد کی تعمیر کے ہنگام حضور ﷺ کا پسینہ اس کی زمین اور اس کے پتھروں میں جذب ہوا تھا، اور کام کرتے ہوئے دوسرے معمارانِ قدسی نفس کے ساتھ حضور ﷺ نے بھی حضرت عبداللہ بن رواحہ کے مصرع کے بولوں کو دہرایا تھا، اور یوں کام کے بوجھ کو اس نغمہ کی لہروں کے سہارے ہلکا بنا دیا تھا۔

" افلح من لیالج المساجد"

''فلاح یافتہ ہے وہ جو مسجد تعمیر کرتا ہے۔''

دو ہفتوں کے بعد جمعہ کے دن آپ ﷺ قبا سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جمعہ کا پہلا خطبہ حضور ﷺ نے اسی موقع پر محلہ بنی سالم میں نماز جمعہ کے ساتھ ارشاد فرمایا، اور جب کاروانِ رسالت، فلاح و خیر کی ہم رکابی میں مدینہ میں داخل ہوا تو جیسے مدینہ کی فضا میں چاند نکل آیا۔ حق وصداقت کا چاند۔ اور مدینہ کی فضائیں حور صفت بچیوں اور قدسی نفس خواتین کے اس نغمہ سے معطر ہو گئیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا مادعا للہ داع

سات ماہ کے لئے حضور ﷺ کی میزبانی کا شرف حضرت ابوایوب انصاری ؓ کو حاصل

ہوا۔ جب مسجد نبوی ﷺ اور اس کے متعلقہ حجرے تیار ہو گئے تو حضور ﷺ ان میں منتقل ہو گئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی مدنی زندگی کا مرکز و محور مسجد نبوی ﷺ رہی۔ وہ مسجد جو نبی اکرم ﷺ کی ابدی خواب گاہ بھی ہے اور ایسی ادب گاہ کہ جنید و بایزید بھی وہاں نفس گم کردہ نظر آتے ہیں۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ہجرت کے بعد مدنی دور نے مسلمانوں کے بھائی چارے (مواخاۃ) کو اس لفظ کی معنویت کی معراج پر پہنچا دیا۔ ایک طرف تو انصار کے وہ قبیلے جو اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے تھے، اخوت کے رنگ میں رنگ گئے اور دوسری طرف انصار نے مہاجرین کے لئے اپنے گھروں اور دلوں کے دروازے کھول دیئے۔ ان کی باہمی محبت اور اخوت و رفاقت کی مثال اسلام کی تاریخ کے سوا انسانی تاریخ کے کسی اور عہد میں نہیں مل سکتی۔ اپنے مال و املاک کی مساوی تقسیم کے ساتھ ان انصار نے شروع شروع اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی میراث کا شریک بنا لیا تھا۔ سورۂ انفال کی دو آیات تمام تفاصیل کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس اجمال میں وہ سب کچھ آ گیا ہے جس کے پیشِ نظر اس جگہ واقعات کے بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں رہتی۔ ❶

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ

---

❶ ..... آپ یہ واقعات سیرۃ النبی ﷺ اور انصار و مہاجرین کے حالات سے متعلق دار المصنفین اور دوسرے اداروں کی کتب (مثلاً حکایاتِ صحابہ رضوان اللہ اجمعین از مولانا محمد زکریا) میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اور آج اسلام اور قرآن حکیم سے دوری کا نتیجہ یہ مرتب ہوا ہے کہ پاکستان کے مختلف خطوں کے فرزندانِ زمین (sons of the soil) مہاجرین سے وفاداری سند کا مطالبہ یوں کرتے ہیں کہ تم ہمارے "علاقائی رنگ میں رنگ جاؤ۔" ظاہر ہے باہمی رہائش کے بعد ہر علاقے کے مخصوص حالات اور جغرافیائی کیفیات مخصوص خصوصیات کو جنم دیتی ہیں، لیکن یہ علاقائی تہذیب اسلام کی قدرِ مشترک کے بعد ہی قابلِ لحاظ ٹھہرے گی، اور اگر اسلام سے رشتہ ہوگا تو علاقائی تہذیبیں اس کے تابع نظر آئیں گی۔ اور یوں مختلف علاقوں کی رنگا رنگ تہذیبوں کا بنیادی اور اساسی رنگ ایک ہی ہوگا۔

میں اپنے جان ومال سے جہاد بھی کیا وہ اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو رہنے کی جگہ دی اور اُن کی مدد کی۔ وہی (دراصل) ایک دوسرے کے ولی ہوں گے"۔ (سورۃ الانفال آیت ۷۲)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ○

"اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) پناہ دی اور مدد کی بے شک وہی سچے مؤمن ہیں ان کے لئے خطاؤں سے درگذر اور بہترین رزق ہے"۔

(سورۃ الانفال آیت ۷۴)

سورۃ الانفال ہی میں اس محبت کے ذکر سے پہلے اس کی بنیاد اور سبب کا تذکرہ بھی فرمادیا گیا ہے اس محبت کی بنیاد تقوی اور اللہ تعالٰی سے قربت اور اس کی تائید تھی۔

هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ○ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

"وہی تو ہے جس نے اپنی غیبی امداد سے اور مؤمنوں کے ذریعہ سے آپ ﷺ کی تائید کی، اور مؤمنوں کے دل ایک دوسرے سے جوڑ دیئے اگر آپ روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے، مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے، یقیناً وہ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے"۔ (سورۃ الانفال آیت ۶۲ - ۶۳)

ہم نے خود اپنے عہد میں ارشادِ ربانی کی صداقت کا مشاہدہ کیا ہے۔ جب مسلمانانِ برعظیم نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر اپنے لئے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا، تاکہ اس خطہ ارض کو اسلامی اصولوں کا مرکز بنایا جائے، تو وہ ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے کہ اس سے ٹکرا کر

برطانوی سامراج اور ہندو سرمایہ داری نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔

اور جب ہم نے عملی منافقت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے عہد اور اسلامی اصولوں سے روگردانی کی تو ہمارے دل کس طرح ایک دوسرے سے پھٹ گئے اور پھر نفرت کا وہ آتش فشاں پھٹا کہ ہم اپنے ایک بازو سے محروم ہو گئے۔ بین الاقوامی سازش سے انکار نہیں لیکن غیروں کی کامیابی ہمارے ہی انتشار کا نتیجہ ہے۔ اور آج باقی ماندہ پاکستان کو پارہ پارہ کرنے کی سازشوں کے بڑھتے ہوئے دائرے اسی حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے پیغام سے کتنے دور ہو گئے ہیں۔

# تاسیس ریاست اور تحویل قبلہ

یثرب مدینۃ النبی ﷺ بن گیا اور یوں دنیا کی پہلی اسلامی اور مثالی ریاست اور منظم معاشرہ وجود میں آیا۔ سب سے پہلے تو مہاجرین وانصار کے بھائی چارے نے افراد کے معاشی اور سماجی مسائل کو حل کیا، اور پھر مدینہ کی اسلامی ریاست کی مختلف ضرورتوں کی طرف توجہ دی گئی۔ ان ضرورتوں میں افراد کی تعلیم سے لے کر پڑوسی قبائل اور یہود سے معاہدے تک...... کتنی ہی باتیں اور پہلو شامل ہیں۔ یہ پہلو خاص طور پر ہماری توجہ کا مستحق ہے کہ مدینہ کے دور سے پہلے نمازوں میں فرض رکعتوں کی تعداد دو تھی۔ مدینہ میں ظہر، عصر اور عشاء کی فرض رکعتوں کی تعداد چار کر دی گئی۔ اس نکتہ سے اقامت الصلوٰۃ اور اقامت دین ونظام اسلامی کی مطابقت وہم آہنگی کے کتنے ہی زاویے ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

صحابہ ﷺ کی بڑی تعداد معاشرے کے مختلف کاروبار اور ضرورتوں کی تکمیل میں مصروف ہو گئی۔ ایک جماعت نے اپنے آپ کو عبادات وتعلیم اور نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزار کر حصول تربیت کے لئے وقف کر دیا۔ آداب عبودیت ودین سیکھنے کے لئے معلم اعظم ﷺ کے فیضان نظر سے زیادہ مستحکم ومحکم چیز اور کیا ہوسکتی ہیں۔ یہی لوگ ہماری تاریخ میں ''اصحاب صفہ'' یعنی سائبان والے کہلاتے ہیں۔ ان کا تمام تر وقت مسجد نبوی ﷺ سے ملحق ایک سائبان تلے گزرتا تھا۔ ان میں سے بعض لوگ جز وقتی طور پر کچھ نہ کچھ کام بھی کرتے تھے، لیکن مجموعی طور پر ان کی ضروریات کی دیکھ بھال مدینہ کا مسلم معاشرہ اپنے تمام مسائل اور معاشی تنگیوں کے باوجود کرتا تھا۔ جس دین کا آغاز ہی ''اقرأ'' سے ہوا ہو، اور جس کے ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مہد سے لے کر لحد تک علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہو، اس کے معاشرے کی تشکیل اسی طور پر ہوسکتی ہے۔

حضور ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کو بھی اولیت واہمیت دی۔ یہودیوں کے تین قبیلے مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ بنو نضیر، بنو قینقاع، بنو قریظہ۔ ان کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی، خون بہا کے پرانے دستور

کو باقی رکھا گیا، باہمی دوستی کو معاہدہ کی شرط قرار دیا گیا اور طے پایا کہ مدینہ پر کسی حملہ کی صورت میں مسلمان اور یہود مل کر شہر کا دفاع کریں گے، اور کوئی بھی جماعت فریقین معاہدہ میں سے کسی ایک پر حملہ کرے گی تو یہ حملہ دوسرے فریق کے خلاف بھی سمجھا جائے گا۔ یہ منصفانہ، شریفانہ اور مساویانہ معاہدہ اس بات کا تاریخی ثبوت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو امن کس درجہ عزیز تھا۔ رحمۃ للعالمین ﷺ جنگ کے امکانات کو کس طرح مٹانا چاہتے تھے۔ یوں ہجرت نے مسلمانوں کو ایک مرکز عطا کر دیا، لیکن اس مرکز کے قیام نے ایک اور مسئلہ کی اہمیت کو بڑھا دیا، اور وہ مسئلہ تھا ایک ایسی علامت کا ہونا جو اسلام کے عالمی اور آفاقی مزاج اور مرکزیت کا اظہار بن سکے۔

مدینہ میں نبی اکرم ﷺ اور جماعت مؤمنین نے شعبان ۲ھ تک، یعنی تقریباً ڈیڑھ سال تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔ بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی۔

بیت المقدس یہودیوں کا قومی نشان اور علامت بن چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعثت نبی اکرم ﷺ سے پہلے نبوت، اولادِ حضرت اسحٰق علیہ السلام تک محدود رہی تھی اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ذریت یروشلم میں تھی۔ اب وہ رسول ﷺ آ چکا تھا جس پر وحی کا سلسلہ بھی ختم ہونا تھا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت و مسلک کی تکمیل بھی ہونی تھی۔ اس رسول کا مرکز اور اس کے آفاقی مزاج کی علامت وہی گھر ہو سکتا تھا جسے اللہ نے ''اپنا گھر''، ''لوگوں کے لئے امن''، ''پہلا گھر''، ''مبارک'' اور عالمین کے لئے ہدایت قرار دیا۔ کعبہ کے بارے میں یہ نکات ہمیں قرآن حکیم کی ابتدائی سورتوں یعنی البقرہ اور آل عمران میں مل جاتے ہیں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

''اور جب ہم نے اس گھر (کعبہ) کو لوگوں کا معبد اور مقام امن قرار دیا (اور لوگوں کو حکم دیا) کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو اور ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو طواف

اور اعتکاف اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے خوب پاک صاف رکھا کرو"۔ (البقرہ ۲، آیت ۱۲۵)

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝

بے شک وہ مکان جو سب سے پہلے (عبادت کے لئے) لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے بابرکت اور سارے جہاں کے لئے راہنما (اور مرکز ہدایت) اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (جن میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے جو اس (مبارک گھر) میں داخل ہوا اس نے امن پالیا، لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی اطاعت سے انکار کرے تو (اُسے معلوم ہو کہ) اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے غنی اور بے نیاز ہے"۔ (آل عمران ۳: آیات ۹۶۔۹۷)

حضور نبی اکرم ﷺ اس مبارک اور مرکز ہدایت بیت اللہ کی اہمیت سے پوری طرح باخبر تھے جو بیت المقدس سے تقریباً تیرہ سو سال پہلے تعمیر ہوا تھا اور آپ کے دل میں "بیت اللہ کو" قبلۂ اہلِ یقین قرار دیے جانے کی تمنا یقیناً ابھرتی تھی۔ آخر وہ لمحہ آگیا جب اللہ تعالیٰ نے اس تمنا کا جواب عطا فرمایا، اور یوں کہ اسلام اور عالم انسانیت کو امن وسلامتی کا قائم رہنے والا گھر مل گیا۔ کعبہ اور اسلام دونوں کے بارے میں یہ بات یکساں صداقت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ من دخلہ کان امنا" کیونکہ کعبہ اسلام کی مرکزیت کی علامت ہی تو ہے۔

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡھِکَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَۃً تَرۡضٰھَا ۪ فَوَلِّ وَجۡھَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡھَکُمۡ شَطۡرَہٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّھِمۡ ؕ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ

عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝

"اور (اے محمد ﷺ) ہم آپ کے منہ کا (یہ) بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اُسی قبلہ کی طرف پھیر دیتے ہیں جس کے لئے آپ ﷺ کی مرضی ہے۔ مسجد حرام کی طرف اپنا رُخ پھیر دیجئے، اور تم لوگ (جماعت مؤمن) جہاں ہوا کرو (نماز کے وقت) اسی طرف (کعبہ کی سمت) اپنا منہ کر لیا کرو، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی خوب جانتے ہیں کہ (تحویل قبلہ کا) یہ حکم ان کے رب کی طرف سے ہے اور برحق ہے (مگر اس کے باوجود) جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں"۔ (سورۃ البقرہ ۲: آیت ۱۴۴)

تحویلِ قبلہ کا یہ حکم شعبان ۲ھ میں نازل ہوا اور اس وقت جب نبی برحق ﷺ نماز ظہر کی امامت فرما رہے تھے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضور ﷺ کی امامت میں صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت تیسری رکعت ادا کر رہی تھی۔ اس حکم کے نزول کے ساتھ ہی رخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف کرلیا گیا۔ نماز کے دوران حکم کا نازل ہونا۔ اللہ اکبر۔ اطاعت کا کیسا امتحان اور ایمان کا کیا مرحلہ ہے؟ نفسیاتی طور پر اور اپنی پہلوداری کی بناء پر محض یہ واقعہ اور یہ بات قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی محکم دلیل ہے۔

مدینہ کے یہودیوں پر اس حکم کا کیا ردِعمل ہوا؟ بعض حضرات نے اس پہلو کو بڑی اہمیت دی ہے، لیکن ہمارے نزدیک اس کے اسباب وہی ہیں جو بیان کیے گئے، اور قرآن حکیم کی روشنی میں یہ ابدی حقائق تحویلِ قبلہ کی حکمت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ بہر حال یہ بات واضح ہے کہ ہجرت اور تحویلِ قبلہ، یہ دونوں واقعات اسلام کی مرکزیت کی اساس بنے۔ مدینہ منورہ میں مسجد قبلتین آج بھی اسی صداقت کی شہادت دے رہی ہے۔

# حکم جہاد

مدینہ میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کو قریش مکہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر حالات یہی رہے تو بہت جلد اسلام سارے عرب کو اپنے دامن میں لے لے گا۔ ان کے اضطراب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک جھڑپ اور چند دوسری معمولی یا ''خانہ ساز'' باتوں (جن کو غزوہ بدر کے سلسلہ میں مختصراً پیش کیا جائے گا) کا عذر تراش کر قریش مکہ نے مدینہ کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا۔ مدینہ کے قریب بدر کے میدان میں حق و باطل کی وہ آویزش ہوئی جس نے تاریخ کو ایک نیا رخ عطا کر دیا اور پھر یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا۔

قرآن حکیم نے انسانی زندگی کے تحفظ اور اس کی اہمیت کو جس انداز سے پیش کیا ہے، انسانی ذہن چودہ سو سال سے زیادہ کی اس مدت میں بھی اس سطح تک نہیں پہنچ سکا ہے، حالانکہ بنیادی انسانی حقوق پر ساری دنیا کے تعلیمی و علمی اداروں سے لے کر اقوام متحدہ تک مسلسل گفتگو اور بحث ہوتی رہی ہے۔

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا تو اُس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو کسی شخص کو بچالے تو اُس نے گویا تمام انسانوں کو بچالیا''۔ (سورۃ المائدہ ۶: آیت ۳۲)

جس دین نے انسانی زندگی کو یوں محترم قرار دیا ہو، اور ''خون بہا''، ''صلح''، ''انصاف''، ''زیادتی سے بچنے'' کو بنیادی اقدار حیات کا درجہ دیا ہو، وہ ملک گیری کے لئے طاقت سے کام لے سکتا ہے؟ اسلام کی اولین جنگوں (غزوات) پر اعتراض کرنے والے مسلمانوں کی حالت اور بے سروسامانی کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں، اور اس جغرافیائی حقیقت کو بھی، کہ یہ جنگیں مدینہ

منورہ کے قریب لڑی گئیں۔ اس کے سوا، ایمان تو قلب ونظر کی تبدیلی اور حیات وکائنات کو نئے انداز سے دیکھنے کا کام ہے۔ وہ انداز جس میں وحی الٰہی اور اسوۂ رسول ﷺ کے حوالہ سے ہر چیز کے معانی کا تعین ہوتا ہے۔ پھر اس میں جبر کا کیا سوال؟ ❶

بات صرف یہ ہے کہ اسلام پر انفرادی طور پر پوری طرح عمل نہیں کیا جا سکتا اور جب نبی کریم ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں نے مدینہ کو اپنا مرکز بنایا تو کفر کی طاقتیں اس مرکز کو مٹانے پر تل گئیں۔ مسلمانوں کو ان کے وطن مکہ سے نکالنے والوں نے ان پر مسجد حرام (کعبہ) کی زیارت کے راستے بھی بند کر دیئے۔ ان حالات میں سورۃ الحج کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں پہلی بار مسلمانوں کو اذنِ قتال عطا کیا گیا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جہاد کا دائرہ وسیع تر ہے، اس میں قتال بالسیف کے علاوہ بھی اسلام کی راہ میں جدوجہد کی تمام صورتیں سمٹ آتی ہیں، ہاں جہاد بالسیف کا مرتبہ بہت بلند ہے، کیونکہ اس میں آدمی اپنی زندگی کی قیمت پر اللہ کی عظمت اور بزرگی اور اسلام کی سچائی کی شہادت دیتا ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی
نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُۙ ۝ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ
اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ
یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (سورۃ الحج ۲۲: آیات ۳۹-۴۰)

---

❶ ...... ہاں جب باطل نظام جوہر انسانیت کو مٹانے لگیں اور آدمیت کو ذلیل کرنے لگیں اور اخلاقی اقدار کی پاس داری نہ کریں تو مسلمان محض تماشائی بن کر نہیں دیکھ سکتے، کیونکہ ان کے رب نے انہیں عالمِ انسانیت پر شاہد بنایا ہے۔ باطل کے مزاج کو ذہن میں رکھئے تو یہ تصادم ناگزیر نظر آتا ہے۔

اسلام کی تاریخ یہی نکتہ ہمارے سامنے لاتی ہے۔ آغاز میں کفار نے اسلام اور اس کی تحریک کو دبانے اور کچلنے کے لئے ہر قدم اٹھایا اور مسلمانوں نے ظلم وجبر کو برداشت کیا۔ پھر جب اس دین پر جنگ تھوپی گئی اور خود اس میں دفاع کی قوت آ گئی تو اسلام نے اپنے دفاع کے لئے قوت کو استعمال کیا۔ ظلم برداشت کرنے اور دفاع کے مرحلوں کے بعد تیسرے مرحلے یعنی اپنے نظریے کی اشاعت و غلبہ کے لئے قوت کا استعمال کا آنا بھی ناگزیر تھا۔ اسلام کی تاریخ کا یہ مرحلہ بھی حضور ﷺ کی زندگی میں آیا اور خلفائے راشدین کے عہد میں رومی اور ایرانی شہنشاہیتوں نے اپنی انسان سوز تاریخ کے مدفن میں دم توڑ دیا۔

مگر ان باطل نظاموں کو ختم کرنے کے بعد افراد کو نہ تو اس دور میں اور نہ بعد کے کسی دور میں بالجبر مسلمان بنایا گیا۔ ذمیوں کو تو بعض ایسے حقوق اور مراعات حاصل رہی ہیں کہ مسلمان بھی ان سے محروم رہے ہیں۔

"(اب جنگ کی) اجازت ان لوگوں کو دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) جنگ کی جارہی ہے کیونکہ اُن پر بہت ظلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً اُن کے غالب کردینے پر قادر ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے ہیں "ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے"۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے سب منہدم ہوگئے ہوتے اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ تعالیٰ (کے دین) کی مدد کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ قوی اور غلبہ والا ہے"۔

جب کفر کی سازشیں بڑھ گئیں اور کافروں کے مذموم ارادے مدینہ کی سرحدوں تک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے جہاد بالسیف کا حکم دیا۔ یہ حکم جنگ بدر سے کچھ پہلے دیا گیا۔ سورۂ بقرہ کی متعلقہ آیات تفصیل کے ساتھ جہاد کی شرائط اور حدود کا تعین کرتی ہیں۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

"اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں (بے تکلف) اُن لوگوں سے لڑو جو (نقض عہد کر کے) تم سے لڑتے ہیں مگر (از خود) حد سے نہ نکلو، اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا اُن سے لڑو جہاں بھی تمہارا اُن سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے اور فتنہ قتل سے بھی شدید تر

ہے اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو، ہاں اگر وہ وہاں جنگ وقتال سے نہ چوکیں، تو تم بھی بے تکلف اُن کو قتل کرو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحیم ومہربان ہے، اور ان سے اُس وقت تک لڑتے رہو کہ فساد وفتنہ نابود ہو جائے اور اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا کسی پر سختی روا نہیں۔" (سورۃ البقرہ ۲: آیات ۱۹۰ تا ۱۹۳)

ان آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے خلاف مسلح مزاحمت کرنے والوں کے خلاف قتال کا حکم دیا گیا ہے اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ، اس منشائے ربانی کا اظہار ہے کہ قوت کا استعمال اسی وقت کیا جائے گا کہ اہل ایمان معتدین (زیادتی کرنے والوں) کے دائرے میں داخل نہ ہو جائیں۔ اور یہ قتال تو فتنہ یعنی کفار کے استبداد وجبر کے خلاف جوابی اقدام ہے، اور یہ جوابی اقدام اس وقت روک دیا جائے گا جب کافر فتنہ سے باز آجائیں۔

ہمیں یہ حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ اسلامی ریاست اپنے نظام کے دائرے کو آگے بڑھانے کی ہر ایسی کوشش کرے گی جو اسلام کے مطابق ہو۔ یہ ریاست "امر بالمعروف" اور "نھی عن المنکر" کو اپنا لائحہ عمل قرار دیتی ہے۔ پھر مسلمان اس امت کی تشکیل کرتے ہیں جس پر اللہ کا رسول شاہد ہے اور وہ عالمِ انسانیت پر شاہد ہیں اس لئے جب بھی کوئی مظلوم انصاف کے لئے اسلامی ریاست کو آواز دے گا تو اس ریاست کا فرض ہوگا کہ وہ ظالم کو سزا دے۔ اسی طرح مسلمان اپنے معاہدوں کا احترام کرتا ہے، لیکن دوسروں کی عہد شکنی اسے تلوار اٹھانے پر مجبور بھی کر سکتی ہے۔

علاوہ ازیں ایک عملی اور آفاقی دین انسانی فطرت اور زندگی کے تقاضوں سے آنکھیں نہیں چرا سکتا۔ یہ زندگی کا ایک پہلو ہے کہ حق کی بقا اور استحکام کے لئے کبھی نہ کبھی ہتھیار سنبھالنے ہی پڑتے ہیں۔ عدل وانصاف کے فروغ کے لئے قوت لازمی عنصر کا درجہ رکھتی ہے۔ ❶

---

❶ ...... اسکندر وچنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں — سو بار ہوئی، حضرتِ انساں کی قبا چاک
تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے — صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک
اس سیل سبک سیر وزمیں گیر کے آگے — عقل ونظر وعلم وہنر ہیں خس وخاشاک
لادیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر — ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

سورۂ ''الحدید'' میں ''لوہا'' اسی عسکری قوت کا اشارہ ہے۔ اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ حق و باطل میں اس وقت تک کشمکش رہے گی، جب تک باطل فنا نہ ہو جائے۔ یہ کشمکش ازلی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی

جہاد کے سلسلہ میں ہمیں عذر خواہی، معذرت یا شرمانے کی ضرورت نہیں بلکہ نہایت قوت کے ساتھ اس حقیقت کو پیش کر دینا ہی ہمارے نقطۂ نظر کی وضاحت ہے کہ

هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا ۞

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اُس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور حق ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔'' (سورۃ الفتح: آیت ۲۸)

حکم جہاد کی ایک اور تاریخی اہمیت بھی ہے۔ مدینہ میں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات بلکہ غلبہ کی وجہ سے بہت سے ایسے لوگ بھی بظاہر مسلمان ہو گئے جن کے دلوں نے اس حقیقت کو قبول نہ کیا تھا۔ ایسے منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا، جو سرور کائنات ﷺ کی ہجرت سے پہلے اپنے لئے یثرب کی بادشاہی کے خواب ہی نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ اس خواب کی تعبیر حقیقت کے قالب میں ڈھلنے ہی والی تھی کہ اسلامی ریاست کے قیام نے اس کے خوابوں کو چکنا چور کر دیا اور اس کا ہر لمحہ انہیں خوابوں کے ٹوٹے ہوئے شیشوں پر برہنہ پا چلنے کی مثال تھا۔ یہ منافق اسلامی معاشرہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھے۔ یہ مارِ آستین آج کی سیاسی اصطلاح میں ''ففتھ کالمسٹ'' تھے جن کا درپردہ گٹھ جوڑ قریش مکہ سے تھا۔ حکم جہاد نے ان کے نفاق کے پردوں کو چاک کر دیا۔ جب جان کی بازی لگانے کا ہنگام آیا تو پتہ چل گیا کہ وہ حقیقی مؤمن کون ہیں؟ وہ جان دے کر صداقت اسلام کی گواہی دینے کے لئے تیار ہیں۔

# غزوۂ بدر

نبی کریم ﷺ کی ہجرت، قریش مکہ کے عزائم کی شکست تھی۔ قریش نے اس موقع پر بھی وہی حربے استعمال کئے جو ہجرت حبشہ کے سلسلہ میں استعمال کئے تھے۔ وہاں معاملہ ایک خودمختار بادشاہ سے، پڑا تھا اسی لئے تحائف کے ساتھ سفارت بھیجی گئی تھی۔ یہاں معاملہ اہل یثرب سے تھا جن کے مقابلہ میں قریش اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے، اسی لئے سفارت کی جگہ مراسلہ کو اور تحائف کی جگہ دھمکی کو مناسب جانا۔ قریش نے عبداللہ ابن ابی کو خط لکھا کہ۔

''تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تم لوگ ان کو قتل کر دو یا نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تمہیں قتل کر کے تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنا کر اپنے تصرف میں لائیں گے۔'' ❶

عبداللہ ابن ابی تو سردار منافقین تھا اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس کی بادشاہت کے جشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ یثرب، مدینۃ النبی بن گیا اور اہل یثرب انصار بن گئے۔ یہ قلب و نظر کی وہ ہمہ گیر تبدیلی تھی کہ اب حکمرانی اللہ کی ہوگئی، انسانوں کی نہ رہی۔ عبداللہ کا بس چلتا تو وہ قریش کے ''احکام'' کی تکمیل کرتا، لیکن اب اس کی سابقہ عظمت وسیادت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور قریش اس نکتہ کو اس وقت تک نہ سمجھ سکے تھے۔

اس واقعہ سے پوری طرح اندازہ ہو سکتا ہے کہ قریش اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان حالت جنگ، ہجرت کے بعد بھی قائم رہی۔ وہ جنگ، قریش نے اعلان نبوت کے ساتھ ہی ہادی برحق ﷺ اور دائرہ دین میں آنے والوں کے خلاف چھیڑ دی تھی۔ محض یہی ایک نکتہ ان معترضین کے تمام اعتراضات کے سلسلہ میں جواب کافی و مسکت کا درجہ رکھتا ہے جو غزوۂ بدر کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں اور نبی کریم ﷺ پر ڈالتے ہیں اور اسے تحقیق کا نام دیتے ہیں۔

قریش مسلمانوں کو مکہ سے نکالنے کے بعد، اب اس بات پر بھی رضامند نہ تھے کہ مہاجرین وانصار طواف و زیارت کعبہ کے لئے آئیں، حالانکہ انہیں روکنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔

---

❶ ...... شبلی۔ سیرۃ النبی ﷺ جلد اول صفحہ ۳۰۵، نیز سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۱۳۲۔

حضرت سعد بن معاذ ؓ جب عمرہ کے لئے مکہ گئے تو ابو جہل نے خانہ کعبہ کے دروازے پر ٹوکا اور کہا کہ اگر امیہ بن خلف نے تمہاری میزبانی قبول نہ کی ہوتی تو تم کو مکہ سے اپنا سر اپنے کاندھوں پر رکھ کر یثرب لوٹنے کی اجازت نہ دی جاتی۔ اسی موقع پر حضرت سعد بن معاذ ؓ نے پوری جرأت سے کہا کہ اگر ہم پر بیت اللہ کے دروازے اور اس تک پہنچنے کی راہیں مسدود کی گئیں تو ہم مدینہ سے تمہارے تجارتی قافلوں کو نہیں گزرنے دیں گے اور یہ بات زیادہ شدید ہوگی۔

ما هذاشد عليك منه طريقك على المدينة

اسی کے ساتھ ساتھ قریش نے اپنے زیرِ اثر قبائل کو بھی اسلام کی عملی مخالفت پر اکسایا۔ ''ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے'' ❶ اور مدینہ پر قریش کے حملے کے امکانات اتنے روشن اور واضح تھے۔

كان رسول الله ﷺ اول قدم المدينه ليسهرين الليل۔ (نسائی) بحوالہ شبلی

''جب نبی اکرم ﷺ مدینہ میں اول اول تشریف لائے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے۔''

ان حالات میں نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے تو یہود مدینہ سے معاہدہ فرمایا تا کہ ادھر سے اطمینان ہو، اور اس کے بعد مدینہ سے بحر احمر کے ساحل تک پھیلے ہوئے قبیلوں سے دوستی یا غیر جانبداری کے معاہدے فرمائے۔ یہ معاہدے ہجرت کے پہلے سال اور دوسرے سال میں کیے گئے۔

اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نے اس تجارتی شاہراہ پر چھوٹے دستے بھیجنے شروع کیے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مکہ والے لوٹ مار کے چھاپہ مار دستے بھیج رہے تھے۔ ایسے ہی ایک دستہ نے مدینہ کے قریب چراگاہ پر حملہ کیا اور خود محمد ﷺ کے مویشی پکڑ کر لے گیا۔ اس دستے کی قیادت کرز بن جابر نے کی تھی، جنہیں بعد میں مسلمان ہونے اور شہادت پانے کا شرف حاصل ہوا۔

ان حالات میں نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ نے اپنے گشتی دستے بھیج کر قریش کو بتا دیا کہ اب وقت کا دھارا پلٹ چکا ہے، اور ہوا کا رخ بدل گیا ہے۔ اب مسلمان بے کس اور مجبور نہیں

❶ ...... شبلی سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۳۰۷۔

ہیں بلکہ وہ قریش کی معاشی شہ رگ (تجارتی شاہراہ) کو کسی وقت بھی کاٹ سکتے ہیں۔ کم وبیش ایسے ہی چار دستوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ بھی مدینہ سے باہر نواحی علاقوں میں تشریف لے گئے۔ اور اس اعصابی جنگ میں مسلمانوں کی حوصلہ مندی کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ قریب کے بعض قبائل نے ایسے ہی موقع پر معاہدے کئے۔

قریش نے اپنی تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کے گشتی دستوں کو اپنے مستقبل کے لئے عظیم خطرہ سمجھا، اور مختلف قبائل کے ساتھ ان معاہدوں سے وہ اس نتیجے پر پہنچے، اور بجا طور پر، کہ اب وہی عرب کی واحد طاقت نہیں رہے، بلکہ مدینہ کی اسلامی ریاست کا اثر ونفوذ انہیں مسند اقتدار سے آہستہ آہستہ معزول کر رہا ہے۔

ان حالات میں قریش مکہ نے ایک فیصلہ کن جنگ کی ٹھان لی، اور قریش کا لشکر عظیم مکمل تیاریوں کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑا۔ اسی زمانے میں ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو بھی اسی شاہراہ تجارت سے گزرنا تھا۔ اسی اتفاق کی بناء پر بعض اربابِ سیر نے یہ گمان کیا ہے کہ معاذ اللہ سرکار دوعالم ﷺ اسی تجارتی قافلے کو لوٹنے کے لئے مدینہ سے نکلے تھے۔ یہ گمان قرآن حکیم کی تصریحات کے خلاف ہے۔ قرآن حکیم کے ارشادات وتصریحات کو پیش کردینے سے پہلے یہ عرض کردینا مناسب ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ کا مقصد تجارتی قافلے کو روکنا یا لوٹنا ہوتا تو آپ مدینہ سے شمال مغرب کی طرف بڑھتے جدھر سے قافلہ آرہا تھا، لیکن حضرت ختم المرسلین ﷺ نے "جنوب کی راہ لی جدھر سے قریش کا لشکر آرہا تھا۔ اس کے علاوہ لشکر قریش سے مقابلہ کا فیصلہ تو مدینے سے نکلنے سے پہلے ہی شوریٰ کے ذریعہ ہوگیا تھا اور قرآن حکیم کے مطابق مسلمانوں کا ایک گروہ اس فیصلہ سے ناخوش تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے انصار ومہاجرین کو جمع فرما کر سوال کیا کہ "ایک طرف تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف کفار کا لشکر ہے۔" [1] اور اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا تو اب کدھر کا قصد کیا جائے۔" اکثریت نے تجارتی قافلہ کی طرف رخ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس پر سرکار دوعالم ﷺ نے اپنا سوال دہرایا۔ اس سے صحابہ ﷺ کہ مزاج دان رسالت تھے، متنبہ ہوگئے اور مہاجرین کی جانب سے جواب دیا گیا۔ "آپ جس طرف رخ فرمائیں گے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" نبی اکرم

---

[1] ......اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ سورۂ انفال کی متعلقہ آیت، مدینہ سے باہر نکلنے اور جنگ بدر سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

ﷺ نے جب یہ سوال پھر دہرایا تو انصار سمجھ گئے کہ آپؐ ان کی رضا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔اس پر انصار کی جانب سے حضرت سعد بن معاذ ؓ نے اٹھ کر یہ تقریر کی۔

''یارسول اللہ! (ﷺ) ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں، اور اس امر کی تصدیق کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ جو کچھ (قرآن اور احکام خداوندی) لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم آپ ﷺ کی اطاعت کا عہد واثق کر چکے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ آپؐ نے جو ارادہ کیا ہے اسے کر گزریئے۔ قسم ہے اس ذات گرامی کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ سمندر میں کود پڑنے کے لئے تیار ہیں اور انشاء اللہ ہم میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا۔''

ان چند معروضات کے بعد قرآن کریم کی تصریح ملاحظہ ہو۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

''وہ لوگ (مؤمنوں کا ایک گروہ فریقا من المؤمنین'' سورۃ الانفال آیت ۵) اس حق کے معاملے میں آپ جھگڑنے لگے حالانکہ اس کا ظہور ہو گیا تھا (اُن کا یہ حال تھا) گویا وہ موت کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں اور اُسے (آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں (وہ موقع یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں (تجارتی قافلہ اور لشکر قریش) میں سے ایک تمہیں مل جائے گا اور تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح جماعت (قافلہ) تمہارے ہاتھ آ جائے مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق، حق ہو کر رہے اور باطل، باطل ہو کر رہ جائے، خواہ

مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔'' (سورۃ الانفال: آیات ۶ تا ۸)

اس ارشادِ ربانی کے بعد اس قیاس آرائی کی کوئی صورت نہیں رہتی کہ نبی اکرم ﷺ دراصل تجارتی قافلہ کو لوٹنے نکلے تھے، مگر انہیں لشکر قریش سے لڑنا پڑا۔ غزوۂ بدر تو نصرت اسلام کی تاریخ کا عظیم باب ہے۔

۱۷ رمضان ۲ھ کو بدر کے میدان میں اسلام اور کفر کی فوجیں نئے انداز سے ایک دوسرے کے سامنے صف آرا تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ۳۱۳ جان نثاروں کی جماعت تھی، مگر یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی جان اور مال کی قیمت پر جنت کا سودا کیا تھا۔ ان کے پاس پورے ہتھیار بھی نہیں تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ اس لشکر میں بہتر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ اور دوسری طرف سر سے پیر تک فولاد میں ڈوبے ہوئے ایک ہزار سپاہی تھے جن کی بڑی تعداد گھوڑوں پر سوار تھی۔ کفار مکہ کے پاس کم سے کم تین سو گھوڑے اور سات سو اونٹ، لیکن یہ محض عسکری طاقت کی آزمائش نہ تھی، بلکہ زندگی کے دو نظاموں کی جنگ تھی۔ عشق، جنگ گاہ میں بے ساز و یراق آگیا تھا اور باطل کا دل فولاد کے پیراہن کے نیچے بھی کانپ رہا تھا۔ عشق والوں کے لئے تلواروں کا سایہ نمازِ عشق کی ادائیگی تھا اور باطل ہمیشہ موت سے بھاگتا ہے۔ ❶

سورۃ الانفال میں جنگ بدر کی تفصیلات خدائے حی قیوم نے ہمارے لئے محفوظ فرما دی ہیں خاص طور پر آیت ۴ سے آیت ۲۰ تک۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے سالارِ لشکر (ﷺ) نے اپنے رب کے حضور سجدہ کیا اور یوں کہ

---

❶ ..... سقوطِ مشرقی پاکستان کا تجزیہ کرتے ہوئے بعض نام نہاد ''دانشوروں'' نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ماضی کے مثالوں اور تاریخ اسلام کے ان واقعات کا دور گزر گیا جب اقلیت کو اکثریت پر فتح ہوتی تھی۔ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے جس میں اعلیٰ عسکری قوت ہی غالب آتی ہے۔

یہ لوگ جان بوجھ کر یا تو لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں یا خود فریب میں مبتلا ہیں۔ تیاری اور ساز و سامان کی اہمیت سے بھلا کون انکار کرے گا۔ خود قرآن نے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ ہماری تاریخ کے بعض معرکوں میں اعلیٰ عسکری قیادت یا ساز و سامان کو بھی دخل رہا ہے لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اکثر، مسلمانوں کی ''کم تر عسکری قوت'' اپنے عہد کی اعلیٰ عسکری قوت پر غالب آئی ہے۔ اور اس کا سلسلہ غزوۂ بدر سے معرکۂ ستمبر ۱۹۶۵ء تک جاری و ساری ملتا ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کا معرکہ تو ہمارے عہد کی اور ہماری آنکھوں دیکھی بات ہے۔ یہ دانش ور بھلا اس کی کیا تاویل کریں گے؟ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء طاقت کے توازن میں کوئی خاص فرق نہ تھا، ہاں ۱۹۷۱ء میں ہم وہ نہ تھے جو ۱۹۶۵ء میں تھے۔ آل انڈیا ریڈیو نے ''مہاراج جنگ کھیل نہیں ہوندی زنانیاں دی'' کا جواب یوں دیا ''مہاراج جنگ کھیل نہیں ہوندی شرابیاں دی۔''

جس طرح اسلام کی پوری تاریخ میں ۷۵ ہزار فوجیوں کے ہتھیار ڈالنے کی مثال نہیں ملتی، اسی طرح شاید اس بات کی مثال نہ ملے کہ کافر، مسلمان کو شراب کا طعنہ دیں۔

اس سجدہ سے زمین کی پستیاں آسمان کی بلندیوں سے بھی بلند تر ہو گئیں، ساری دنیا سے بے خبر اور بے نیاز ہو کر آپ ﷺ نے اپنے رب کے حضور میں یوں فریاد کی۔

''اے رب العزت! یہ چھوٹی سی جماعت تیرے نام کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے یہاں آئی ہے۔ اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو قیامت تک تیری عبودیت کو اپنانے والا کوئی اور نہیں ہوگا...... خداوند! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما۔''

ادھر رسول اللہ ﷺ کے ہونٹوں سے یہ الفاظ انتہائی عاجزی کے عالم میں ادا ہوئے ادھر اللہ نے وعدۂ نصرت سے سرفراز فرمایا۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ٥ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ٥

''اور جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے (تو) اُس نے تمہاری دعا قبول کر لی (اور جواب میں فرمایا کہ تسلی رکھو) میں ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس حکمت کے لئے کی، (غلبہ کی) بشارت ہو، اور تاکہ تمہارے دلوں کو (اضطراب سے) قرار ہو جائے اور (واقع میں تو) نصرت اور (غلبہ) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔'' (سورۃ الانفال: آیات ۹-۱۰)

نصرت اور مدد تو اللہ کی شان ہے اور ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو حق کی سربلندی کے لئے باطل کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے (اور اللہ سے زیادہ صادق القول اور کون ہوگا) کہ ''تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔''

اللہ جل جلالہ نے میدان بدر میں اپنے کرم سے ہر تردد کو دور کر دیا۔ یہ لوگ جو پہلی بار اس بے سروسامانی کے عالم میں کفر کے ساز و سامان کے مقابل صف آرا ہوئے تھے، ایمان کے ایک ہی درجے پر فائز نہ تھے۔ اس جماعت میں وہ بھی تھے جن کے لئے موت وصلِ الٰہی کا زینہ اور

ذریعہ تھی اور رسولِ اعظم ﷺ کی کمانداری کفار سے لڑتے ہوئے شہادت کی موت کے تمنائی تھے۔اس جماعت میں وہ بھی تھے کہ جن کے دلوں میں اندیشے تھے،اور شیطان ان اندیشوں کا خالق تھا۔اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو مسلمانوں کو ایسا اطمینانِ قلب عطا کیا کہ انہیں غنودگی کی آغوش میں سکون ملا،اور پھر جنگ کی رات پانی برسایا۔یہ مینہ علامت کا درجہ بھی رکھتا ہے۔جس نے نجاست اور جماعت مومنین کے قلب کے ہر اندیشے کو دھو دیا اور دوسری طرف اس بارش نے عسکری اعتبار سے مسلمانوں کے قدم جما دیئے۔بارش کی وجہ سے قریش کے گھوڑوں اور اونٹوں کے سم اور پیر ریت میں دھنسنے لگے اور پاپیادہ مجاہدوں کے لئے آسانی پیدا ہوگئی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار مکہ کی فوج نشیبی علاقے میں تھی جہاں بارش کے بعد کیچڑ ہی کیچڑ ہوگئی،اور مسلمانوں کا لشکر وادی کے بالائی علاقے میں تھا جہاں بارش نے ریت کو جما دیا۔

اِذۡ یُغَشِّیۡکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنۡہُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمۡ بِہٖ وَ یُذۡہِبَ عَنۡکُمۡ رِجۡزَ الشَّیۡطٰنِ وَ لِیَرۡبِطَ عَلٰی قُلُوۡبِکُمۡ وَ یُثَبِّتَ بِہِ الۡاَقۡدَامَ ؕ

”اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے نیند (غنودگی) کی شکل میں تم پر اطمینان اور تسکین کی کیفیت طاری کردی اور تم پر آسمان سے پانی برسادیا تاکہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کردے اور شیطان کی (ڈالی ہوئی) نجاست سے تم کو دور کردے، اور تمہارے دلوں کو مضبوط کردے،اور تمہارے پاؤں جمادے۔“ (سورۃ الانفال ۸: آیت ۱۱)

غزوۂ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوگئے۔قتل ہونے والوں میں ابوجہل،عتبہ بن ربیعہ،شیبہ بن ربیعہ،حنظلہ بن ابوسفیان اور نوفل جیسے چوبیس آئمہ کفر اور سردارانِ قریش شامل تھے۔حضور ﷺ کے رفقا میں سے چودہ مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہوئے۔اس جنگ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم نے اس نکتہ کی وضاحت فرمادی ہے کہ اللہ کے راستے میں تلوار اٹھانے والے کا ہاتھ،اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کے ترکش سے نکلنے والا ہر تیر مشیت الٰہی کی کمان سے چل رہا تھا۔

فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡہُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَہُمۡ ۪ وَ مَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

"پس (حقیقت یہ ہے) کہ تم نے انہیں (کفار کو) قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا اور آپ نے (وہ ریت) نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ❶ (اور مومنوں کے ہاتھوں کو استعمال کرنے کی) غرض یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی طرف سے اُن کی محنت کا خوب عوض دے، یقیناً اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔" (سورۃ الانفال ۸: آیت ۱۷)

مجھے اقبال کا مشہور شعر اسی آیت کی شاعرانہ تفسیر معلوم ہوتا ہے ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب وکار آفریں کشاو کار ساز

قریش کے جنگی قیدیوں کے ساتھ حضور سرورِ کائنات، رحمۃ للعالمین ﷺ نے جو سلوک کیا اور نرمی کا برتاؤ کیا، آج کی متمدن اور "مہذب" دنیا بھی اس کا پوری طرح تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ❷

چونکہ مدینہ میں کوئی سرکاری مہمان خانہ یا ایسا ہی دوسرا ادارہ نہ تھا اسی لئے ان قیدیوں کی میزبانی صحابۂ کرام ﷺ میں تقسیم کر دی گئی۔ اور ان قدسی نفس انسانوں کا یہ عالم تھا کہ بساط بھر اچھے سے اچھا کھانا ان قیدیوں کو کھلاتے جو انہیں نیست و نابود کرنے کے ارادے سے نکلے تھے اور خود کھجوروں پر گزارا کرتے یا فاقہ کرتے۔ ان قیدیوں کو بعد میں فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ اور جو نادار تھے وہ فدیہ سے بھی مستثنٰی قرار دیے گئے۔ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کے لئے دس دس بچوں کی تعلیم کا فدیہ قرار دیا گیا۔ یوں مدینہ میں لکھنے پڑھنے کی روایت عام ہوئی۔

---

❶ ......"جب جنگ کی شدت ہوئی تو حضور ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں کفار کی طرف پھینکیں۔ خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے اور وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ ادھر سے مسلمانوں نے دھاوا بول دیا آخر بہت سے کافر کھیت رہے" (علامہ شبیر احمد عثمانی، حواشی قرآن پاک)

❷ ......اس دورِ تہذیب میں نازیوں اور جاپانیوں نے جنگی قیدیوں کے ساتھ وحشت اور بربریت کا جو سلوک کیا ہے، اور ہندوستان نے ۷۲-۱۹۷۱ء میں پاکستان کے جنگی قیدیوں کے ساتھ جو کچھ کیا ہے شاید ہلاکو خاں بھی اسے دیکھ کر پشیماں ہوتا۔ بین الاقوامی صلیب احمر (ریڈ کراس) کی رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں بعض قیدیوں کو "ٹھنڈے دل" کے ساتھ وحشت سے موت کے گھاٹ اتارا گیا ۔ اور یہ سب کچھ "جنیوا کنونشن" اور ایسے ہی دوسرے عالمی معاہدوں اور ضابطوں کے ہوتے ہوئے ہوا۔

# غزوۂ اُحد

بدر کی شکست سے مکہ میں صف ماتم بچھ گئی اور اسی کے ساتھ ساتھ انتقام کا جذبہ بھی بھڑک اٹھا۔ عورتوں نے اپنے اپنے قبیلوں میں مقتولین کے دردناک نوحے اور مرثیے پڑھ پڑھ کر ایک مستقل جنگی کیفیت اور ایسا اعصابی کھنچاؤ اور ہیجان پیدا کر دیا کہ کفار نے ایک بار پھر اپنی شیرازہ بندی کی اور اپنے تمام وسائل کو یک جا کر کے قریش کی تجارت کے پورے جمع شدہ منافع کو جنگی تیاریوں اور سازوسامان کی فراہمی کے لئے وقف کر دیا گیا۔ عمروجمحی اور مسافع جیسی شاعرہ لوگوں کی شجاعت اور جذبۂ انتقام کی آگ کو اور بھڑکانے کے لئے دورے کرنے لگے۔

آخر شوال ۳ھ میں قریش نے تین ہزار سپاہیوں کے لشکر جرار کے ساتھ مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ اس لشکر کے ساتھ قریش کے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی شریک سفر تھیں۔ ان کی شرکت کا مقصد یہ تھا کہ ہنگامی اور بحرانی حالات میں اپنے نغموں اور تقریروں سے اپنے سپاہیوں کا دل بڑھائیں اور ان کے اکھڑے ہوئے قدموں کو اپنے ناموس کا حوالہ دے کر ثابت قدمی کا درس دے سکیں۔

نبی اکرم ﷺ ایک ہزار کی فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے مدینہ سے تقریباً تین میل دور اُحد کی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب رسالت مآب ﷺ شہر کا دفاع شہر میں محصور ہو کر کرنا چاہتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے نوجوانوں کے ذوقِ جہاد کے پیشِ نظر شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کا فیصلہ فرمایا۔ عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ گیا، اور اس نے وجہ یہ پیش کی کہ ''محمد ﷺ نے میرے منصوبے کو نہیں مانا، باہر نکلنے کی جگہ شہر میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنا چاہئے تھا۔''

یوں حضور ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ غزوۂ اُحد کے نتائج میں سے ایک اہم نتیجہ یہ بھی ہے کہ یوں منافقین کا نفاق ابھر کر سامنے آ گیا اور اس طرح مستقبل کی تعمیر اور شیرازہ بندی کے راستے متعین ہو گئے۔

حضور سرورِ عالم ﷺ نے اُحد کو اپنی پشت کی طرف رکھ کر مورچے قائم کئے اور فوج کو دستوں

اور رسالوں میں تقسیم فرمایا۔ ❶ پشت کی طرف سے دشمن کے گھوم کر حملہ کرنے کا اندیشہ تھا۔ اُحد کے اس اہم درے پر آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ کی سربراہی میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا اور اس ہدایت کے ساتھ کہ ''یہاں سے کسی صورت میں نہ ہٹنا۔ فتح ہو جانے کے بعد بھی تا حکم ثانی یہیں ٹھہرنا۔''

جنگ اُحد کا آغاز نئے انداز سے ہوا۔ اس بار طبل جنگ پر چوٹ نہیں پڑی بلکہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ کی سرکردگی میں خواتین قریش دف پر نغمہ سرائی کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔

نحن بنات الطارق        نمشی علی النمارق
ان تقبلوا نعالق        او تدبرو الفارق

''ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں        ہم وہ ہیں جو قالینوں پر چلتی ہیں

اگر تم میدان کارزار میں آگے بڑھے تو ہم تمہیں اپنی آغوش میں لے لیں گی اور اگر تمہارے قدم پیچھے ہٹے تو ہماری راہیں الگ ہو جائیں گی۔''

اور جب عام جنگ شروع ہوئی تو مجاہدوں کے شوق شہادت نے دشمن کی صفوں کو پلٹ دیا۔ ذوالفقار حیدر ؓ نے بجلی کی طرح چمک کر کفار کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ ساقی حجاج کے بیٹے، حضرت سید الشہداء حمزہ ؓ کی تلوار نے ظلمت پرستوں کے لہو سے اپنی پیاس بجھائی اور حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ نے اپنی تلوار حضرت ابو دجانہ ؓ کو عطا کی۔ یہ عطا انہیں موت کے ہر اندیشے سے بے نیاز کر گئی اور پھر ان کے آگے صفیں جیسے غبار کی لہریں تھیں...... نتیجہ یہ ہوا کہ قریش پسپا ہونے لگے، اور مجاہدین مال غنیمت کو سمیٹنے لگے۔

یہ نقشہ دیکھ کر تیر اندازوں کے دستے نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا ❷ اور یوں جیتی ہوئی جنگ، ہار میں بدل گئی۔ تیر اندازوں کا اپنے مقام سے ہٹ جانا محض ایک عسکری غلطی ہی نہیں تھی، بلکہ اس کا سلسلہ اہم تر مسائل و نکات سے منسلک ہے۔ ان تیر اندازوں نے حکم رسول ﷺ کو نہ مان کر معصیت کا ارتکاب کیا، پھر حب زر، فرض پر غالب آ گئی۔ اور پھر اس کا تعلق اس سے بھی تو ہے کہ ان کے دلوں میں نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے سلسلہ میں بھی ایک برا گمان پیدا ہوا۔

---

❶ ...... نبی کریم ﷺ کی عسکری بصیرت اور قیادت کے بارے میں میجر جنرل (سابق) محمد اکبر خان کی کتاب (مطبوعہ فیروز سنز) نہایت قابل قدر ہے۔

❷ ...... حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ اور ان کے کچھ ساتھیوں نے جگہ نہیں چھوڑی تھی۔

انہوں نے یہ سوچا کہ اگر وہ درے کی حفاظت کرتے رہے تو مال غنیمت سے محروم ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ عصمت رسول ﷺ کی ردائے مقدس ایسی خیانت کے دھبے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ بعد میں جب حضور ﷺ نے ان لوگوں سے درے کو چھوڑنے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے تاویلات اور عذر سے کام لیا، لیکن ان تاویلوں کا بودا پن اس آنکھ پر صاف آشکارا تھا جو اللہ کے نور سے اشیا کو دیکھتی تھی۔ آپ نے ان سے کہا

"بل ظننتم، انا نغل ولا تقسم لکم"

"تم یہ خیال کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے اور تم کو تمہارا حصہ نہیں دیں گے۔"

سورہ آل عمران میں جنگ اُحد کی تفاصیل کے بیان کے بعد اسی معاملہ پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

"اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ خیانت کریں جو شخص خیانت کرے گا وہ شخص اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا (کسی پر) کوئی ظلم نہیں ہوگا۔"

(آل عمران ۳: آیت ۱۶۱)

بہر صورت جب تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تو اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خالد بن ولید نے پشت سے حملہ کر دیا اور جنگ کا نقشہ ہی پلٹ گیا۔ حضرت مصعب ؓ کی شہادت کے ساتھ ہی ہر طرف یہ خبر پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے۔ حضرت مصعب ؓ نبی اکرم ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے۔ اس افواہ نے مجاہدوں کے حوصلے پست کر دیے اور ان کی صفوں میں رخنے پڑ گئے۔ کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے نرغے میں لے لیا اور آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس زخمی ہو گیا۔ اس موقع پر اگر ایک طرف بعضوں کے قدم اکھڑ گئے تو دوسری طرف موت کو زندگی سمجھنے والے ایسے صحابی بھی تھے جو حضور ﷺ کے چاروں طرف ایک آہنی حصار بن گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے اپنی شجاعت سے یہ حقیقت آشکار کر دی کہ مسلمان کا ہاتھ کس طرح اللہ کا ہاتھ بن کر باطل کے حملوں کو روک لیتا ہے۔ حضرت عمارۃ بن زید

بن سکن ؓ نے حضور ﷺ کی اس صدا پر کہ "آج مجھ پر کون جان نچھاور کرتا ہے۔" لبیک کہتے ہوئے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچادی۔ اور جب زیاد بن سکن نے اپنی جان کا نذرانہ شمع رسالت ﷺ کے تحفظ کے لئے پروانہ وار پیش کر دیا تو لوگ ان کے "لاشہ" کو سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں فرمان رسالت ﷺ کے تحت لائے۔ دنیا سے جانے والے میں ابھی زندگی کی ایک بوند باقی تھی آنکھیں کھولیں، اپنے لب، سرکار دو جہاں کے قدموں پر رکھے اور اس جہاں سے گزر گئے۔ کیسا عجیب تھا یہ سفر اور جسم سے روح کی یہ پرواز، اور یہی وہ موقع تھا کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے ترکش رسالت سے تیر نکال کے قریش کی طرف چلائے، اور اس والہانہ انداز میں کہ حضور ﷺ نے کہا "ہاں ہاں! سعد تم پر میرے ماں باپ قربان۔ یوں ہی تیر چلاتے رہو۔" حضور ﷺ کا یہ جملہ سعد بن ابی وقاص ؓ کی شفاعت و مغفرت کا پروانہ ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے وہ ساتھی، جو آپس میں رحیم تھے اور کفار پر شدید، انسانیت کی بلندی کے نشانات ہیں، مگر جب سرکار ﷺ سعد بن ابی وقاص ؓ سے یہ جملہ کہہ رہے ہوں گے تو ان میں سے کون ہے جسے ان پر رشک نہ آیا ہو گا۔

اور جب کفر اپنے زعم میں ایمان پر غالب آچکا تھا تو ابو سفیان نے ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر نعرہ لگایا "اعلیٰ ھبل" (سرفرازیاں ھبل کے لئے ہیں)۔ اس نعرے کے جواب میں پہاڑیاں شمع محمدی ﷺ کے پروانوں کے اس غلغلے سے گونج اٹھیں کہ "اللّٰہ اعلیٰ و اجل۔" یوں جس وقت جنگ میں شکست ہو رہی تھی اس وقت بھی مقصد اور نظریہ کے اعتبار سے جماعت مؤمنین ہی سرفراز اور کامگار تھی۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی یہ شکست بھی اللہ کی حکمت بالغہ کا ایک نقش جلیل ہے۔ مسلمانوں کو حکمِ رسول ﷺ سے سرتابی کی سزا ملی، اور یہ واقعہ ان کے لئے عبرت کا باعث اور مستقبل کی تعمیر کا ذریعہ بن گیا۔ سورۃ آل عمران میں اللہ عز و جل نے آیت ۱۵۲ سے آیت ۱۶۰ تک نہایت وضاحت سے غزوۂ اُحد کے واقعاتی پہلو کا احاطہ کرتے ہوئے اس پر ایسا حکیمانہ تبصرہ فرمایا ہے۔ کہ یہ آیات، قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا بین ثبوت ہیں۔ ایک شکست خوردہ فوج کا سالار، چاہے وہ کتنا ہی عظیم اور کامل انسان ہو، اس انداز سے جنگ یا اپنی شکست پر تبصرہ کر ہی نہیں سکتا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى

اِذَافَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ
اَرٰکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ط مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ
یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ج ثُمَّ صَرَفَکُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَکُمْ ج وَلَقَدْ عَفَا
عَنْکُمْ ط وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ه اِذْ تُصْعِدُوْنَ
وَلَاتَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰکُمْ
فَاَثَابَکُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ وَلَا مَآ
اَصَابَکُمْ ط وَاللّٰهُ خَبِیْرٌ بِمَاتَعْمَلُوْنَ ه ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ
مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآئِفَةً مِّنْکُمْ لا وَطَآئِفَةٌ
قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ
الْجَاهِلِیَّةِ ط یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ط قُلْ اِنَّ
الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ ط یُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّالَا یُبْدُوْنَ لَکَ ط
یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّاقُتِلْنَا هٰهُنَا ط قُلْ
لَّوْ کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰی
مَضَاجِعِهِمْ ج وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ وَلِیُمَحِّصَ
مَافِیْ قُلُوْبِکُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ه اِنَّ الَّذِیْنَ
تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ط اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ
الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا ج وَلَقَدْ عَفَااللّٰهُ عَنْهُمْ ط اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ه یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ
کَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ
اَوْ کَانُوْا غُزًّی لَّوْ کَانُوْا عِنْدَنَا مَامَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ج
لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِکَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ط وَاللّٰهُ یُحْیٖ
وَیُمِیْتُ ط وَاللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ه وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ

سَبِيلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ٥ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَا اِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ٥ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ٥ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥

''اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے (فتح و نصرت کا) وعدے کو سچا کر دکھایا تھا (یعنی) اُس وقت جب تم (لوگ) کافروں کو اُس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ (جو تم چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو دکھا دیا) مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم (رسول ﷺ) میں جھگڑا کرنے لگے اور اس کی نافرمانی کی، (کیونکہ) بعض تو تم میں دنیا کے چاہنے والے تھے اور بعض آخرت کے طالب تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے اپنی نصرت کو بند کر دیا اور پھر تم کو اُن کفار سے ہٹا دیا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش فرمائے اور یقین جانو کہ تب اللہ نے تم کو کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ اُس نے (اپنے کرم سے) تمہیں معاف کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے (وہ وقت یاد کرو) جب تم دور بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو پلٹ کر دیکھتے بھی نہ تھے (کیونکہ اس کا بھی ہوش یا مہلت نہ تھی) اور رسول اللہ ﷺ تمہارے پیچھے کھڑے تم کو پکار رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو غم پر غم پہنچایا (تاکہ تم کو یہ سبق ملے کہ) جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی یا جو مصیبت تم پر واقع ہو اس سے تم غمگین نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ پھر اللہ نے اس غم کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی (یعنی) نیند کہ تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غلبہ ہو رہا تھا اور

ایک جماعت وہ تھی کہ ان کو اپنی جان کی فکر پڑ رہی تھی ۔ وہ لوگ اللہ کے بارے میں خلاف واقع خیال کر رہے تھے، اور یوں کہہ رہے تھے کہ بھلا ہمارے اختیار کی کچھ بات ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ بے شک اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ لوگ ایسی بات اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ ''اگر (قیادت میں) ہمارا بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔'' (اے رسول ﷺ!) ان سے فرما دیجئے کہ ''اگر تم اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا، وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔'' اور یہ معاملہ جو پیش آیا، یہ تو اس لئے تھا کہ جو تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اسے آزمالے، اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے۔ اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔ ''تم میں سے جو لوگ (مقابلہ کے) دن جب کہ (کافروں اور مؤمنوں) کی دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں (جنگ سے) پیٹھ پھیر گئے تو (اس کا سبب یہ تھا کہ) ان کے بعض اعمال کے سبب شیطان نے ان کو پھسلا دیا مگر پھر اللہ نے ان کو (اس غلطی پر) معاف کر دیا۔ بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا بڑا حلیم ہے۔'' ''اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو کہ کافر ہیں، جن کے عزیز و اقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں زخمی یا قتل ہوتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت و اندوہ کا سبب بنا دیتا ہے، ورنہ دراصل مارنے اور جلانے والا تو اللہ ہی ہے، اور وہ تمہارے اعمال پر نگراں ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور مغفرت تمہارے حصہ میں آئے گی وہ اس تمام مال و متاع سے بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو بالضرور اللہ کے حضور میں جمع کیے جاؤ گے۔'' ''اے رسول (ﷺ) اللہ کی رحمت سے آپ کی افتادِ طبع ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے۔ اور اگر آپ تندخو، سخت طبیعت ہوتے تو یہ سب آپ

کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ سو ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کے لئے
استغفار کر دیجئے۔ اور خاص خاص باتوں میں ان سے مشاورت کر لیا کیجئے۔
پھر جب (کسی کام کا) عزم مصمم کر لیجئے تو اللہ پر توکل کیجئے۔ بے شک اللہ کو وہ
لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے
تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ
تمہاری مدد کرے۔ اور سچے مؤمن وہی ہیں جو اللہ پر توکل کرتے ہیں۔''

غزوۂ اُحد میں کم و بیش ستر (۷۰) صحابی شہید ہوئے۔ آج بھی مدینہ سے تقریباً تین میل باہر شہداء کے آثار وقت کی گردش کو لوٹا دیتے ہیں اور چشم تصور کے سامنے اُحد کی پہاڑیوں پر وہ منظر ابھر آتا ہے جب نبی کریم ﷺ کے گرد انہیں پہاڑیوں پر چند جاں نثاروں کا وہ حلقہ تھا جس نے نبی کریم ﷺ کے تحفظ کے لئے وہ جنگ لڑی کہ کفر کی طاقتیں پیچھے ہٹ گئیں۔ ایک مرحلہ پر تو آپ ﷺ کے گرد صرف گیارہ فدائی رہ گئے تھے جن میں علی مرتضیٰ ؓ، صدیق اکبر ؓ، زبیر بن العوام ؓ، ابو دجانہ ؓ، سعد بن ابی وقاص ؓ اور حضرت طلحہ ؓ شامل تھے۔ یہیں حضرت حمزہ ؓ شہید ہوئے اور ہندہ نے ان کا کلیجہ چبایا۔ انہیں شہیدوں میں حضرت عمرو بن ثابت ؓ بھی شامل ہیں جو غزوۂ اُحد کی صبح تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن ۱۴ شوال ۳ھ کی صبح جب ایمان و کفر ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے تو عمرو کے قلب میں سویا ہوا مسلمان جاگ اٹھا۔ انہوں نے کلمہ پڑھا، ہاتھ میں تلوار لی اور میدان جنگ میں اپنے ایمان کی آزمائش یوں کی کہ درجۂ شہادت تک بامراد پہنچے۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ وہ ہے جو ایک وقت کی نماز پڑھے بغیر ہی جنت میں پہنچ گیا۔''

ع طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

جنگِ اُحد نے جاں نثاری اور حب رسول ﷺ کے جن واقعات کو جنم دیا وہ ہمیشہ ہمارے دلوں کو سرشار کرتے رہیں گے، اور آج ان پیمانوں کے مطابق ہم جب اپنے ایمان کو ناپتے ہیں تو اپنے ہلکے پن کا احساس دوچند ہو جاتا ہے۔

ایک انصار خاتون کو لوگوں نے آکر اطلاع دی کہ تیرا باپ شہید ہوا۔ بولی ''اللہ مغفرت فرمائے۔ یہ تو بتاؤ کہ سرکار دو عالم ﷺ کیسے ہیں؟'' لوگوں نے کہا کہ تیرا بھائی بھی دنیا سے گزر

گیا۔ جواب دیا کہ "اسے جنت مبارک۔ مجھے تو تم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتاؤ۔ خبر دینے والوں نے کہا کہ "تو بیوہ ہوگئی۔" وہ عفیفہ بولی۔ "میرا سہاگ دین کے راستے میں لٹ کر جاوداں ہوگیا۔ لوگو! تم نبی ﷺ کے بارے میں کیوں نہیں بتاتے۔" جب اسے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ بخیر و عافیت ہیں تو بے ساختہ الحمدللہ کہہ اٹھی۔ پھر ہادی برحق ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی کہ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے **کل مصیبة بعدک جلل**۔ اسی جملہ کو شبلی نعمانی نے اردو شعر کا قالب یوں عطا کیا ہے ۔

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

غزوۂ اُحد میں قریش کی خواتین کی شرکت اور رجز خوانی کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان عورتوں نے مسلمان شہداء کی لاشوں کے ٹکڑے کیے اور ان کے اعضائے جسمانی کو چبا کر اپنے انتقام کی آگ بجھائی۔ خواتین اسلام نے بھی غزوۂ اُحد میں شرکت کی، مگر اس شرکت کی نوعیت اور شان ہی دوسری تھی۔ دونوں گروہوں کی خواتین کے کردار سے بھی ان جماعتوں کی خصوصیات کا تشخص کیا جا سکتا ہے۔

ایک طرف ہند، سید الشہداء حمزہ ؓ کا کلیجہ چبانے کی کوشش کر رہی تھی اور دوسری طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا مشکیں سنبھالے زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ مسلمان خواتین نے شجاعت کے حیرت انگیز نمونے بھی پیش کیے۔ جب کفار کا دائرہ شمع رسالت ﷺ کے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا اور کتنے ہی مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے اور چند پروانے اس شمع کے گرد ہتھیلیوں پر اپنا سر رکھے باقی رہ گئے تھے، تو ان جاں بازوں میں حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو کفار کی یلغار کو مردانہ وار اپنی تلوار سے روک رہی تھیں۔

# اُحد سے احزاب تک

تاسیسِ ریاست کے زیرِ عنوان مدینہ آنے کے بعد یہودیوں کے ساتھ بقائے باہمی کے معاہدوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ان معاہدوں کے تحت یہودیوں کو مکمل معاشرتی، تجارتی اور مذہبی آزادی عطا فرمائی تھی، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت سے اللہ کا پیغام ان یہودیوں تک پہنچانا بھی آپ ﷺ کا فرض تھا۔ بنی اسرائیل کے واقعات اور ان کی اخلاقی و ذہنی تبدیلیوں کا ذکر کہیں اجمالاً، کہیں تفصیلاً قرآن حکیم میں بار بار ملتا ہے۔ ❶

قرآن حکیم نے واضح طور پر ہمیں بتایا ہے کہ اقوامِ عالم کی امامت کا منصب بنی اسرائیل نے کس طرح کھویا۔ یہ اللہ کے کلام کو بدل دیتے، حقائق کو جاننے کے بعد اس سے انکار کرتے، اللہ کے نبیوں کو قتل کرنا یا ان کی تکذیب کرنا ان کا شیوہ تھا۔ اور خود اس زمانے میں جب اللہ کی وحی مدینہ میں نبی اکرم ﷺ پر نازل ہو رہی تھی مدینہ کے یہود حرص، سود خوری، بدکاری جیسے امراض اخلاقی میں شدت سے مبتلا تھے۔

بات یہیں تک محدود نہ رہی۔ یہود نے ان معاہدوں پر کبھی ایک شریف فریق کی طرح عمل نہیں کیا۔ وہ اپنے دائرہ میں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کرتے رہتے۔ نبی اکرم ﷺ سے جب ملتے تو السلام علیک کی جگہ السام علیک کہتے یعنی "تجھ پر موت (بربادی) آئے۔" حضور ﷺ انتہائی تحمل سے کام لیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ علیک کہہ دیتے، یعنی "تجھ کو" اسی کے ساتھ ساتھ یہود انتہائی چالاکی سے اوس و خزرج کی پرانی عداوتوں اور دشمنیوں کو جگانے کی کوشش کرتے۔ وہ دشمنیاں جو اسلامی اخوت و محبت کے پیدا ہونے کے بعد ماضی کی کہانیاں بن گئی تھیں۔ انتہا تو یہ ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں رات کے اندھیرے میں نبی اکرم ﷺ پر حملہ نہ کر دیں، اسی لئے وہ بہت محتاط رہتے اور کوشش کرتے کہ نبی ﷺ رات کو کسی کام سے باہر تشریف نہ لے جائیں۔

---

❶ ...... ویسے بنی اسرائیل کی کہانی ماضی کا قصہ نہیں، یہ تو ایک روش حیات اور اس کے نتائج کو واضح کرنے کے لئے زندہ مثال ہے اور آج تو بنی اسرائیل کی داستان ہماری داستان ہے۔

غزوۂ بدر کے بعد بنی قینقاع نے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں سے جنگ کا آغاز کیا۔ حضور ﷺ نے اپنے رفقائے جلیل رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس قبیلے کا محاصرہ کیا۔ پندرہ دن کی قلعہ بندی کے بعد یہود نے امن کی درخواست کی جسے رحمۃ للعالمین ﷺ نے منظور فرمالیا، اور انتہا یہ کہ یہود کے کہنے سے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کی ثالثی کو بھی تسلیم کرلیا۔ ثالث کے فیصلے کے مطابق اس قبیلے کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اس غزوہ کی تاریخ شوال ۲ھ ہے۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی ''شکست'' نے ان یہود اور اسلام کے دوسرے دشمنوں کے دلوں میں چھپی ہوئی اسلام دشمنی کو جیسے نئی زندگی دے دی، اور وہ ''اسلام کے فتنہ'' کو ہمیشہ کے لئے ''کچلنے'' پر آمادہ عمل ہو گئے۔ یہ حالات سخت ضرور تھے۔ مگر اس جماعت کے لئے نہیں جس نے اُحد کی شکست کے بعد ہی ہادی برحق ﷺ کی قیادت میں فاتح دشمن کا تعاقب کیا، اور تعاقب نے دشمن کی واپسی کے ارادوں کو پست کر دیا۔ پھر بنی اسد نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کیں۔ ان کی پیش قدمی سے پہلے ہی مسلمانوں کے لشکر نے انہیں جالیا اور وہ اپنا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

لیکن کفر کی یہ سازشیں جاری رہیں۔ یہودیوں کے دوسرے قبیلہ بنو نضیر نے ربیع الاول ۴ھ میں نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ یہ قبیلہ مدینہ سے چار پانچ کوس کے فاصلے پر رہتا تھا اور اسے اپنے قلعے کی مضبوطی پر بڑا ناز تھا۔ اس قبیلے کے لوگ مشرکوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ بہت سا ساز و سامان، زمینیں اور کھجور کے باغات رکھتے تھے۔ ان کی سازش جب بے نقاب ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا، لیکن عبداللہ بن ابی نے انہیں اکسایا کہ ہرگز مدینہ نہ چھوڑنا۔ میرے دو ہزار مسلح اور تجربہ کار سپاہی تمہاری پشت پر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ جنگ چھڑتے ہی بنی قریظہ اور نجد کے لشکر تمہاری مدد کے لئے آپہنچیں گے۔ عبداللہ بن ابی کی شہ پر بنی نضیر نے اپنے قلعہ اور علاقے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ دس دن کی مدت ختم ہونے پر حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا، اور آخر وہ جلاوطنی پر آمادہ ہو گئے۔ ''حشر اول'' سے یہی جلاوطنی مراد ہے۔ ان لوگوں کو اس بات کی اجازت بھی دی گئی کہ جن چیزوں کو وہ اونٹوں پر لاد کر اپنے ساتھ لے جاسکیں، لے جائیں۔ اس پر انہوں نے اشیائے خوردنی و ضرورت کے علاوہ مکانوں کی لکڑیوں اور ستونوں کو بھی اکھیڑنا شروع کر دیا۔

یوں وہ اپنے مکانوں کو خراب کر دیتے تھے۔ جو سامان ساتھ نہ لے جا سکتے اسے بھی توڑ پھوڑ دیتے تاکہ مسلمان ان مکانوں میں نہ رہ سکیں۔ یوں اللہ نے بن نضیر کا غرور خاک میں ملا دیا۔ ان میں سے بعض خیبر کی طرف چل دیے، اور دوسروں نے شام کی راہ لی۔

سورۃ الحشر میں بنی نضیر کے خلاف اسی غزوہ سے متعلق کئی اہم نکات اور تفصیلات ہمیں ملتی ہیں۔ سورۃ حشر کی دوسری آیت میں ہی یہود کی اس جلاوطنی کو ''اول الحشر'' کہا گیا ہے۔ ❶

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ٗ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۝

''وہی تو ہے جس نے (ان) منکر اہل کتاب (بنو نضیر) کو پہلی بار اکٹھا کر کے (حشر اول کے وقت) ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور (خود) وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اُن کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے بچا لیں گے، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں سے آ لیا جہاں سے اُن کا گمان بھی نہ تھا اور اُن کے دلوں میں (ایسی) دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مومنوں کے ہاتھوں سے بھی اجاڑنے لگے سواے بصیرت والو! عبرت حاصل کرو۔'' (سورۃ الحشر ۵۹: آیت ۲)

اس ایک آیت کے دامن میں واقعہ ہی نہیں بلکہ فریقین کے فکر اور سوچ کے کئی پہلو سمٹ آئے ہیں۔ ایک طرف یہود کو اپنے قلعوں، ان کی مضبوطی اور اپنے ساز و سامان پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ بے سر و سامان جماعت خود انہیں ان کے قلعوں کے دروازوں پر آ کر للکارے گی۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ بے سر و سامان گروہ، ان کی بداعمالیوں کی سزا کے سلسلہ میں ''اللہ کا ہاتھ'' ہے اور اللہ اپنی مشیت کو ان لوگوں کے ذریعہ عمل کے قالب میں

❶ ...... دوسرا حشر وہ ہے جب یہود خیبر سے بھی شام کی طرف نکالے گئے، اسی لئے شام کو ''ارض الحشر'' کا اصطلاحی نام بھی دیا جاتا ہے، کیونکہ ان کا آخری حشر بھی یہیں ہوگا۔

ڈھالے گا۔ اور دوسری طرف خود مسلمان یہ نہ سوچ سکتے تھے کہ زمین میں اس طرح اپنی جڑیں پیوست کرنے والے یہودی یوں محاصرہ سے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیں گے اور بادِ ایمان کے ایک جھونکے ہی سے یہود کے اقتدار کا یہ تناور درخت زمین پر آ رہے گا۔

نبی اکرم ﷺ کی عسکری قیادت بھی آپ ﷺ کی سیرت کے دوسرے پہلوؤں کی طرح کامل ترین تھی۔ آپ اللہ کے نور سے دیکھتے تھے۔ بنو نضیر کے قلعوں کو درختوں کی قطاروں اور جھنڈوں نے بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ اس سے ایک طرف تو مسلمان آگے نہیں بڑھ سکتے تھے، دوسری طرف یہود کی سرگرمیاں ان کی نظروں سے اوجھل رہتیں، اور پھر کھلی اور میدانی جنگ ان درختوں کی وجہ سے ممکن نہ تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان درختوں کے ایک حصہ کو کٹوا دیا تاکہ قلعہ والوں کی سرگرمیاں بالکل پوشیدہ نہ رہ سکیں، اور انہیں دوسرے فوجی فوائد حاصل نہ ہو سکیں۔ ویسے عام حالات میں اسلامی لشکر نے کبھی درختوں یا کھیتوں کو نہ توڑا، نہ کاٹا اور نہ ان میں آگ لگائی۔ اس غزوہ میں ان درختوں کا تعلق عسکری منصوبہ سے تھا۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا ط
وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ج وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا
فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِىَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکتا تو ان کو دنیا میں بھی (قتل کی سزا) دیتا اور آخرت میں تو ان کے آگ کا عذاب (تیار) ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے اور جو کھجوروں کے تنے تم نے کاٹ ڈالے یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑے رہنے دیا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور مقصود یہ تھا کہ وہ کافروں کو رسوا کرے۔" (سورۃ الحشر ۵۹: آیات ۳ تا ۵)

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مدینہ پر بنی غطفان کے حملہ کو روکنے کے لئے پیش قدمی فرمائی۔

جب اسلامیوں کا لشکر ذات الرقاع پہنچا ❶ تو بنی غطفان کے سپاہی نقشِ حیرت بن گئے اور جب حیرت کا طلسم ٹوٹا تو بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے اور نواحی پہاڑیوں میں بکھر گئے۔ بنو نضیر کی فتح کے بعد اس فتح سے بھی مسلمانوں کو بہت مالِ غنیمت ملا۔ اور یوں مدینہ کے معاشرہ کی معاشی حالت بہتر ہونے لگی۔ انصار پر مہاجرین کی ذمہ داری کا جو بوجھ تھا وہ ختم ہونے لگا۔

جنگِ اُحد سے لوٹتے وقت اپنی فتح کے نشے میں سرشار ابوسفیان نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ ''اگلے سال پھر بدر کے میدان میں'' اور نبی اکرم ﷺ نے اس کے جواب میں ایک صحابی سے کہلوایا ''ٹھیک ہے'' شعبان ۴ھ میں سرکارِ دوعالم اور اللہ کی فوج کے سپہ سالارِ اعظم ﷺ پندرہ سو شہادت کے متمنی مجاہدوں کے ساتھ بدر پہنچ گئے۔ ابوسفیان مکہ سے تو نکل پڑا مگر وادی فاطمہ سے آگے قدم نہ بڑھے۔ نبی کریم ﷺ نے آٹھ دن کے انتظار کے بعد مدینہ مراجعت فرمائی۔

ربیع الاول ۵ھ میں حضور ﷺ نے عرب و شام کے سرحدی مقام الجوف کی طرف پیش قدمی فرمائی تاکہ اس اہم تجارتی شاہراہ کو ان لٹیروں اور ڈاکوؤں کی دست برد سے محفوظ کر دیا جائے جن کا صدر مقام یہی جگہ تھی۔ الجوف (قدیم نام دومۃ الجندل) کے لٹیرے قبیلے مقابلہ کئے بغیر ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان پیش قدمیوں اور تدابیر نے اُحد کے بعد اسلام کی طاقت کو پھر مستحکم کیا، اور یوں کہ کفر کی طاقتوں نے اس طاقت کے خلاف نبرد آزمائی کے لئے اپنی تمام قوتیں جمع کرنی شروع کر دیں، اور اس طرح غزوۂ احزاب کی بنا پڑی۔

علامہ شبلی نعمانی نے غزوۂ مریسیع (غزوۂ بنی مصطلق) کو غزوۂ احزاب سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے۔ لیکن بہت سے تاریخی قرائین اور واقعات کی شہادت کے مطابق محمد ابن اسحاق کی یہ روایت درست معلوم ہوتی ہے کہ غزوۂ بنی المصطلق ❷ غزوۂ احزاب کے بعد پیش آیا۔ ان واقعات و قرائن میں واقعۂ افک کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

❶ ...... صحیح بخاری کے مطابق یہ غزوۂ احزاب کے بعد ہوا۔

❷ ...... تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن۔ جلد سوم صفحات ۳۰۶ اور ۳۰۷ (تمہید سورۃ النور)

# غزوۂ احزاب

۵ھ ہجری میں غزوۂ احزاب پیش آیا۔ اردو میں اسے عام طور پر غزوۂ خندق کہتے ہیں۔ یہ دونوں نام اس جنگ کے دو مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس جنگ میں کفر کی تمام طاقتیں اور گروہ مسلمانوں کے خلاف ایک مرکز پر جمع ہو گئے تھے۔ ''غزوۂ احزاب'' کا نام بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ اور چونکہ حضرت سلمان فارسی ؓ کی رائے سے اس غزوہ میں مدینہ کی حفاظت کے لئے خندق کھودی گئی تھی، اسی لئے اسے غزوۂ خندق کا نام بھی دیا گیا۔

غزوات سے متعلق گزشتہ دو ابواب میں مختصراً جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ اس سے پوری طرح یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کفر کے جھکڑ اسلام کے چراغ کو بجھانے کے لئے مسلسل بڑھتے رہے، لیکن اللہ کے نگہبان ہاتھوں نے اس کی تمام کائناتی قوتوں کے ساتھ چراغ کو روشن رکھا۔

مدینہ کے یہود کی مسلسل شرارتوں اور سازشوں کی طرف گزشتہ سطور میں اشارے کئے گئے ہیں۔ غزوۂ بدر میں اسلام کی فتح نے یہود کی دشمنی کو اور آشکار کر دیا اور وہ ان تمام معاہدوں کو بھول گئے، جو بقائے باہمی کے لئے نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ کئے تھے۔ ویسے یہ بات متوقع تھی، کیونکہ یہود کی تاریخ، روایات اور کردار اس پر شاہد ہیں کہ وہ انبیائے کرام کو قتل کرتے رہے، ان کی تکذیب کرتے رہے اور زمین پر فساد پھیلاتے رہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ بھی ان کا رویہ یہی تھا۔ قرآن حکیم نے یہود کے برتاؤ اور ان کی سازشوں کو دو مختصر آیات میں یوں سمیٹ لیا ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞
الَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ
مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۞

''بلاشبہ بدترین خلائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کافر لوگ ہیں تو یہ کسی طور ایمان نہ لائیں گے جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے (کئی بار) عہد لے چکے

ہیں مگر پھر بھی وہ ہر بار (اور ہر موقع پر) اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (عہد شکنی سے) ڈرتے نہیں۔'' (سورۃ الانفال: آیات ۵۵۔۵۶)

یہود نے معاہدہ تو کرلیا تھا مگر وہ غزوۂ بدر سے پہلے ہی قریش کے ساتھ خفیہ رابطہ قائم کر چکے تھے۔ بدر میں قریش کی شکست کے بعد یہودیوں کا ایک رئیس اور رہنما کعب بن اشرف ماتم کرتے ہوئے چلا اٹھا کہ ''آج زمین کا پیٹ ہمارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔'' وہ اس شکست کی دید پر موت کو ترجیح دیتا تھا۔ کعب شاعر بھی تھا اور ایسا شاعر جو لوگوں کے جذبات میں ہیجان پیدا کرسکتا تھا۔ اس نے کشتگان بدر کے مرثیے لکھے اور ان کے پرسے کیلئے مکہ گیا۔ واپسی پر اس نے یہاں تک جسارت کی کہ مدینہ کی اسلامی سلطنت کے نواح میں بیٹھ کر اس نے برملا اور اعلانیہ فخر بنی آدم ﷺ سے متعلق ہجویہ شعر کہنے شروع کئے۔ پھر اس نے ذات رسالت مآب ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو اسے بغاوت کے جرم میں قتل کردیا گیا۔

یہ بات ایک فرد تک محدود نہ تھی۔ یہود مدینہ نے مسلمانوں کی حمیت کو یہاں تک للکارا کہ مسلمان عورتوں کی ردائے ناموس کی طرف ہاتھ بڑھانے کی جرأت کی۔ ۲ ھ بنی قینقاع کا محاصرہ اسی سلسلہ میں کیا گیا تھا۔

قریش مکہ کی اسلام دشمنی کے سلسلہ میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جب مدینہ کے یہودیوں کے ایک بڑے حصہ کو جلاوطن کیا گیا تو بنونضیر کے بااثر رہنما اور اکثریت نے خیبر میں قدم جمائے۔ ان لوگوں نے قریش سے رابطہ قائم کیا۔ ایک بڑی عسکری منصوبہ بندی (GRAND STRATEGY) کی تفصیلات کے تعین کے لئے بنونضیر کے ممتاز افراد سلام بن الحقیق، حیی بن اخطب وغیرہ مکہ معظمہ گئے۔ وہاں سے واپسی پر مختلف قبائل کا دورہ کیا اور انہیں سمجھایا کہ یہی وقت مسلمانوں پر ایک فیصلہ کن حملے کا ہے ورنہ مسلمان ہر آنے والے دن کے ساتھ زیادہ طاقتور ہوتے جائیں گے۔ ان لوگوں نے غطفان کے قبیلے کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے خیبر کے آدھے محاصل کی ادائیگی کی پیشکش کی۔ اسی طرح بنواسد، بنوسعد اور بنو سلیم وغیرہ دوسرے قبیلے بھی ان کے حلیف اور اتحادی بنتے گئے۔ یوں مختلف قبیلوں کے لشکر ایک متحدہ کمان کے تحت آگئے۔ اس متحدہ کمان کا سالار اعظم ابوسفیان تھا۔ اس لشکر کی مجموعی

تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی۔ اتنا بڑا لشکر عرب میں اس سے پہلے غالباً کسی بھی موقع پر مجتمع نہیں ہوا تھا۔

مشرکین عرب کی تمام تیاریوں کی خبریں نبی اکرم ﷺ کو برابر مل رہی تھیں۔ اللہ اپنے رسول ﷺ کو کس طرح باخبر رکھتا ہے، یہ بات ہمارے دائرہ ادراک سے ماوراء ہے، لیکن چونکہ رسول ﷺ کے اعمال کا اس کی امت سے گہرا تعلق ہوتا ہے اسی لئے یہ نکتہ سامنے رکھنا چاہئے کہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خبریں مختلف ذرائع سے مل رہی تھیں۔ ان خبروں کے بھیجنے والوں میں ان قبیلوں کے وہ لوگ بھی تھے جو اپنے طور پر اسلام قبول کر چکے تھے، یا اس دین سے متاثر ہو چکے تھے، اور خود نبی کریم ﷺ خبریں حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو اطراف میں بھیجا کرتے تھے۔ جب مشرکین کی تیاریوں کی پوری اور مصدقہ اطلاعات مل گئیں تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی ؓ نے خندق کھودنے کی رائے دی۔ یہ عسکری تدبیر اہل عرب کے لئے بالکل نئی چیز تھی، اور شہر کے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت موثر۔ پھر اُحد کے تجربے کے بعد شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا سوال نہ تھا۔

مدینہ پر شمال مغربی سمت ہی سے حملہ کیا جا سکتا تھا، اسی لئے اس جانب سے خندق کی کھدائی شروع کی گئی۔ یہ وہی رخ تھا جدھر سے شام کے لئے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ جنوبی رخ گھنے باغات اور مشرقی رخ لاوے کی چٹانوں کی وجہ سے محفوظ تھا۔

وہ معمار اعظم جس نے مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر میں عملی طور پر حصہ لیا تھا اور پتھر اٹھائے تھے، آج پھر اپنے تین ہزار رفیقوں کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مصروف تھا۔ اسلامی ریاست کے دفاع میں لشکر اسلام کا سالار اعظم ﷺ عام مسلمان کی طرح مصروف تھا، بلکہ عام مسلمانوں سے کہیں زیادہ مشقت اس نے اپنی جان کے لئے چنی تھی۔ ۸ ذی قعدہ ۵ ہجری کو آنحضرت ﷺ نے خندق کی حد بندی کی۔ یہ خندق جس کی گہرائی پندرہ فٹ رکھی گئی تھی، شبلی کے بقول بیس دن میں مکمل ہوئی۔ لیکن دوسری تاریخی شہادتوں کی بنا پر اللہ کے رسول ﷺ اور اس کے رفقاء نے صرف چھ دن میں یہ دفاعی خط زمین کے سینہ میں پندرہ فٹ کی گہرائی تک کھینچ دیا تھا۔ یہ تھی وہ جماعت جس کے عمل بھی مشرکین کے لئے معجزے کی مثال حیرت انگیز اور حیران کن تھے۔ اور وہ بھی کس عالم میں؟ رسد اور اجناس کی کمی کی وجہ سے اللہ کے ان سپاہیوں کے پیٹ پر پتھر بندھے تھے تاکہ قد خط مستقیم کی صورت کھینچے رہیں اور جھکاؤ نہ پیدا ہو۔ اور پیٹ پر

بھوک کے عالم میں ان پتھر باندھنے والوں میں سرور کائنات حضرت خیر البشر ﷺ بھی شامل تھے۔ایک طرف تو فاقوں کا یہ عالم اور دوسری طرف نبوت کی ضرب کی یہ کیفیت کہ۔

''پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی۔ کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔آپ ﷺ نے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودۂ خاک تھی۔ ❶

کفار کا لشکر جب سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا مدینہ کے ساحل تک پہنچا تو یہاں خندق نظر آئی۔ یہ صورت حال قریش اور ان کے حلیفوں کے لئے بالکل نئی اور غیر متوقع تھی۔اب وہ مدینہ کا محاصرہ کرنے پر مجبور ہوگئے۔ وہ طویل عرصے تک محاصرہ کے لئے تیار ہو کر نہ آئے تھے۔رسد کے مسئلے کے علاوہ ایک اور اہم مسئلہ یہ تھا کہ موسم شدت اختیار کر رہا تھا۔سردی بڑھ رہی تھی، اور اس لشکر کے سپاہی سردیوں کے لباس اور ضروریات سے ''لیس'' ہو کر نہ آئے تھے۔

مدینہ اسلام کا قلعہ تھا......شہر میں ہنگامی حالات کی پوری شدت محسوس کی جا سکتی تھی۔ خواتینِ اسلام کو ان قلعوں میں بھجوا دیا گیا تھا جو بنی قریظہ کے علاقے سے قریب تھے۔اس یہودی قبیلہ سے مسلمانوں کا ''دوستی'' کا معاہدہ تھا، صرف دوستی ہی کا معاہدہ نہیں بلکہ حملہ کی صورت میں مدینہ کے مشترکہ دفاع کا معاہدہ تھا۔

ابوسفیان اور اس کے مشیروں نے پوری صورت حال کا جائزہ لیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مدینہ پر حملہ کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ بنوقریظہ کو کسی طرح توڑ لیا جائے اور اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔

بنوقریظہ پر اثر ڈالنے کی سب سے مؤثر صورت یہی ہو سکتی تھی کہ قریش کے حلیف قبیلہ یہودی قبیلہ بنونضیر کے اکابر کو اس کام پر آمادہ کیا جائے۔بنونضیر کا سردار حیی بن اخطب قریش کا سفیر بن کر بنوقریظہ کے پاس پہنچا۔ پہلے تو بنوقریظہ نے تذبذب کا اظہار کیا اور کہا کہ آخر ہم کس بنیاد پر معاہدے کی خلاف ورزی کریں، لیکن حیی بن اخطب نے اپنی فصاحت اور سیاست کے جادو سے بنوقریظہ کو عہد شکنی پر آمادہ کر ہی لیا۔بنوقریظہ نے بھی سوچا کہ آج عرب کی متحدہ قوت مسلمانوں کی سیادت کو ختم کرنے اور اس نظام اور دین کو ختم کرنے کے لئے مدینہ پر اُمڈ آئی

---

❶......شبلی نعمانی۔سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۴۴۳ (بحوالہ صحیح بخاری)۔

ہے۔ کیوں نہ اس قوت کو اور بڑھا دیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ اس نئی صورت حال سے پوری طرح باخبر تھے۔ آپ ﷺ نے معاملہ فہمی بلکہ ''اتمامِ حجت'' کے لئے حضرت سعد بن معاذ ؓ، حضرت سعد بن عبادہ ؓ اور انصار کے دوسرے اکابر کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا۔ ماضی میں انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل کرنے اور ان کی تکذیب کرنے والی اس جماعت نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ کہا کہ ''لا عقد بیننا و بین محمد ولا عهد'' ''ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان کوئی عہد ہے اور نہ کوئی معاہدہ''

اب لشکر کفار میں اور اضافہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ قلعے اور گڑھیاں محفوظ نہ رہیں جن میں مسلمان خواتین کو حفاظت کے خیال سے بھیجا گیا تھا۔ مزید برآں جب یہ خبر عام ہوئی تو مسلمانوں کے ایک حلقہ میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ اس اضطراب کی چنگاری کو منافقوں کی خبثِ نفس کی پھونکوں نے اور ہوا دی، اور وہ کھلے بندوں کہنے لگے کہ ''یارو! اب قریش سے اپنا معاملہ درست کرلو، اور دیکھو تو فتح و نصرت اور کشور کشائی کے خواب تو کہاں، اب تو محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ میں بھی پناہ ملنی مشکل ہے۔ یوں اس صورت حال نے ایک بار پھر جماعت مؤمنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔

اس گھڑی، جب مدینہ کے چاروں طرف کفر کے اندھیرے بادل اندھیریوں کو اپنی گود میں لئے ہوئے چھا گئے تھے، وہ جو ایمان کے نور سے اشیا پر نظر ڈالتے تھے مطمئن تھے کہ اللہ کا رسول ﷺ ان کے درمیان ہے، اور اس دار السلام کی نگہبانی اس کے ذمہ ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ یوں یہ آزمائش اور کڑا وقت بھی مسلمانوں کے استحکام کا سبب بنا۔

اس استحکام اور استطاعت کا اندازہ ایک واقعہ سے پوری طرح ہو سکتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے قلب میں اگر بیقراری کی لہر پیدا ہوتی تھی تو انصار کی مشکلوں کو دیکھ کر۔ آپ ﷺ نے بنی غطفان سے مدینہ کی ایک تہائی پیداوار کے عوض معاہدہ کرنا چاہا تا کہ کفار میں پھوٹ پڑ جائے اور انصار پر کوئی سخت گھڑی نہ آئے۔ اس مرحلہ پر حضرت سعد بن عبادہ ؓ، حضرت سعد بن معاذ ؓ اور دوسرے اکابر انصار ؓ نے کہا۔

''اے ہادی برحق! اگر آپ کی تجویز وحی الٰہی پر مبنی ہے تو سرِ تسلیم و رضا خم ہے۔ لیکن اگر آپ ہماری خاطر یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو اے اللہ کے رسول (ﷺ)! جب ہم مشرک تھے اس وقت

بھی کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ ہم سے خراج طلبی کرتا۔ اور اب تو ہم مسلمان ہیں۔ صرف اللہ کے محکوم۔ اب کس میں اتنی مجال ہے کہ ہم سے باج لے سکے۔ ہمارے اور ان کے درمیان صرف تلوار فیصلہ کرے گی۔" یہ سن کر قلب نبوت کو سکون ملا اور گوشہائے چشم میں آنسوؤں کے ستارے چمکنے لگے۔ وہ ستارے جو مسرت کے پیامی تھے۔ اور پھر حضرت سعد بن معاذ ؓ نے معاہدے کے مسودے کو چاک کر دیا۔

تین طرف سے مدینہ پر حملہ کیا گیا اور یوں کہ "زمین دہل اٹھی"۔ جس دن عام جنگ شروع ہوئی تو ایک مقام پر جہاں خندق زیادہ چوڑی نہ تھی قریش کے کچھ شہسواروں نے خندق کو عبور کر لیا، لیکن موت ان کا مقدر تھی۔ بہر حال یہ ایک سخت دن تھا۔ مسلسل تیر برس رہے تھے اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ حملہ کی سختی کے اندازے کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی چار نمازیں قضا ہوئیں، جبکہ میدانِ جنگ میں نمازِ قصر ادا کی جاتی ہے اور سمت قبلہ کی شرط بھی نہیں ہوتی۔

یوں محاصرہ کو پچیس دن گزر گئے۔ اس مدت میں موسم کی سختیاں کفار کے لئے عذاب بن گئیں۔ پھر رسد کی کمی۔ اس پر اضافہ کیجئے، اس نفسیاتی حقیقت کا کہ جو موقع پرست قریش کے اُکسانے پر اس معرکے میں شریک ہوئے تھے ان کی موقع پرستی نے اب ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ قریش سے بددل ہونے لگے۔ پھر قریش و یہود میں اسلام دشمنی کے علاوہ اور کیا چیز مشترک تھی؟ نعیم بن مسعود جو قبیلہ غطفان سے تعلق رکھتے تھے، در پردہ مسلمان ہو چکے تھے، انہوں نے اپنی سیاست سے بنو قریظہ اور قریش کے درمیان شکوک اور شبہات پیدا کر دیئے جو جنگ کے دوران ہمت شکنی کے لئے کافی تھے۔

سورج طلوع ہوتا رہا اور ڈوبتا رہا۔ محاصرہ کو پچیس دن گزر گئے اہلِ ایمان نے اپنی استقامت کا پورا پورا ثبوت دے دیا۔ اب عسکرِ الٰہی اور جنود الٰہی کی باری تھی۔ مسلمانوں نے اپنے آپ کو نصرتِ الٰہی کا مستحق ثابت کر دیا۔ اور پھر ایک رات اللہ کا لشکر آندھی کی صورت میں قریش و یہود اور ان کے حلیفوں پر ٹوٹ پڑا۔ آندھی کے جلو میں کڑک اور بجلی کی چمک کے دستے تھے اور سردی کی فوج نے دشمن کے قلب میں لرزش پیدا کر دی۔ اندھیرے نے گوریلا دستہ کی خدمات انجام دیں۔ تیز آندھی میں خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ افراتفری کا وہ عالم پیدا ہوا کہ

کوئی بھی اپنے آپ کو کسی کے مشورے یا حکم کا پابند نہیں سمجھ رہا تھا خوف کا غلبہ ایسا شدید ہوا کہ راتوں رات یہ منظم لشکر بے ترتیب بھگوڑوں کے ہجوم میں بدل گئے اور جب صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ میدان صاف ہے۔ اور اس وقت یہ آواز اُبھری۔

''اس سال کے بعد اب قریش والے تم پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ اب تمہارے لشکر ان کی طرف یلغار کریں گے۔''

یہ امین و صادق ﷺ کی آواز تھی۔ وہ آواز جو وقت کے پردوں کو چاک کر کے مسلمانوں کو مستقبل کی چہرے کی زیارت کرا رہی تھی۔

سورۃ الاحزاب کے دوسرے اور تیسرے رکوعوں میں غزوۂ الاحزاب کو اللہ تعالیٰ نے اس انداز سے پیش کیا ہے، جو اللہ کا حق اور اسلوب ہے۔ اجمال میں تفصیلات کے خزائن اور واقعاتی پیش کش کے ساتھ ربانی تبصرے، اور دلوں کے رازوں کو سامنے لاتے ہوئے منافقوں کی گرفت اور اتمامِ حجت۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَآءَتۡکُمۡ جُنُوۡدٌ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا وَّ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرًا ۚ اِذۡ جَآءُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ وَ مِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ وَ اِذۡ زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ وَ بَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا ۞ هُنَالِکَ ابۡتُلِیَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا ۞ وَ اِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا ۞

• وَ اِذۡ قَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ یٰۤاَهۡلَ یَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمۡ فَارۡجِعُوۡا ۚ وَ یَسۡتَاۡذِنُ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمُ النَّبِیَّ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ بُیُوۡتَنَا عَوۡرَةٌ ؕ وَ مَا هِیَ بِعَوۡرَةٍ ۚ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡنَ اِلَّا فِرَارًا ۞ وَ لَوۡ دُخِلَتۡ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ اَقۡطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الۡفِتۡنَةَ لَاٰتَوۡهَا وَ مَا

تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ○ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ
لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ط وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ○ قُلْ لَّنْ
يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا
تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ
اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ط وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ
مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ج وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ
اِلَّا قَلِيْلًا ○ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ج فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ
الْمَوْتِ ج فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ
اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ط اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ
اَعْمَالَهُمْ ط وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ يَحْسَبُوْنَ
الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ج وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا
لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ط
وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ○

''اے ایمان لانے والو! اللہ تعالیٰ کا (وہ) انعام اپنے اوپر یاد کرو جو (ابھی ابھی) اُس نے تم پر کیا ہے، جب تم پر فوجیں چڑھ آئیں تو ہم نے اُن پر ایک (سخت) آندھی بھیجی اور ایسے لشکر (نازل کیے) جو تم کو نظر نہیں آتے تھے، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا، جب وہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے تھے اور جب کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں تھیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ (ہاں یہ وہ وقت تھا جب) ایمان والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا دیے گئے۔

''(یاد کرو وہ وقت) جب کہ منافق اور دل کے روگ میں مبتلا (صاف صاف) کہنے لگے کہ ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے جو وعدے کئے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے اور اُن میں سے ایک جماعت نے کہا کہ ''اے یثرب والو! تمہارے لئے اب ٹھہرنے کا موقع نہیں، سو پلٹ جاؤ'' اور اُن میں سے ایک گروہ نبی ﷺ سے یہ کہہ کر (رخصت ہونے کی) اجازت مانگنے لگا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں (اور خطرے میں ہیں) حالانکہ وہ خطرے میں نہیں تھے، وہ لوگ تو (دراصل محاذِ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے، اگر شہر کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور اُس وقت ان لوگوں کو فتنے کی طرف دعوت دی جاتی تو یہ لوگ شریکِ فتنہ ہو جاتے اور اُنہیں مشکل ہی سے اس باب میں کوئی تامل ہوتا، حالانکہ ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا جاتا ہے اُس کی بازپُرس ہوگی۔ (اے نبی ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو تو یہ فرار تمہارے لئے کچھ بھی فائدہ مند نہ ہوگا اور اس حالت میں زندگی سے لُطف اندوز ہونے کا تھوڑا ہی موقع تمہیں مل سکے گا، یہ بھی فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو نقصان پہنچانا چاہے تو کون تم کو اس سے بچا سکتا ہے؟ یا اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے تو کون اُس کی رحمت کو روک سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تو یہ لوگ کوئی حامی و مددگار نہیں پا سکتے۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو (لوگوں کو جنگ میں شرکت سے) منع کرتے ہیں (اور رکاوٹیں ڈالتے ہیں) اور اپنے (نسلی یا وطنی) بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ''آؤ ہماری طرف'' یہ لوگ لڑائی میں حصہ لیتے بھی ہیں تو بس نام گنانے کو اور تمہارا ساتھ دینے میں بخل (اور پہلوتہی) کرتے ہیں سو جب خطرے کا وقت آتا ہے تو اس طرح دیدے پھرا پھرا کر تمہاری طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تیز زبانوں کے ساتھ تمہارے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں اور مال میں بخل کرتے ہیں (اور فائدوں کی طمع کرتے ہیں)۔ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں

لائے، اسی لئے اللہ نے ان کے سارے اعمال بیکار کر رکھے ہیں۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بہت آسان ہے۔ یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آور ابھی گئے نہیں ہیں اور اگر (بالفرض) یہ (گئے ہوئے) لشکر (پھر لوٹ کر) آ جائیں تو (پھر تو) یہ لوگ (اپنے لئے) یہی پسند کریں کہ کاش ہم دیہاتوں جا رہیں (اور اگر) تمہارے حالات (وہیں سے) پوچھتے رہیں۔ اور اگر تمہارے درمیان رہیں بھی تو لڑائی میں برائے نام حصہ لیں۔'' (سورۃ الاحزاب: آیات ۹ تا ۲۰)

ان آیات میں آندھی کی صورت فوجِ الٰہی کی آمد و اعانت کا ذکر بھی ہے اور جنگ کے شریک گروہوں کے افکار و کردار کا تجزیہ بھی۔ قرآن حکیم نے منافقوں کے کردار و گفتار کو جس طرح پیش کیا ہے اس کا ایک خوبصورت اور بے مثال نمونہ منافقین کے ایک گروہ کے اس قول کو دہرانا ہے۔ ''یا ھل یثرب لا مقام لکم فارجعوا''۔ ہجرت نبوی ﷺ نے یثرب کو مدینۃ النبی بنا دیا تھا، اور منافقوں کا یہ گروہ اہل مدینہ کو ''اہل یثرب'' کہہ کر اپنے اندازِ فکر کا اظہار خود کر رہا ہے۔ پھر ''فارجعوا'' کی تاویل پرسش کے وقت یہ گروہ یوں کر سکتا تھا کہ ''ہم نے تو اہل یثرب کو شہر کی طرف پلٹ جانے کا مشورہ دیا تھا۔'' حالانکہ ''فارجعوا'' میں انہوں نے اسلام دشمنی کو سمو دیا تھا، یعنی دین آباء کی طرف لوٹ چلو۔

''ہمارے گھر خطرے میں ہیں۔'' (ان بیوتنا عورۃ) یہ ''صورت حال'' بنو قریظہ کی عہد شکنی کے بعد پیدا ہوئی۔ مگر یہ قول بھی محض فریب تھا، اور اس کا مقصد مسلمانوں میں بددلی پیدا کرنا تھا، کیونکہ محاذِ جنگ کی منصوبہ بندی سے لے کر گھروں کی حفاظت تک۔ ہر مسئلہ اجتماعی اور سب کا مسئلہ تھا اور تمام مسائل کی ذمہ داری اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔

اور اس کے بعد اللہ نے ان کی آرزؤں اور خواہشوں کا پردہ چاک فرمایا ہے کہ یہ لوگ تو وہ ہیں کہ اگر کفار کے قدم مدینہ کی خاک آسماں مرتبت پر پہنچ جاتے تو یہ لوگ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتے۔ پھر یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی تو جنگ اُحد میں اپنی منافقت کے اظہار کے بعد مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اللہ سے یہ عہد کر چکے تھے کہ آئندہ معرکۂ حق و باطل میں ثابت قدم رہیں گے، کبھی راہ فرار اختیار نہ کریں گے اور پیٹھ نہ پھیریں گے۔ اللہ نے غزوۂ احزاب میں آزمائش کی گھڑیوں کے ذریعے ان کے عہد کے

بودے پن کو آشکار کر دیا۔

عہد کے بودے پن اور نا حکمی کے علاوہ ان کی سیرت کی نہج، اندازِ فکر اور اقدارِ حیات، کون سی چیز تھی جو واضح نہ ہو گئی ہو۔ یہ وہ لوگ تھے جو زندگی اور موت کو مقدر جاننے کی جگہ فرار کو موت سے بچنے کی سبیل سمجھتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کی لذتوں اور نفس شماری کو راہِ الٰہی میں جہاد سے بہتر سمجھتے تھے۔

ایک طرف تو یہ گروہ اپنی خصوصیات و کردار کے ساتھ بے نقاب ہو گیا، اور دوسری طرف سچے مسلمانوں کا کردار آزمائش کی اس ساعت میں یوں نکھر کر سامنے آ گیا جیسے بارانِ رحمت کے بعد درختوں کے دھلے ہوئے پتے۔ ایک ہی سے حالات میں ایک گروہ اللہ اور رسول ﷺ کے وعدوں کو فریب قرار دینے لگا اور دوسرا گروہ بارش ناوک میں پکار اٹھا کہ ”لو وعدے کی گھڑی آ گئی۔ مبارک ہو۔“

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ز وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ۙ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ۚ

”اور جب مومنوں نے (حملہ آور) لشکروں کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی تھی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات سچی تھی اور اس (واقعہ) سے اگر اضافہ ہوا تو صرف اُن کے ایمان اور اطاعت میں، ان ایمان لانے والوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا ان میں سے کوئی تو اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت کا منتظر اور مشتاق ہے انہوں نے اپنے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی (اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا) کہ اللہ سچے مسلمانوں کو ان سے سچ

کا صلہ دے، اور منافقوں کو چاہے تو سزا دے، اور چاہے تو ان کی توبہ قبول فرمالے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے"۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳: آیات ۲۲ تا ۲۴)

یہ تھے ایک ہی شہر میں، ایک ہی ماحول میں، ایک ہی نظام کے تحت زندگی گزارنے والے دو گروہ۔ ایک وہ روگی کہ جو دس بارہ ہزار حملہ آوروں کو دیکھ کر اللہ کے وعدۂ نصرت اور رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں کو "سراب" سمجھنے لگے۔ دوسرے وہ کہ جنہوں نے لشکرِ کفار کے سیلِ رواں کو دیکھ کر یہ جان لیا کہ ان وعدوں کے فتح یاب کا وقت آ پہنچا ہے۔ مستقبل کی ان فتوحات کا مقدمہ آج لہو کی روشنائی سے لکھا جائے گا جب قیصر کسریٰ کی مملکتوں کی حدیں حصارِ دین میں آ جائیں گی۔ انہیں معلوم تھا کہ اقوامِ عالم کی پیشوائی اور جنت میں قیامِ خلد کے لئے کن کڑی منزلوں اور جان لیوا مرحلوں سے گزرنا ہوگا۔ اور ان مرحلوں کی نشاندہی تو اللہ نے واضح الفاظ میں کر دی تھی۔ ایک بار نہیں بار بار۔ اور کیسے مرحلے کہ اقوامِ سابقہ کی تاریخ شاہد ہے کہ رسول اور اہلِ ایمان ہلا ہلا دیئے گئے، جیسے زندگی ایک زلزلہ بن گئی ہو۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝

"کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ بس جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات (ومصائب) نہیں گذرے ہیں جو تم سے پہلے اہلِ ایمان پر گزر چکے ہیں ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں اور وہ ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ (اس زمانہ کے) رسول اور وہ اہلِ ایمان جو اُن کے ساتھ تھے پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ تعالیٰ کی نُصرت ومدد۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت قریب ہی ہے"۔ (سورۃ البقرہ: آیت ۲۱۴)

# غزوۂ بنی قریظہ سے واقعہ افک تک

اللہ کی بھیجی ہوئی فوج (ہوا) نے دشمنوں کے خیمے اکھاڑ پھینکے اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ''جب صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ میدان صاف ہے اور اس وقت یہ آواز ابھری کہ اس سال کے بعد اب قریش والے تم پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ اب تمہارے لشکر ان کی طرف یلغار کریں گے۔''

اس فتح کے بعد نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں مسلمان مدینہ اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹے سورج آسمان کی بلندیوں تک پہنچ کر اب مغرب کی طرف اپنے سفر کا آغاز کر ہی رہا تھا کہ ظہر کے وقت جبریل امین نے حکم ربانی رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا اور حضور ﷺ نے اس حکم کے ملتے ہی مجاہدوں سے فرمایا کہ ''سمع واطاعت کا تقاضا ہے کہ اب صلوٰۃِ عصر دیارِ بنی قریظہ میں ادا کی جائے۔''

قریظہ والے عہد شکنی اور دشمن کی امداد کے جرائم کے مُرتکب ہو چکے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ اب بھی ان سے مذاکرات کے لئے آمادہ تھے، لیکن بنو قریظہ نے بات چیت کے ہر امکان کو ختم کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جب ہراول دستہ کے ساتھ (ان کے قلعوں) تک پہنچے تو انہوں نے سرکارِ دوجہاں ﷺ کو برا بھلا کہہ کر اور گالیاں بک کر سفیر رسول ﷺ کا استقبال کیا۔

جب یہود نے اسلامی لشکر کے دوسرے دستوں کی آمد دیکھی تو حالات کی سنگینی کا احساس ہوا، مگر اب کسی سمجھوتہ کی گنجائش نہ رہی تھی۔ لشکرِ اسلام نے ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ دو تین ہفتوں کے محاصرہ کے بعد بنی قریظہ نے اپنے آپ کو اس شرط پر مسلمانوں کے حوالہ کر دیا کہ ان کے معاملے میں حضرت سعد بن معاذ ؓ کو فیصلہ دینے کا حق دیا جائے۔ اس شرط کا سبب یہ تھا کہ اسلام سے پہلے بنی قریظہ کے حلیف اوس کا سردار اس پرانے رشتہ کی لاج رکھ لے گا۔

حضرت سعد بن معاذ ؓ نے انتہائی حکمت اور تدبر اور یہودیوں کے مذہب کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ تورات کے مطابق کیا کہ تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور املاک تقسیم کر دی جائے۔

اس فیصلہ پر اعتراض کرنے والے غیر مسلم مؤرخین کا اعتراض دراصل تورات پر ہے۔ خود

بنی قریظہ ذہنی طور پر اس فیصلہ کے لئے تیار تھے، ویسے مسلمانوں کی نرم دلی سے یہ امید بندھی تھی کہ شاید انہیں بھی بنوقینقاع اور بنونضیر کی طرح جلاوطنی کی سزا دی جائے۔

بنوقریظہ پر حضور سرورِ دیں ﷺ کی احسانات کا جائزہ تو لیجئے۔ آپ ﷺ نے ان کا مرتبہ بنونضیر کے برابر کر دیا تھا حالانکہ اس سے پہلے وہ بنونضیر کے مقابلہ میں سماجی اور قانونی طور پر کم رتبہ تھے۔ آپ ﷺ نے بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد بنوقریظہ سے معاہدہ کی تجدید فرمائی تھی اور انہیں ہم رُتبہ حلیف کا مرتبہ دیا تھا۔ اس کے بدلہ میں بنوقریظہ نے عہد شکنی کی، غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی پُشت میں خنجر گھونپنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ان قلعوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا جب میں امہات المومنین اور مسلمان عورتیں حفاظت کے لئے منتقل کی گئی تھیں۔

محاصرہ بنی قریظہ کے دوران آپ ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح فرمایا۔ اس واقعہ پر اسلام کے مخالفوں نے اپنے خبث نفس اور فساد باطن کی ایسی رنگ آمیزی کی ہے کہ سیرت نبی کریم کا مطالعہ کرنے والے بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں بھی شبہ کا ہلکا سا غبار عارضی طور پر چھا جاتا ہے۔ یہ کیفیت اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ اس واقعہ پر اس زمانے کے احوال و کوائف پر روشنی میں نظر نہیں ڈالی جاتی۔ اگر سیاسی اور سماجی حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو حضرت زینب ؓ سے حضور ﷺ کا نکاح اور واقعۂ افک دونوں اللہ کی حکمت بالغہ کے شہکار نقوش کی طرح ابھرتے ہیں جنہوں نے ایک طرف مؤمنوں کے دلوں میں نقش ایمان کو چمکا کر خورشید صفت بنا دیا اور دوسری طرف منافقوں اور کمزور ایمان والوں کا روگ نظر کے سامنے آ گیا۔ غزوۂ اُحد سے غزوۂ احزاب و بنی قریظہ تک۔۔۔ دو سال کی مدت آزمائشوں سلسلہ غزوات، مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور قرآن کے معاشرتی احکام و قوانین کے نفاذ کا دور ہے۔

اُحد کے بعد مخالفین اسلام نے مدینہ کی اسلامی ریاست کو ختم کرنے کی کون سی کوشش نہ کی غزوۂ اُحد کے دو ماہ بعد ہی مدینہ پر بنی اسد کے مجوزہ حملہ کو روکنے کے لئے سریہ ابوسلمہ ؓ کو بھیجا گیا۔ صفر ۴ ہجری میں قبائل عضل و قارہ نے قبیلہ ہذیل کے ساتھ سازش کر کے اسلام کے چار مبلغوں کو شہید کر دیا اور دو کو مکہ لے جا کر غلاموں کی طرح فروخت کر دیا گیا۔ اسی مہینے میں چالیس سے لے کر ستر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک تبلیغی وفد کے بئر معونہ کے مقام پر عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل نے شہید کر دیا۔ بنونضیر کی سازشوں اور بدعہدیوں کی تاریخ آپ کی نظر سے گزر

چکی ہے۔ ان سب کوششوں میں ناکامی کے بعد دشمنوں کی متحدہ طاقت نے غزوۂ احزاب میں اسلام کو فنا کرنا چاہا۔ اس سارے پس منظر کو نظر کے سامنے رکھیے تو ایک لمحہ کے تذبذب کے بغیر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بنو قریظہ کے محاصرہ کے دوران حضرت زینبؓ سے حضور ﷺ کا نکاح حکم خداوندی کی تعمیل کے علاوہ کسی اور تحریک کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کے قوانین نکاح، طلاق اور وراثت نازل ہو چکے تھے اور اب تبنیت (گود لینا، بیٹا بنانا) کی صدیوں پرانی مقدس "رسم" ان ربانی قوانین وراثت سے ٹکرا رہی تھی۔ مزید برآں دلوں کے ہر بھید سے باخبر رب جلیل کا منشا یہ تھا کہ حرمت زنا کے قانون اور تصور کی تکمیل کے لئے مصنوعی رشتوں کو حقیقی رشتوں سے الگ کر دیا جائے۔ منہ بولی بیٹی یا بیٹا یا بیٹے کی بیوی جو حقیقی بہن، بیٹے یا بہو کا مرتبہ ہے نفسیاتی طور پر وہ درجہ حاصل ہی نہیں کر سکتی۔ دوسری طرف اس جھوٹے رشتے کا احترام ذہنوں میں اس حد تک رچ چکا تھا کہ اگر حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کا حکم نہ دیتا اور محض قرآن کی ایک آیت کے ذریعہ ایسے رشتوں کی نفی کر دی جاتی تو بھی ذہنوں میں ایسے رشتہ کے بارے میں کراہت باقی رہتی۔ حضرت زینبؓ سے حضور ﷺ کے نکاح نے مصنوعی رشتہ کے اس انسان ساز تقدس کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

حضرت زید بن حارثہؓ نبی اکرم ﷺ کے غلام تھے، جنہیں حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو ہدیہ کے طور پر دے دیا تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ حضرت زیدؓ سب سے پہلے ایمان لانے والے چار افراد میں شامل ہیں، یوں انہیں حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صف میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہے۔

انسانیت کو مساوات کے دھاگے میں پرونے والے انسان کامل ﷺ نے انسانی مساوات کے نہایت قوی اظہار کے طور پر اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کا نکاح حضرت زیدؓ سے کرا دیا۔ یہ ۴ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضرت زینبؓ نے اس نکاح کے فیصلے کو حکم نبوی ﷺ کے طور پر تو تسلیم کر لیا تھا مگر وہ اپنے ذہن سے یہ خلش نہ مٹا سکیں کہ ان کا شوہر ایک غیر فرد ہے۔ اور وہ خاندان رسالت سے متعلق ہیں۔ حضور ﷺ نے ہر کوشش فرمائی کہ ان کی ازدواجی زندگی مسرت و شادمانی کا ایک خوبصورت تجربہ بن جائے مگر "معاملات من و تو" پیدا ہوتے ہی رہے اور تلخیاں بڑھتی ہی گئیں اور آخر حضرت زیدؓ نے جناب زینبؓ کو طلاق دے دی۔ ادھر پیش گوئی کے طور پر اشارہ ربی ہو

چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا نکاح متبنیٰ بیٹے کی بیوی سے ہوگا۔ حضرت زید ؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارادہ طلاق کا اظہار فرمایا تو آپ نے انہیں منع فرمایا تا کہ آپ ﷺ اس بڑی آزمائش سے بچ سکیں۔ ظاہر ہے کہ اس نکاح کی آڑ میں میدان کارزار میں شکست کھانے والے مشرک، یہودی اور منافق کیا کچھ قیامتیں برپا نہ کرتے (اور انہوں نے یہی کیا) اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کا منع کرنا پسند نہ آیا، کیونکہ یہ نکاح تو اس کی حکمت بالغہ کا فیصلہ تھا، اور اسی لئے اگر متبنیٰ بیٹے کی بیوی سے نکاح عام مسلمان کے لئے محض جائز تھا تو حضور ﷺ کی ذات گرامی کے لئے فرض ٹھہرا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ایمان والوں کے ایمان اور حب رسول ﷺ کو آزمالیا جائے، اور یہ دیکھ لیا جائے کہ حضور ﷺ کا عمل اور اللہ کی وحی، تمام قدیم اور باطل عقائد و رسوم کو مسلمان کی نظر میں ہیچ اور بے مایہ قرار دیتی ہے یا ابھی ماضی کے اثرات باقی ہیں۔

سورۂ احزاب میں حضرت زینب ؓ کے ساتھ حضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح کو پورے پس منظر کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔ ان آیات نے اصحاب رسول ﷺ کے ذہنوں سے شک کے غبار کو دھویا، اور ہمیشہ کے لئے رسول ﷺ کی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ

عَلِیْمًاo

''اور جب آپ ﷺ اُس شخص سے فرمارہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے بھی انعام کیا اور آپ ﷺ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بیوی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر، اور آپ ﷺ اپنے دل میں وہ (بات بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ آخر میں ظاہر کرنے والا تھا اور آپ ﷺ لوگوں (کے طعن) سے اندیشہ کرتے تھے اور ڈرنا تو آپ ﷺ کو اللہ ہی سے زیادہ سزاوار ہے، پھر جب زید اُس سے اپنی حاجت پوری کر چکا (تو) ہم نے آپ ﷺ سے اس (مطلقہ خاتون) کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے (نکاح کے) بارے میں کچھ تنگی نہ رہے جب کہ وہ اُن سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں، اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا ہی تھا (مقدر ہو چکا تھا) اور ان رسول ﷺ کے لئے جو بات (تکوینًا یا تشریعًا) اللہ تعالیٰ نے ان (رسولوں) کے حق میں (بھی) یہی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم تجویز کیا ہو (پہلے سے) ہوتا ہے یہ سب (رسولانِ گذشتہ) ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام (بندوں تک) پہنچایا کرتے تھے اور (اس باب میں) اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

(سورۃ الاحزاب ۳۳: آیات ۳۷ تا ۴۰)

سورۃ الاحزاب کی یہ آیات حضرت زینبؓ سے نبی کریم ﷺ کے نکاح کے پس منظر کو کس طرح اجاگر کر دیتی ہیں، اور کس وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ حضور ﷺ کو اس نکاح کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے کس طرح مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کی ایک ''تنگی کو دور کر دیا''۔ مگر آگے بڑھنے سے پیشتر ایک نکتہ کی مزید وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ''فی نفسک''، یعنی حضور ﷺ کے دل کی پوشیدہ بات کی نسبت ہمارے بعض بڑے علماء اور سیرت نگاروں نے بھی بڑا کمزور موقف اختیار کیا ہے۔ مثلاً علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی

ﷺ جلد اول میں تحریر کیا۔

”بہر حال جب وہ (زینبؓ) مطلقہ ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ان کی دلجوئی کے لئے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا۔ لیکن عرب میں اس وقت تک متبنٰی اصلی کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپ ﷺ تامل فرماتے تھے۔“ ❶

گویا دل کی پوشیدہ بات نکاح کی خواہش تھی۔ بات اس سے مختلف ہے۔ حضور ﷺ کے دل میں پوشیدہ بات یہ تھی کہ زید ؓ حضرت زینب کو طلاق نہ دیں، اور یوں یہ ذکر اس وقت کا ہے جب حضرت زید ؓ نے طلاق نہیں دی تھی بلکہ اس ارادہ کا اظہار کیا تھا اور حضور ﷺ نے انہیں منع کیا تھا اور حضور ﷺ اس اشارہ الٰہی سے واقف ہو گئے تھے کہ طلاق کی صورت میں حضرت زینب سے آپ کو نکاح کرنا ہوگا، اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے حضور ﷺ کا منع کرنا جناب باری کو پسند نہ آیا۔

بہر صورت اسلامی معاشرہ اور مسلمان، منافقوں کے اس نفسیاتی اور اخلاقی حملہ کے گرداب سے رخشندہ تر ہو کر ابھرے، لیکن مخالفوں نے کچھ ہی عرصہ بعد غزوۂ بنو المصطلق ❷ کے موقع پر

---

❶ ...... سیرۃ النبی جلد اول

ویسے علامہ شبلی نے حضرت زینبؓ کے نکاح کے بارے میں مجموعی طور پر صورت حال کی وضاحت بڑے عالمانہ اور مؤمنانہ انداز میں کرتے ہوئے اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے کہ اغیار نے کذب و افترا کی ”رنگ آمیزی کے لئے سیاہی ہمارے ہی ہاں سے مستعار لی ہے۔“ مثال کے طور پر تاریخ طبری میں جو واقعہ درج کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت زینبؓ کو کپڑے پہنتے ہوئے دیکھا اور پسند کر لیا (معاذ اللہ) اور جب حضرت زید ؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ زینب اگر آپ کو پسند آ گئی ہوں تو میں ان کو طلاق دے دوں۔“

طبری کی یہ روایت واقدی کے ذریعہ سے لی گئی ہے اور اس سے دور ملوکیت کی اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی عظمت سے کھیلنے کی روش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ شبلی ہی کے الفاظ میں اس قسم کی بے ہودہ روایات کا مقصد یہ تھا کہ ”عباسیوں کی عیش پرستی کے لئے سند ہاتھ آ جائے۔“

اس اور اس جیسی تمام روایات کو رد کرنے کے لئے قرآن کا یہ ارشاد ہی کافی ہے کہ ”ہم نے آپ سے اس (زینب) کا نکاح کر دیا“۔

❷ ...... اس غزوۂ کو غزوۂ مُرَیسیع بھی کہتے ہیں۔ مریسیع مدینہ منورہ سے نو میل کے فاصلے پر وہ مقام ہے جہاں بنو المصطلق آباد تھے۔ اس غزوہ کی تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخ اور صاحبان سیر اسے غزوۂ احزاب سے پہلے کا واقعہ (شعبان ۵ ہجری) قرار دیتے ہیں۔ یہ ابن سعد کا بیان ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ میں شبلی نے اسی روایت کو قبول کیا ہے۔ دوسرا بیان محمد بن اسحاق کا ہے کہ یہ غزوۂ شعبان ۶ ہجری میں پیش آیا۔ طبری اور ابن ہشام نے اسی قول کو قبول کیا ہے۔

واقعہ افک بھی اسی قول کی تائید کرتا ہے، کیونکہ یہ واقعہ حضرت زینبؓ کے نکاح کے بعد پیش آیا اور اس میں منافقوں کے علاوہ جن تین مسلمانوں نے حصہ لیا ان میں حضرت زینب کی بہن حضرت حمنہ بنت جحش بھی شامل تھیں، لیکن خود حضرت زینبؓ نے اپنے آپ کو نہ صرف الگ رکھا بلکہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ساتھ دیا۔ خود حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق جب نبی کریم ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ان (عائشہؓ) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ”رسول اللہ! خدا کی قسم، میں عائشہؓ کے اندر خیر کے سوا کچھ نہیں جانتی۔“

اس سے زیادہ نازک اور خطرناک حملہ کیا۔ یہی وہ واقعہ ہے جسے قرآن حکیم نے ''افک'' یعنی بہتان قرار دیا ہے اور قرآن کے اس فیصلہ کے بعد اگرچہ اس کی تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی مگر اس واقعہ سے منافقوں اور اسلام کے دشمنوں کے طریق کار کا اندازہ ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کے نتیجے کے طور پر جو معاشرتی قوانین نازل ہوئے اور ہمیشہ کے لئے مسلمان معاشرے کے لئے لازم قرار پائے ان کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ واقعہ افک کو پیش کر دیا جائے۔ اس واقعہ کے انہیں نتائج کی بناء پر اس شرانگیز واقعہ کو قرآن نے مسلمانوں کے لئے ''خیر'' قرار دیا ہے۔

سب سے پہلے تو بخاری شریف اور تفسیر ابن کثیر سے اس واقعہ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایات کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ واقعات سامنے آسکیں۔

''رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ سفر میں جانے کے وقت آپ اپنی بیویوں کے نام قرعہ ڈالتے ❶ اور جس کا نام نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے چنانچہ ایک غزوہ ❷ کے موقع پر میرا نام نکلا...... آنحضرت ﷺ غزوے سے...... لوٹے مدینہ کے قریب آ گئے۔ رات کو چلنے کی آواز لگائی گئی۔ میں قضائے حاجت کے لئے نکلی...... پھر واپس لوٹی۔ لشکر گاہ کے قریب آ کر میں نے اپنے گلے کو ٹٹولا تو ہار نہ پایا۔ میں واپس اس کے ڈھونڈنے چلی گئی۔ یہاں یہ ہوا کہ لشکر نے کوچ کر دیا......

''الغرض بہت دیر کے بعد مجھے ہار ملا۔ یہاں (لشکر گاہ) جو میں پہنچی تو کسی آدمی کا نام ونشان نہ تھا...... میں انتظار میں بیٹھ گئی کہ جب آگے چل کر میرے نہ ہونے کی خبر پائیں گے تو مجھے تلاش کرنے یہیں آئیں گے۔ مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ اتفاق سے حضرت صفوان بن معطل سلمی ذکوانی رضی اللہ عنہ جو لشکر کے پیچھے آ رہے تھے اور پچھلی رات کو چلے تھے، صبح کے چاندنے میں یہاں پہنچ گئے۔ ایک سوتے ہوئے آدمی کو دیکھ کر خیال آنا ہی تھا۔ غور سے دیکھا تو چونکہ ❸ پردے کے حکم سے پہلے، مجھے وہ دیکھ چکے تھے، دیکھتے ہی پہچان گئے، اور بآواز بلند ان

---

❶ ...... اگر کسی معاملہ میں برابر کے حق دار موجود ہوں تو شرعاً قرعہ اندازی کی اجازت ہے حضور ﷺ قرعہ اس لئے ڈالتے تھے تاکہ ازواج مطہرات میں سے کسی کی دل آزاری اور حق تلفی نہ ہو۔

❷ ...... غزوۂ مریسیع

❸ ...... یہ احکام سورۂ احزاب میں ہیں اور ان احکام کا پس منظر حضرت زینب کا نکاح ہے جب منافقین نے ایسا ہی فتنہ برپا کیا تھا۔

کی زبان سے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون نکلا۔ان کی آواز سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی، اور میں اپنی چادر سے اپنا منہ ڈھانپ کر سنبھل بیٹھی۔انہوں نے جھٹ سے اپنے اونٹ کو بٹھایا...... میں اٹھی اور اونٹ پر سوار ہوگئی۔انہوں نے اونٹ کو کھڑا کیا اور بھگاتے ہوئے لے چلے۔قسم خدا کی، نہ وہ مجھ سے کچھ بولے نہ میں نے ان سے کوئی کلام کیا، نہ سوائے انا للّٰہ کے میں نے ان کے منہ سے کوئی کلمہ سنا...... بس اتنی سی بات کا ہلاک ہونے والوں نے بتنگڑ بنالیا۔ان کا سب سے بڑا اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔'' ❶

اس واقعہ پر عبداللہ بن ابی کی زبان سے بہتان کے تیروں کی بارش ہونے لگی، اور اس کے ذہن سے جھوٹ کے جھکڑ اڑ اڑ کر مدینہ کی فضا کو مکدر کرنے لگے۔ہمارے قلم میں حوصلہ نہیں کہ عبداللہ بن ابی کے جملوں کو نقل کرسکیں۔

حضرت عائشہؓ مدینہ پہنچتے ہی بیمار پڑ گئی تھیں۔ادھر یہ طوفان اٹھ رہے تھے اور ادھر وہ ان سب باتوں سے بے خبر تھیں۔منافقوں نے اس بات کو اتنی بار دہرایا کہ مداحِ رسول حضرت حسان بن ثابت ﷺ اور مسطح بن اثاثہ ❷ جیسے صحابی بھی ان کے ہم نوا بن گئے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کسی بات کی خبر نہ تھی مگر جب آپ کو معلوم ہوا تو دنیا جیسے اندھیر ہوگئی۔

''اب تو رنج وغم نے اس قدر گھیرا کہ بیان سے باہر ہے اس وقت سے جو رونا شروع ہوا، واللہ ایک دم کے لئے بھی میرے آنسو نہیں تھمے۔میں سر ڈال کر روتی رہی کس کا کھانا پینا کس کا سونا بیٹھنا۔کہاں کی بات چیت'' ❸

---

❶...... علامہ ابن کثیر۔تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ) جلد سوم پارہ ۱۸، صفحہ نمبر ۲۰ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

❷...... حضرت مسطح بن اثاثہ حضرت صدیق اکبر ﷺ کے رشتہ دار بھی تھے۔یہ ایک غریب اور صاحب ضرورت بزرگ تھے اسی لئے حضرت صدیق ﷺ نے ان کا وظیفہ باندھ دیا تھا۔آیات برأت کے نزول کے بعد حضرت صدیق اکبر ﷺ نے ان کا وظیفہ ختم کردیا کیونکہ انہوں نے بہتان تراشنے والوں میں شامل ہوکر ان کو ان کی بیٹی کو سخت اذیت پہنچائی تھی۔اس پر آیت ولا یاتل اولوا الفضل نازل ہوئی یعنی تم میں سے جو لوگ صاحب حیثیت ہیں انہیں نہیں چاہیے کہ قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں سے سلوک (نہ) کرنے کی قسم کھا بیٹھیں۔کیا تم نہیں چاہتے کہ وہ بخشش کرنے والا اور مہربان خدا تمہیں بخش دے؟ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے ان کا وظیفہ جاری کردیا۔(ابن کثیر...... یہ بھی حضرت عائشہؓ کی اس روایت کا حصہ ہے جو متن میں پیش کی گئی۔)

اسی طرح حضرت عائشہؓ کے دل میں حضرت حسان بن ثابت ﷺ کی طرف سے کوئی خلش تک نہ رہ گئی تھی۔وہ جب بھی آپ کے پاس آتے آپ ان کی تکریم فرماتیں۔حضرت عائشہ کا قول ہے کہ ''مجھے حسان کے شعروں سے زیادہ اچھے شعر نظر نہیں آئے، اور میں جب بھی ان شعروں کو پڑھتی ہوں تو میرے دل میں خیال آتا کہ حسان جنتی ہیں۔''

❸...... ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، جلد سوم پارہ ۱۸، صفحہ ۴۱

اور یہ صورت ایک دو دن نہیں رہی یہ صورت ایک مہینے تک رہی اور حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں "اس عرصہ میں، میں نے آنکھوں میں نیند کا کاجل تک نہیں لگایا۔" یعنی ایک پل کو آنکھ نہ لگی۔

دوسری طرف سرکارِ دوعالم ﷺ کا کرب اتنا شدید تھا کہ آپ اپنے قریبی ساتھیوں سے مشورہ طلب کرتے اور غم کے اس بوجھ کو وقارِ نبوت سے ہلکا کرتے رہے۔ ایک دن حضور ﷺ نے خطبہ میں یہاں تک فرمایا کہ "اے ایمان والو! تم میں سے کون ہے جو اس شخص کے حملوں سے میری عزت کا تحفظ کرے جس نے میرے گھر والوں پر الزام تراشی کر کے مجھے اذیت پہنچانے میں انتہا کر دی، حالانکہ اللہ شاہد ہے کہ نہ تو میں نے اپنی بیوی کی کوئی برائی دیکھی اور نہ اس میں جس پر تہمت لگائی جا رہی ہے۔"

یوں ہی ایک مہینے کی مدت بیت گئی۔ اس عرصہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہؓ کو ہم نشینی کا شرف بھی نہ عطا کیا۔ ایک دن جب حضرت عائشہؓ صدیق اکبر ؓ اور اپنی والدہ ام رومان کے ساتھ بیٹھی تھیں کہ حضور ﷺ بھی آ کر بیٹھ گئے۔ سب کے دل دھڑکنے لگے کہ شاید فیصلے کی گھڑی آ گئی۔ اب یہ روئداد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی سنئے۔

> "آپ نے بیٹھتے ہی اول تو تشہد پڑھا پھر امابعد فرما کر فرمایا کہ اے عائشہ! تیری نسبت مجھے یہ خبر پہنچی ہے اگر تو واقعی پاک دامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری پاکیزگی ظاہر فرمادے گا، اور اگر فی الحقیقت تو کسی گناہ میں آلودہ ہو گئی ہے تو استغفار کر اور توبہ کر ...... بندہ جب گناہ کر کے خدا کی طرف جھکتا ہے اور اس سے معافی طلب کرتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے۔" ❶

یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہؓ کے آنسو تھم گئے۔ انہوں نے پہلے اپنے والد گرامی، اور پھر والدہ ماجدہ سے کہا کہ وہ ان کی طرف سے جواب دیں، لیکن دونوں نے یہی کہا کہ آخر ہم جناب رسالت مآب کے سامنے کیا کہیں؟ اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہنا شروع کیا۔

> "آپ سب نے ایک بات سنی (اور) وہ اپنے دل میں بٹھالی اور گویا سچ سمجھ لی۔ اب اگر میں کہوں گی کہ میں اس تہمت سے بری ہوں، اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ نہیں ماننے کے۔ میں ایسی بات کا اعتراف

❶ ...... ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، جلد سوم پارہ ۱۸، صفحہ ۴۲۔

کیوں کر دوں جس کا میں نے ارتکاب نہیں کیا۔ میری اور آپ کی مثال تو بالکل حضرت ابو یوسف علیہ السلام کا یہ قول ہے (یعنی میں اس کے سوا اور کیا کہوں) فصبر جمیل واللہ المستعان علی ماتصفون۔ یہ کہہ کر میں نے دوسری طرف کروٹ لے لی۔

"خدا کی قسم مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری برأت اور بے گناہی کی خبر اپنے رسول ﷺ کو دے دے گا۔ مگر میں اپنے آپ کو اس سے بہت کم تر جانتی تھی کہ میرے بارے میں کلام الٰہی کی آیات اتریں......

"(اور پھر) حضور ﷺ کے چہرے پر وہی نشان ظاہر ہوئے جو وحی (اترتے) وقت ہوتے تھے۔ پیشانی سے پسینے کی پاک بوندیں ٹپکنے لگیں......نزول وحی کے بعد ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے شگفتہ ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ عائشہؓ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہاری برأت نازل فرما دی۔ میری والدہ نے کہا کہ بیٹی اٹھو! حضور ﷺ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ اور ان کا شکریہ ادا کرو...... میں نے کہا میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے میری برأت نازل فرمائی۔ آپ لوگوں نے تو اس بہتان کا انکار تک نہ کیا۔" ❶

اس موقع پر حضور ﷺ نے وہ آیات سنائیں جو قیامت کے دن تک اہل ایمان کی تلاوت کا جز رہیں گی اور عائشہ صدیقہؓ کے نشان عصمت کے طور پر درخشاں رہیں گی۔

إِنَّ الَّذِينَ جَآءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝ لَّوْلَا جَآءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا

❶ ......حوالہ بالا، صفحہ ۳۔۳۲ (چند لفظی تغیرات کے ساتھ)۔

بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ○ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

''جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہ کی نسبت) برپا کیا ہے (اے مسلمانو) وہ تمہیں میں سے ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے، تم اس (طوفانِ تہمت وبہتان) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ (اپنے نتیجہ کی بناء پر) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے اُن میں جس نے (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا اُس کو سخت سزا ہوگی۔ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا

اور یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ اور بہتان ہے۔ یہ لوگ اس (اپنے قول) پر چار گواہ کیوں نہ لائے، سو جس صورت میں یہ لوگ (قانون کے مطابق) گواہ نہیں لائے تو بس اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں اور اگر تم پر دنیا میں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا جب تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے جس کی تم کو (کسی دلیل سے) مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات (غیر موجب گناہ) سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے اور تم نے جب اس (بات) کو (پہلے پہل) سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں، معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بڑا حکمت والا ہے۔ جو لوگ ان آیات کے نزول کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں سزائے دردناک مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے تو تم بھی (اس وعید سے) نہ بچتے۔ اے ایمان والو! تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو، اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ (ہمیشہ ہر شخص کو) بے حیائی اور نامعقول کام ہی کرنے کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی (توبہ کر کے) پاک و صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (توبہ کی توفیق دے کر) پاک و صاف کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔ (النور ۲۴: آیات ۱۱ تا ۲۱)

آیات برأت کے آغاز ہی میں اللہ عزوجل نے ''افک'' کے لفظ کے ذریعے اپنا فیصلہ سنا دیا، افک کے معنی ہیں قطعی جھوٹ، افترا اور بہتان کے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس بہتان عظیم کو جماعت مؤمنین کے لئے ''شر'' کی جگہ ''خیر'' قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں ہم یہ عرض کر

چکے ہیں کہ ''اسلامی معاشرہ اور مسلمان، منافقوں کے اس نفسیاتی اور اخلاقی حملہ کے گرداب سے رخشندہ تر ہو کر ابھرے''۔ اس نکتہ پر غور کیجئے تو مسلمانوں کی جماعت کے ہر طبقہ کی اخلاقی خوبیوں اور اخلاقی قوت کا اندازہ ہو سکے گا۔ نبی اکرم ﷺ، حضرت عائشہؓ، خاندان حضرت صدیق اکبرؓ، ازواج مطہرات اور عام مسلمان، ان سب کا جو عمومی برتاؤ اور رویہ اس معاملہ میں رہا انسانیت کی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔

حضور ﷺ کا تحمل دیکھئے کہ بہتان کے سیلاب کے سامنے پہاڑوں کے سے وقار کے ساتھ کھڑے رہے، اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ فرما دیا تو قانون الٰہی کے مطابق صرف ان تین مسلمانوں (مسطح بن اثاثہؓ، حسان بن ثابتؓ اور حمنہ بنت جحشؓ) پر قذف (بدکاری کے جھوٹے الزام) کی حد لگوا دی جنہوں نے اس مہم میں حصہ لیا تھا۔ دونوں منافقوں عبداللہ بن ابی اور زید بن رفاعہ کے خلاف کوئی تعزیری یا انتقامی کاروائی نہیں کی گئی۔

حضرت عائشہؓ نے جو دکھ اٹھایا اس کے اظہار کے لئے شاید کسی انسانی زبان کے الفاظ ساتھ نہ دے سکیں۔ خود ان کے اس جملہ سے ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہو سکے گا کہ "میری آنکھوں میں نیند کا سرمہ نہ لگا''...... لیکن انہیں اپنے رب کی رحمت پر کس درجہ یقین اور اپنی بے گناہی پر کس درجہ ناز تھا۔ اور پھر قلب کی وسعت کا یہ عالم کہ ان آیات کے نزول کے بعد وہ سارا بے کراں دکھ محبت کے سمندر میں ایک قطرہ کی طرح گم ہو گیا۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کے ساتھ ان کا جو برتاؤ اور رویہ تھا اسے ہم پیش کر چکے ہیں...... انہیں یہ بات یاد نہ رہی کہ حضرت حسانؓ نے بہتان میں حصہ لیا تھا، مگر یہ بات وہ کبھی نہ بھولیں کہ حسان بن ثابت دشمن اسلام شعراء کے مقابل اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی ''زبان کا'' درجہ رکھتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سلسلہ میں یہ بات سطور گزشتہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے مسطح بن اثاثہؓ کا وظیفہ اور مالی امداد بند کر دی تھی لیکن قرآن حکیم کے ایک حکم کے نازل ہوتے ہی پہلے کی طرح ان کے ساتھ سلوک کرنے لگے اور تعلقات میں کوئی فرق نہ پڑا ...... پھر ذرا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت ام رومانؓ کے حب رسول اور احترام رسول کو دیکھئے کہ جب بیٹی نے کہا کہ آپ ہماری طرف سے جواب دیجئے تو دونوں نے یہی کہا ''ہم

حیران ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا کہیں۔"

ازواج مطہرات کی بلندیٔ کردار اور قدسی نفسی کا اندازہ اس سے کیجئے ان میں سے کسی نے اس معاملہ میں کوئی ایسا اشارہ تک نہ کیا جس سے یہ اندازہ ہو سکتا کہ انہیں حضرت عائشہؓ کے بارے میں شک ہے، حالانکہ سوکنیں ایک دوسرے کے خلاف کیا کچھ نہیں کرتیں۔ حضرت زینبؓ نے بھی حضرت عائشہؓ کی طرف داری کی حالانکہ ان کی بہن اس معاملہ میں شریک تھیں۔

عام مسلمانوں کا جو ردعمل اور رویہ تھا اس کا اندازہ مسطح بن اثاثہ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی مثال سے ہو سکتا ہے۔ ام مسطحؓ ، حضرت صدیق اکبر ﷺ کی خالہ تھیں اور عجب بات یہ ہے کہ اس بہتان کی خبر حضرت عائشہ کو انہیں کی زبانی ملی تھی۔ اس وقت تک مدینہ میں مکانوں میں بیت الخلا تعمیر نہیں ہوئے تھے۔ خواتین قضائے حاجت کے لئے رات کو میدان جایا کرتی تھیں ایک رات جب حضرت عائشہؓ "ام مسطحؓ" کے ساتھ واپس آ رہی تھیں تو

"حضرت ام مسطحؓ کا پاؤں چادر کے دامن میں الجھا اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ "مسطح غارت ہو۔ مجھے بہت برا لگا اور میں نے کہا تم نے بہت برا کلمہ بولا۔ توبہ کرو، تم اسے گالی دیتی ہو جس نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ اس وقت ام مسطحؓ نے کہا بھولی بیوی آپ کو کیا معلوم، میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ بھی ان لوگوں میں ہے جو آپ کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی، میں ان کے سر ہو گئی کہ کم از کم مجھ سے سارا واقعہ تو کہو۔ اب انہوں نے بہتان باز لوگوں کی تمام کارستانیاں مجھے سنائیں۔ میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ❶

حضرت ام مسطح ﷺ کی مثال سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایسے مسلمان معاشرے میں موجود تھے جو اس فتنہ کو بہتان ہی جانتے تھے اور جو "نیک گمان" سے کام لیتے تھے۔ اسی طرح جب ابوایوب انصاری ﷺ تک یہ افواہیں ان کی بیوی کے ذریعے پہنچیں تو

وہ کہنے لگے "ایوب کی ماں، اگر تم عائشہؓ کی جگہ اس موقع پر ہوتیں تو کیا ایسا فعل کرتیں؟" وہ بولیں "خدا کی قسم میں یہ حرکت ہرگز نہ کرتی"۔ حضرت ابوایوب ﷺ نے کہا "تو عائشہؓ تم سے بہتر ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر صفوان کی جگہ میں ہوتا تو اس طرح کا خیال تک نہ کر سکتا تھا۔

❶ ...... حوالہ بالا۔ صفحہ ۱۴۱

صفوان رضی اللہ عنہ تو مجھ سے اچھا مسلمان ہے" ❶

یہ واقعہ ہر دور کے مسلمان معاشرہ کی اخلاقی اساس کا درجہ رکھتا ہے۔..... آج بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ ایسا ہے کہ ایسی تہمتوں اور بہتانوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہر بستی، ہر محلہ اور ہر گلی میں سرگوشیوں کے دائروں میں ہونٹوں سے کانوں تک سفر کرتا نظر آتا ہے۔.....اور ہم کس درجہ آسانی کے ساتھ ایسی افواہوں کو حقیقت کے طور پر قبول کرتے اور انہیں دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

❶ ..... مودودی۔ تفہیم القرآن جلد سوم، صفحہ ۳۶۶، لاہور ۱۹۶۹ء۔

# صلح حدیبیہ

ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ تحویل قبلہ کے بعد چار سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا تھا۔ ہر دن پانچ مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے مہاجرین کے دلوں میں دیار کعبہ کی یاد ابھرتی تھی۔ خود نبی اکرم ﷺ کا دل زیارت کعبہ اور طواف کے لئے تڑپ اٹھتا۔ آپ ﷺ نے ایک رات اپنے عمرے کے بارے میں خواب دیکھا۔ ❶

نبی کا قلب خواب کی وادیوں میں بھی نہیں سوتا۔ یہ حقیقت نگری کی ایک اور سطح ہے۔ واضح تر الفاظ میں یوں کہئے کہ رسول کا خواب بھی وحی کی ایک قسم اور اشارۂ ربانی ہوتا ہے۔

حضور ﷺ نے اپنے صحابیوں کو اپنا خواب سنایا اور اپنے رب کے اشارے کے مطابق عمرہ کے قصد کا اعلان فرمایا۔ قرب وجوار کے قبائل میں منادی کرادی گئی۔ قرب وجوار کے لوگ جنہوں نے مدینہ کی اسلامی ریاست کے اقتدار کے سامنے سر جھکایا تھا اور ایمان کی گہرائیوں اور بلندیوں سے بہرہ یاب نہ ہوئے تھے حیرت میں پڑ گئے ...... وہ یہ بات سوچنے کے لئے بھی تیار نہ تھے کہ مکہ والے مسلمانوں کے قافلے کو حدود حرم میں داخل ہونے کی اجازت دیں گے۔ ان کے خیال میں یہ سفر دیار حرم کی طرف نہ تھا بلکہ موت کی وادیوں کی طرف تھا۔ انہیں یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی زندہ واپس نہیں آسکیں گے، اور یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ یہ تھے اشجع، مزینہ، غفار جیسے قبیلوں کے بدو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان عذر تراشیوں کی خبر پہلے ہی دے دی جو مدینہ واپس پہنچنے پر ان پیچھے رہ جانے والوں کی طرف سے سامنے آئیں۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا
وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي
قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ
بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

---

❶ ...... سورۃ الفتح میں اس خواب کا تذکرہ واضح طور پر موجود ہے۔

خَبِيراً ۝ بَلْ ظَنَنتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَداً وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْماً بُوْراً ۝

''جو دیہاتی پیچھے رہ گئے، وہ عنقریب آپ ﷺ سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال وعیال نے فرصت نہ لینے دی سو ہمارے لئے (اس کوتاہی کی) معافی کی دعا کیجئے یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ سووہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا (کچھ بھی) اختیار رکھتا ہو اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے، بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ اور (اُن کا ساتھ دینے والے) مؤمنین اپنے گھروں میں کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھی اچھی معلوم ہوئی تھی، اور تم نے بُرے بُرے گمان کئے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے۔''

(سورۃ الفتح ۴۸: آیات ۱۱۔۱۲)

لیکن وہ اہلِ ایمان جنہوں نے بدر کی بے سروسامانی میں اللہ کی نصرت کے جلوے دیکھے تھے، وہ جنہوں نے اُحد کے میدان میں شمعِ رسالت ﷺ کے حضور اپنی زندگیوں کو فانوس کی صورت پیش کیا تھا اور جانثاری کے زندۂ جاوید کارنامے پیش کئے تھے، وہ جنہوں نے غزوۂ احزاب میں کفر کی متحدہ قوتوں کو ہوائے نصرت ربی سے پتوں کی طرح بکھرتے دیکھا تھا، ایک لمحہ کے تذبذب کے بغیر اس سفر کے لئے آمادہ ہو گئے۔''

ذی القعدہ ۶ھ ہجری کے آغاز میں تقریباً پندرہ سو صحابہ کرام ؓ کا قافلہ دامنِ نبوت سے وابستہ ہو کر اور محملِ نبوت کی گردِ راہ بن کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر عمرہ کا احرام باندھا گیا۔ اور قربانی کے اونٹوں کے ساتھ اہلِ ایمان منزل بہ منزل آگے بڑھنے لگے۔ ان مسلمانوں کے پاس نیام میں بند تلواروں کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھے اور تلوار ساتھ رکھنے کا حق انہیں عرب کے معروف دستور کے مطابق حاصل تھا۔

جب قریش کو مسلمانوں کے سفر کا علم ہوا تو وہ حیرت میں پڑ گئے۔ ان کے لئے کوئی فیصلہ کرنا

بے حد مشکل مرحلہ تھا۔ حرام مہینوں میں وہ عمرہ اور طواف کا حق کسی سے نہیں چھین سکتے تھے۔ اس طرح ان کے خلاف سارے عرب میں شدید ردِ عمل پیدا ہو سکتا تھا۔ دوسرے قبیلے یہ سوچ سکتے تھے کہ آخر قریش کعبہ کے متولی کی جگہ اپنے آپ کو صاحب کعبہ کیوں کر قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن اسلام دشمنی تمام مصلحتوں اور خیالات پر غالب آئی اور قریش نے خالد بن ولید کو سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا۔ یہ ایک سیاسی چال تھی۔ مسلمانوں کو مشتعل کر کے وہ کسی صورت میں آغاز جنگ چاہتے تھے تاکہ دوسرے قبیلوں کو یقین دلایا جا سکے کہ مسلمان عمرہ کیلئے نہیں بلکہ جنگ کے لئے آئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس دستہ کی خبر سن کر قافلہ کا راستہ بدل دیا اور نہایت کٹھن اور دشوار گزار راستہ سے یہ قافلہ حدیبیہ پہنچ گیا، جس کا فاصلہ مکہ سے بارہ تیرہ میل ہے۔

بنی خزاعہ ❶ کے سردار بدیل بن ورقا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے قلادے پڑے اونٹ دیکھے۔ اس بات کا مشاہدہ کیا کہ مسلمان مسلح ہو کے نہیں آئے ہیں۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ سے ان کی گفتگو ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک مدت معین کے لئے معاہدہ صلح کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اس پر بھی اگر وہ راضی نہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہے کر دے۔“ ❷ بدیل نے قریش والوں کو حضور ﷺ کا یہ پیغام جا سنایا، مگر رحمۃ للعالمین کی کوشش صلح کو کمزوری کی علامت جانا۔

قریش کے نوجوان تو آمادہ جنگ تھے، مگر تجربہ کار سرداروں نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ گفت وشنید کے بہانے انہوں نے مکہ کے گردونواح کے قبائل کے مجموعہ احابیش کے سردار حلیس کو آپ کے پاس بھیجا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ محمد ﷺ حلیس کی بات نہ مانیں گے اور یوں ان قبائل کی قوت میدان جنگ میں ہمارے ساتھ ہوگی، مگر حلیس نے مسلمانوں کی احرام بندی

---

❶ ...... یہ قبیلہ اگرچہ اسلام نہیں لایا تھا مگر مسلمانوں کا حلیف تھا اور اکثر قریش کے منصوبوں کا علم انہیں کے ذریعہ مسلمانوں کو ہوتا تھا۔

❷ ...... شبلی۔ سیرۃ النبی ﷺ جلد اول صفحہ ۲-۳۶۱، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور۔

اور قربانی کے اونٹ دیکھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اس نے یہ بات سنی کہ ہم عمرہ کے لئے آئے ہیں، اپنے جد امجد کی سنت کی ادائیگی کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں، قربانی کے جانور ہمارا اثاثہ ہیں اور احرام ہمارا لباس پھر ذی قعدہ محترم اور حرام مہینوں میں سے ہے۔ اس میں جنگ کا کوئی سوال نہیں۔ حلیس قریش کے پاس لوٹا اور صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ محمد ﷺ اور محمد ﷺ کے ساتھی اپنے سفر کے بارے میں جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔ ان کا راستہ نہ روکو اور ہم حرمتوں کی پامالی کے راستے میں تمہارے ہم سفر نہیں۔ یوں اللہ نے قریش کی ایک گہری سیاسی اور حربی چال کو ناکام بنا دیا۔

ادھر تو باہمی گفت وشنید کا سلسلہ جاری تھا اور ادھر قریش اشتعال کے مواقع تلاش کر رہے تھے تاکہ مسلمان مشتعل ہو کر جنگ کا آغاز کر بیٹھیں۔ ایک رات قریش کے ایک دستہ نے مسلمانوں کے خیموں پر خشت زنی شروع کر دی۔ پھر پتھروں کے بعد تیر برسنے لگے۔ صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان چالیس پچاس سپاہیوں کو گرفتار کر لیا، مگر خاتم النبیین ﷺ نے انہیں چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فیصلہ وحی الٰہی کے مطابق تھا کیونکہ قرآن حکیم نے اسی واقعہ کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ ۢبَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝

''اور وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن (کے قتل) سے عین مکہ (کے قرب) میں روک دیئے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔'' (سورۃ الفتح ۴۸: آیات ۲۴)

اسی طرح ایک اور حملہ نماز فجر کے وقت کیا گیا اور وہ بھی ناکام رہا۔

قریش نے عروۃ بن مسعود ثقفی کو اپنے ایلچی کے طور پر بھیجا۔ عروہ نے بھی آپ ﷺ کو اپنی دلیلوں سے یہی سمجھانا چاہا کہ مکہ میں داخل ہونے کے ارادے سے باز آجائیں۔ حضور ﷺ نے اسے بھی وہی جواب دیا جو پہلے بدیل اور حلیس کو دے چکے تھے۔ عروہ نے واپس جا کر قریش کو

سمجھایا کہ محمد (ﷺ) اور اصحابِ محمد ﷺ سے نہ الجھا جائے۔ اس نے کہا۔ میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی۔ محمد (ﷺ) بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو پانی جو گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے۔ بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرے اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔ ❶

ان ملاقاتوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گفتگو کی تکمیل کے لئے حضرت عثمان غنی ؓ کو مکہ بھیجا۔ فولاد و آہن میں ڈوبا ہوا باطل اپنی طاقت کے نشہ میں جھوم رہا تھا۔ قریش نے حضرت عثمان ؓ کو نظر بند کر دیا، اور پھر شدید اعصابی کشمکش کی فضا میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ عثمان غنی ؓ شہید کر دیئے گئے۔

حق نے امن کے لئے ہر حجت پوری کی دی تھی اور اب حالات کا تقاضا دوسرا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے ساتھی جنگ کے لئے نہیں نکلے تھے۔ ان کے پاس فوجی ساز و سامان نہ تھا۔ مگر اللہ کے رسول ﷺ ان جانثاروں کے ساتھ تھے، اور ایمان کی قوت ان کی متاعِ جاں اور سب سے بڑا ہتھیار تھی۔ یہ وہ تھے جن کی مثال نے اس خیال کو ایک مسلمہ حقیقت بنا دیا کہ

ع مؤمن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

حضور ﷺ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ نے اہل ایمان کو اللہ کی طرف اور اپنی طرف بلایا اور انہیں صلائے عام دی کہ آؤ اور اپنے ایمان کو سرفروشی کے اس موقع کے حضور پیش کر دو۔ یہ قدسی نفس انسان آگے بڑھے، اور حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال قربان کرنے، جاں نثاری اور آخری دم تک لڑنے کا عہد کیا۔ یہی عہد بیعت رضوان ہے۔ یہی وہ بیعت ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والوں کے لئے کہا گیا کہ انہوں نے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور ان بیعت کرنے والوں کے سلسلہ میں اپنی خوشنودی کو اللہ نے قرآن حکیم کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما دیا۔ سورۃ الفتح میں ہمیں بیعۃ الرضوان کی جنت جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ

---

❶ ......حوالہ بالا۔ صفحہ ۳۶۳۔

اَیۡدِیۡهِمۡ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَوۡفٰى
بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝

''جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے پھر (بعد بیعت کے) جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا، اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر (بیعت) اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے سو عنقریب اللہ تعالیٰ اُس کو بڑا اجر دے گا۔'' (سورۃ الفتح ۴۸: آیات ۱۰)

نبی اکرم ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمان غنی ؓ کا داہنا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بھی بیعت کی...... اللہ اکبر...... ذرا اس شرفِ عثمانی پر غور تو کیجئے۔ یہ بیعت جاں نثاری کی بیعت تھی، یہ بیعت اپنے آپ کو راہ اللہ میں قربان کر دینے کے لئے تھی۔ اور حضور ﷺ کو حضرتِ عثمان ؓ کی تمنائے شہادت، ذوقِ ایمان اور جذبۂ سرفروشی پر اس درجہ اعتماد تھا کہ اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھ کا ''قائم مقام'' بنا دیا۔

انتہائی کشیدگی کے لمحات گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرتِ عثمان ؓ کی شہادت کی خبر بے بنیاد تھی۔ قریش نے صلح کے ایک معاہدہ کی تکمیل کے لئے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد بھیجا۔ نبی کریم ﷺ اور قریش کے درمیان وہ معاہدہ مرتب ہو گیا جسے تاریخ ''صلحِ حدیبیہ'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔

## اس صلح نامہ کی شرائط یہ تھیں

۱۔ مسلمان اس سال عمرہ کی ادائیگی کے بغیر واپس جائیں۔

۲۔ اگلے سال مسلمان عمرہ کی ادائیگی کر سکتے ہیں، مگر مکہ میں ان کا قیام صرف تین دن کا ہوگا۔

۳۔ مسلمان ہتھیار بند ہو کر نہیں آئیں گے۔ وہ صرف تلواریں لے کر آ سکتے ہیں اور تلواریں نیاموں میں ہوں گی۔

۴۔ فریقین کے درمیان دس سال تک، جنگ بندی رہے گی، اور اس دوران دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف کوئی علانیہ یا خفیہ کاروائی نہیں کریں گے۔

۵۔ معاہدہ کی مدت میں قریش کا جو شخص بھی (خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان) مدینہ جائے گا، مسلمان اسے پناہ نہیں دیں گے بلکہ اسے قریش کو واپس بھیج دیں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ جائے گا تو قریش اسے مدینہ واپس نہیں بھیجیں گے۔

۶۔ اس وقت بھی مکہ میں مقیم کسی مسلمان کو مسلمان اپنے ساتھ مدینہ نہیں لے جائیں گے۔

۷۔ قبائل عرب کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے کسی کے بھی حلیف بن کر شریک ہو سکتے ہیں۔

اس صلح نامہ کی تشکیل وتحریر کے موقع پر جو پیچیدگیاں، ذہنی کشمکش اور اعصابی فضا پیدا ہوئی اس کو تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا۔

مدینۃ العلم ﷺ نے باب العلم علی المرتضیٰ ؓ کو کتابت معاہدہ کے لئے منتخب فرمایا۔ علی المرتضیٰ نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے آغاز کیا۔ سہیل بن عمرو نے کہا کہ دستورِ عرب کے مطابق باسمک اللّٰھم لکھا جائے۔ پیشانی علی ؓ پر غیرت کی لکیروں کا جال بچھ گیا۔ آنکھوں میں حرارت ایمانی کا الاؤ بھڑک اٹھا، مگر ان کی لب کشائی سے پہلے ہی رحمۃ للعالمین ﷺ نے سہیل کی بات قبول فرمائی اور کہا کہ دستورِ عرب کی پیروی کی جائے۔

اور جب معاہدہ کا یہ فقرہ لکھا گیا ''ھذا ما قاضی علیہ مُحَمَّد رسُوْل اللّٰہ'' (یہ وہ معاہدہ ہے جسے محمد رسول اللہ (ﷺ) نے تسلیم کیا) تو سہیل نے کہا اگر ہم آپ ﷺ کو اللہ کا رسول ہی تسلیم کرتے تو کوئی جھگڑا ہی کیوں ہوتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ عزوجل کی سوگند۔ میں اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ تم تکذیب کرتے ہو۔''

اور پھر'' آپ ﷺ نے علی بن ابی طالب ؓ سے فرمایا رسول اللہ کا لفظ مٹا دو۔ علی ؓ نے عرض کیا نہیں خدا کی قسم ہے میں آپ کا نام کبھی (اپنے ہاتھ سے) نہ مٹاؤں گا۔ [1] حضرت علی ؓ کے الفاظ تھے ''لا واللہ لا امحوک ابدا۔'' پروردۂ دامان رسالت ﷺ علی ؓ کے ان الفاظ سے جذبات کی شدت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علی ؓ جو اطاعت کی تصویر اور حبِ رسول ﷺ کا جیتا جاگتا مجسمہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ''رسول اللہ کہاں لکھا ہے؟'' اور پھر یہ عبارت آپ نے خود حذف فرما دی۔

[1] ...... مشکوٰۃ شریف جلد دوم۔ صفحی ۳۲۶ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

اور ابھی یہ معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ زنجیروں کی صدا بلند ہوئی اور ایک پا بہ زنجیر انسان نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے قدموں پر لا گرایا۔ اور اب یہی ''قیدی'' ہر نگاہ کا مرکز تھا۔ پیروں میں زنجیریں، جسم پر چوٹوں کے نشان، بال خاک آلودہ، آنکھوں میں صبر و استقامت کے ساتھ ساتھ مجبوروں کے گہرے سائے۔ اس کی بے زبانی، اس کی مظلومیت کی دستاویز تھی۔ اس کی خاموشی ساری دنیا کے حق پرست مظلوم انسانوں کی تقریر تھی۔ یہ تھے حضرت ابو جندل ؓ۔ اسی سہیل کے بیٹے جو اس معاہدہ کی تحریر کے سلسلہ میں قریش کے نمائندے کی حیثیت سے شریک تھا اور جس نے تھوڑی دیر پہلے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ مٹوا کر تمام مسلمانوں کو جیسے ایک سکتہ کے عالم میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ مسلمان جنہوں نے اپنی زندگی کی قیمت پر رسالت ﷺ کی صداقت کی شہادت دی تھی۔

اسلام قبول کرنے کے ''تحفہ'' کے طور پر قریش نے ابو جندل ؓ کے پیروں کو زنجیروں کا اور جسم کو چوٹوں کا یہ عطیہ دیا تھا۔ ابو جندل ؓ نے فریاد کی کہ ''اے ہادیٔ برحق میں نے تیری صداقت کی گواہی دی اور میری قوم نے مجھے اس راستے سے ہٹانے کے لئے بے دردی سے مارا ہے، مجھے بیڑیاں پہنائی ہیں۔ اب تیری رحمت للعالمینی کے سائے میں پناہ لینے آیا ہوں۔'' ہر آنکھ اشکبار ہو گئی، اور ایک سکوت چھا گیا۔ اس خاموشی کو سہیل کی کرخت آواز نے مجروح کیا۔ ''صلح کی شرائط طے ہو چکی ہیں۔ ابو جندل ؓ کو آپ نہیں لے جا سکتے۔ اسے واپس کر دیجئے۔'' حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ''ابھی صلح نامہ لکھا تو نہیں گیا ہے۔ تحریر اور دستخطوں سے پہلے اس پر عمل کیوں ہو۔'' اس کلمہ صدق کا جواب یوں ملا۔ ''تو پھر ہمیں صلح منظور نہیں۔'' حضور ﷺ نے کئی بار سہیل کو سمجھایا مگر اس کا انکار باقی رہا اور آخر حضرت خاتم المرسلین ﷺ نے ابو جندل ؓ سے کہا۔ ''ابو جندل ؓ، صبر اختیار کرو۔ اللہ تمہارے اور دوسرے مظلوموں کے لئے اس ظلم سے نکلنے کی کوئی سبیل کرے گا''۔ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے اور اب ہم اس سے پھر نہیں سکتے۔ یوں ابو جندل ؓ کو اسی طرح پا بہ زنجیر لوٹنا پڑا جیسے وہ آئے تھے بلکہ یوں کہنا درست ہوگا کہ وہ ''ہمہ شوق'' آئے تھے اور "ہمہ حرماں" بن کر لوٹے۔

عمر ابن الخطاب ؓ جن کی تلوار نے حق و باطل کو ایک دوسرے سے اور بھی دور کر دیا تھا،

اضطراب کے بوجھ سے بے قابو ہو گئے اور چیخ اٹھے کہ ''حضور ﷺ ، اللہ کے رسول ہیں ، ہم مسلمان ہیں ، پھر دین کے مسئلہ میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں اور عمر رضی اللہ عنہ کے بھڑکے ہوئے جذبات کو پیکر صدق و تسلیم ورجا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان شبنم صفت الفاظ نے جیسے ٹھنڈک میں بدل دیا۔ ''عمر۔ عمر۔ رسول اللہ ﷺ کا دامن تھامے رہو۔ یہی دامن نجات کا وسیلہ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں (ﷺ)۔'' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسے لمحہ میں حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دی کہ عمر رضی اللہ عنہ جن کا رسالتِ محمدی ﷺ پر اسی درجہ یقین تھا ، بے ساختہ کہہ اٹھے۔ ''اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔''

مسلمان جب حدیبیہ سے لوٹے تو وہ دل شکستہ تھے۔ یہ تو نبی کریم ﷺ سے ان کی بے مثال اور غیر معمولی وابستگی تھی کہ وہ اس ''صلح'' کو جھیل گئے۔ اگر اس جماعت میں ضبط و نظم کی ذرا سی بھی کمی ہوتی تو جذبات کے فیصلہ کے مطابق تلواروں کی جھنکار سے مکہ کی وادیاں گونج اٹھتیں اور یوں محرم مہینہ اور بیت اللہ کی حدود کی حرمت مجروح ہو جاتی۔ اس جماعت نے اپنے قائد اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے سامنے اطاعت کا سر جھکا دیا تھا ، مگر دلوں میں یہ سوال کھٹک رہا تھا کہ یہ ذلت آمیز صلح کیوں کی گئی۔ [1] اور دلوں کی اس کھٹک کے موسم میں حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے سورۃ الفتح نازل ہوئی ، سورۃ الفتح رات کو نازل ہوئی تھی۔ دوسری صبح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سنانے سے پہلے حضور ﷺ نے فرمایا کہ۔

''رات مجھ پر ایک (ایسی) سورۃ نازل ہوئی جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہے جن پر سورج طلوع ہوا۔''

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ وَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ۙ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِہِمۡ ؕ وَ لِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ

[1] ..... بخاری شریف ، کتاب المغازی (غزوۃ الحدیبیۃ)

عَلِيمًا حَكِيمًاۙ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

"بے شک ہم نے آپ کو ایک فتح مبین (کھلی ہوئی فتح) عطا کی تاکہ اللہ تعالیٰ تمام اگلے پچھلے (دشمنوں) کے اتہامات سے آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کردے اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینت (سکون واطمینان) پیدا کی ہے تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی جنت میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ دور کردے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔" (سورۃ الفتح ۴۸: آیات ۱تا۵)

اہل ایمان کی تسکین کے لئے وحی الٰہی کافی تھی، اگرچہ ابھی اس فتح مبین کے کتنے ہی پہلو وقت کے پردے میں چھپے ہوئے تھے، مگر زمان ومکاں اور مکانات وحوادث کا خالق تو ان سے پوری طرح باخبر تھا، کیونکہ وہی مستقبل کے ان امکانات اور فتوحات کو تخلیق کرنے والا تھا۔ جذبات کے ہیجان میں جماعتِ مومنین اس صلح نامہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ نہ لے سکی تھی۔ عمرہ کے بغیر لوٹنا، ابوجندل ؓ کی واپسی اور رسول اللہ کے ٹکڑے کا حذف کرنا۔ یہ واقعات ان کے دل ودماغ پر چھا گئے تھے اور جب جذبات کا یہ غبار چھٹا تو حقیقتوں نے اپنے آپ کو آشکارا کرنا شروع کردیا۔

دس سال تک جنگ بندی کے معاہدے نے مسلمانوں کو قریش کے حملوں اور ریشہ دوانیوں کی طرف سے بے فکر کردیا۔ اب وہ مدینہ میں اسلامی معاشرے اور اپنی مقبوضات میں ریاستِ اسلامی کے استحکام کا کام پوری جمعیتِ خاطر کے ساتھ کرنے کے قابل ہو گئے۔ اس کے علاوہ

انہیں یہ موقع مل گیا کہ وہ عرب کے شمالی اور وسطی علاقوں کی ان قوتوں پر اپنی بالادستی قائم کر لیں اور نہیں مسخر کر لیں جو قلبِ اسلام میں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھیں۔ صلحِ حدیبیہ کے بعد ہی خیبر فتح ہو گیا اور اس کے بعد فدک، وادی القریٰ، تیما اور تبوک کی یہودی بستیاں اور گڑھ مسلمانوں کے تابع ہو گئے۔

معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جائے گا اسے قریش واپس نہیں کریں گے، جب کہ مکہ سے مدینہ جانے والے مسلمان (اور غیر مسلم) کو مدینہ والے، مکہ واپس بھیج دیں گے۔ نظر بظاہر اس شرط میں سبکی احساس ہوتا ہے، مگر جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''میرا جو آدمی جائے گا وہ ضرور منافق ہو گا۔ اس کا جانا ہی اچھا ہے۔ البتہ جس مسلمان کو ہم واپس کریں گے تو اس کے لئے خداوند کریم جلد سامان عافیت پیدا کرے گا۔'' ❶

مکہ والوں نے مسلمانوں کو روک کر خود ہی اپنے ''دیس'' میں اسلام کی تبلیغ کا سامان پیدا کر دیا۔ صاحب رحمۃ للعالمین (قاضی سلیمان منصور پوری) نے حضرت ابو جندل ؓ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر ایک سال کی مدت میں مسلمانوں ہونے والوں کی تعداد تقریباً تین سو لکھی ہے۔ اسی طرح قریش کی اس شرط کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں نے حمرا اور بدر کے درمیان عیص کے مقام پر اپنی ایک بستی بسالی۔ ہوا یہ کہ ابو بصیر ؓ مکہ معظمہ سے مدینہ پہنچے۔ قریش بھلا ایک مسلمان کی آزادی کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے دو آدمی ابو بصیر ؓ کی واپسی کے لئے بھیجے۔ نبی اکرم ﷺ تو ہر مؤمن کے لئے رؤف اور رحیم تھے۔ ان کا دل اس خیال سے تڑپ اٹھا کہ واپسی کے بعد ابو بصیرؓ کو قریش کیسی کیسی اذیتیں دیں گے مگر عہد کی پاس داری کے تحت آپ ﷺ نے ابو بصیر ؓ کو قریش کے نمائندوں کے حوالے کر دیا۔ ابو بصیر ؓ نے موقع پا کر ان میں ایک کو قتل کر دیا اور خود مدینہ پہنچ گئے۔ قریش کا دوسرا فرد بھی فریادی بن کر پہنچا۔ ابو بصیر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ آپ نے معاہدہ کے تحت مجھے تو قریش کے حوالہ کر دیا تھا۔ یہ تو اللہ نے میرے لئے رہائی کی سبیل نکالی ہے۔ ویسے میں مدینہ میں رہ کر کوئی مسئلہ نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ یوں ابو بصیر ؓ نے عیص کو اپنے قیام کے لئے چنا۔ رفتہ رفتہ ابو جندل ؓ اور دوسرے مسلمان بھی وہاں جمع ہو گئے اور اس جماعت نے قریش کے تجارتی قافلوں کے لئے سفر کو دشوار

---

❶ ...... اصح السیر بحوالہ رسول رحمت ﷺ مرتب: مولانا غلام رسول مہر صفحہ ۳۷۹، لاہور

بنا دیا۔ آخر قریش نے خود ہی عاجز آ کر معاہدہ کی یہ شرط منسوخ کر دی۔

مسلمان مردوں کے علاوہ بعض مسلم خواتین بھی مکہ سے مدینہ پہنچیں۔ سب سے پہلی مہاجرہ امِ کلثوم بنت عقبہ تھیں۔ ان کے بھائی معاہدہ کے حوالہ سے ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے پہنچے۔ اب ایک نیا سوال پیدا ہوا، وہ یہ کہ معاہدہ کا اطلاق مسلمان مردوں کے علاوہ مسلمان عورتوں پر ہوگا یا نہیں؟ معاہدہ میں ''رجل'' کا لفظ تحریر کیا گیا تھا جو ''مرد'' کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے معاہدہ کی شرط کے الفاظ کی طرف امِ کلثومؓ کے بھائیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔ ''کان الشرط فی الرجال دون النساء'' یعنی شرط عورتوں کے بارے میں نہیں مردوں کے بارے میں تھی۔ یہ بات اتنی واضح اور سامنے کی تھی کہ اس کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔

حضور ﷺ کا یہ فیصلہ وحی الٰہی کی روشنی میں تھا۔ سورۃ الممتحنہ اسی زمانے میں نازل ہوئی، جس میں مسلم مہاجر خواتین کے بارے میں حکم دیا گیا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَٰنِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُواْ ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُواْ بِعِصَمِ ٱلْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُواْ مَآ أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُواْ مَآ أَنفَقُواْ ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ ٱللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو (ان کے مسلمان ہونے کی) جانچ پڑتال کر لو، اور ان کے ایمان (کی حقیقت) کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ وہ کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لئے حلال۔ ان کے کافر شوہروں نے جو مہر انہیں دیئے تھے وہ انہیں لوٹا دو اور ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم ان کے مہر

ان کو ادا کردو اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو جو مہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دیئے تھے وہ تم واپس مانگ لو اور جو مہر کافروں نے اپنی مسلمان بیویوں کو دیئے تھے انہیں وہ واپس مانگ لیں یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔"
(سورۃ الممتحنۃ: آیت ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے اس امر کی وضاحت فرمادی کہ اس حکم کا مقصد مسلم خواتین کا تحفظ ہے، اسی لئے جانچ پڑتال اور امتحان کی شرط رکھی گئی تا کہ دوسری اغراض کے تحت مکہ سے مدینہ پہنچنے والی عورتوں سے مسلم معاشرہ کو بچایا جا سکے۔ یہ امتحان توحید ورسالت ﷺ کے اقرار تک محدود تھا کیونکہ کسی کے ایمان کی حقیقت سے صرف اللہ تعالیٰ ہی باخبر ہو سکتا ہے۔

یوں معاہدہ حدیبیہ "فتح مبین" ثابت ہوا اور دوسری فتوحات کا دیباچہ جن میں فتح خیبر اور فتح مکہ اہم ترین ہیں۔ سورۃ الفتح میں ان دونوں فتوحات کی بشارت دی گئی۔ بعض مقامات قرآنی فتح خیبر کے سلسلہ میں پیش کئے جائیں گے۔ یہاں چند آیات پیش کر دینی مناسب ہوں گی۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًاO وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاO وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًاO وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًاO

"بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا پس اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی اور یہ کہ اس فتح میں بہت سی غنیمتیں بھی دیں جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑا حکمت والا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی)

بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگ لو گے سو فوری طور پر تم کو یہ (فتح) عطا کر دی، اور لوگوں کے ہاتھ تم سے (تمہارے خلاف اٹھنے سے) روک دیئے ہیں تا کہ یہ واقعہ اہلِ ایمان کے لئے ایک نشانی بن جائے اور اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی طرف تمہیں ہدایت بخشے اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی، اللہ تعالیٰ اس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (سورۃ الفتح ۴۸: آیات ۱۸ تا ۲۱)

ان آیات میں فتح قریب سے مراد ''فتح خیبر'' ہے جو صلح حدیبیہ کا انعام تھی۔ قرآن نے اس بات کی تصریح کر دی کہ خیبر کی غنیمتیں اصحابِ رضوان کے لئے مخصوص تھیں۔ اسی لیے حضور ﷺ نے خیبر پر حملہ کے وقت دوسروں کو شریک نہیں کیا تھا۔ حبشہ سے واپس آنے والے مہاجروں اور بعض دوسرے صحابیوں کو جو حصہ دیا تھا وہ یا تو خمس سے دیا گیا یا اصحابِ رضوان کی اجازت و رضا مندی سے۔ حق کے طور پر کسی کو کچھ نہ دیا گیا۔ اصحابِ رضوان کے مرتبہ کا شاہد تو خود قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی خوشنودی کا اظہار واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے دن اپنے ان اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آج تم اس کرۂ ارض کی بہترین جماعت ہو۔

انتم خیر اھل الارض [1]

---

[1] ...... بخاری، کتاب المغازی (غزوۃ الحدیبیہ)

# صلحِ حدیبیہ کے بعد عالم گیر دعوت اور فتح خیبر

صلحِ حدیبیہ اس حقیقت کا عملی اظہار تھی کہ قریش نے اسلام کو ایک "فریق" کا درجہ دے دیا۔ دس سال کی جنگ بندی۔ دعوتِ ربانی کے دوسرے مرحلے کا آغاز تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام، صرف جزیرہ نمائے عرب کے لئے رسول بن کر نہیں آئے تھے، بلکہ وہ عالم انسانیت کی طرف اللہ کے پہلے اور آخری رسول ﷺ تھے۔ سورۃ الاعراف مکی دور کے آخری زمانہ کی سورت ہے جس میں ساری دنیا کے انسانوں سے یوں خطاب فرمایا گیا ہے۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ۨالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

"آپ کہہ دیجئے کہ (اے دنیا جہاں) کے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین پر ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو ایسے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے (ایسے) نبی امی پر (بھی) جو کہ (خود) اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان (نبی) کا اتباع کرو تا کہ تم (راہ راست) پر آ جاؤ۔" (الاعراف ۷: آیت ۱۵۸)

الانبیاء بھی مکی سورت ہے اور اسی میں حضور سرور کائنات ﷺ کو دنیا جہاں کے لئے رحمت قرار دیا گیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (سورۃ الانبیاء ۲۱ آیت ۱۰۷)

صلحِ حدیبیہ کے بعد وہ مرحلہ آ گیا جب نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی آفاقیت اور عالم گیری کو

نئے انداز سے قرآن حکیم نے پیش کیا۔ سورۃ الجمعہ مدنی سورت ہے جس کا پہلا رکوع صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوا۔ ❶ اس میں حضورِ ختم الرسل ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوا۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اُن کی زندگی کو سنوارتا اور اُن کو پاک کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ (اس رسول کی بعثت سے) پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے اور (اس رسول ﷺ کی بعثت) ان دوسرے لوگوں کے لئے بھی ہے جو ابھی اُن سے نہیں ملے ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکیم ہے۔'' (سورۃ الجمعہ ۶۲: آیات ۲۔۳)

سورۃ الجمعہ کی تیسری آیت اس حقیقت کی قرآنی شہادت ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لئے تمام عربی و عجمی اقوام کے لئے ہے۔

صلح حدیبیہ کے ''فتح مبین'' ہونے کا پہلا ثبوت یہ حقیقت بنی کہ حضور ﷺ نے سلاطین وامرائے عصر کے نام تبلیغی خطوط اپنے سفیروں کے ذریعہ ارسال فرمائے۔ عالم گیر تبلیغ کا یہ سلسلہ محرم ۷ھ سے شروع ہوا ہجرت کے بعد اسلامی تاریخ کا نہایت اہم سال ہے۔

شاہِ حبش کو حضرت عمرو بن امیہ کے ذریعہ مکتوبِ نبوی بھیجا گیا، قیصر روم کے دربار کے لئے حضرت دحیہ بن خلیفۃ الکلبی کو سفیر کے طور پر چنا گیا؛ خسرو پرویز شہنشاہِ ایران تک تبلیغی خط لے جانے کی سعادتِ عظمیٰ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ کو حاصل ہوئی؛ والیِ مصر تک پیغامِ حق پہنچانے کی خدمت حضرت حاطب ؓ نے اپنے ذمہ لی؛ روسائے یمامہ تک سفیر رسالت بن کر حضرت سلیط بن عمر ؓ گئے اور حاکم شام کے حضور کلمۂ حق کی ادائیگی کا فرض حضرت شجاع بن

❶ ..... عام خیال یہ ہے کہ اس کا سال نزول ۷ھ ہے، اور یہ رکوع فتح خیبر کے بعد نازل ہوا۔ ہم نے سیاق وسباق کی مناسبت سے اسے فتح خیبر کے ذکر سے پہلے پیش کیا ہے، کیونکہ مقصدِ تبلیغ کے اس نئے مرحلہ کی نشان دہی ہے۔

وہب الاسدی ﷜ نے انجام دیا۔ ❶

ان خطوط میں حضرت سیدنا محمد ﷺ نے ان حکمرانوں، امیروں اور رئیسوں کو دینِ حق کی دعوت دی۔ جو اہلِ کتاب تھے ان کے نام خطوط میں آپ ﷺ نے تحریر فرمایا:۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... ❷ (آل عمران ۳: آیت ۶۴)

”اے اہلِ کتاب! اُس چیز کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کو خدا نہ بنائے۔“

وہ جن کی فطرت میں سعادت تھی، ان خطوط کی طرف متوجہ ہوئے، اور وہ جنہیں تاریخ کے لئے مثالِ عبرت بننا تھا، سرکشی کے مرتکب ہوئے اور پھر وقت کی سدا جاگنے والی آنکھ نے دیکھا کہ ان کی سلطنتیں کس طرح پارہ پارہ ہو گئیں۔

قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے، جو تجارتی دورے پر تھے حضور ﷺ کی صداقت اور ایفائے عہد کی شہادت دی؛ حالانکہ ابوسفیان، اس وقت حضور ﷺ کے دشمنوں کے سرخیل تھے۔ خسرو پرویز نے نامۂ رسالت کو چاک کر کے اپنی سلطنت کے مقدر پر مہر ثبت کر دی۔ چند ہی برسوں کے بعد رسولِ عربی ﷺ کے غلاموں نے عجم کی سطوت کا فرانہ کو ایمان کے قدموں سے کچل ڈالا، اور عظمتِ ایران بکھر گئی۔ شاہ حبش نجاشی نے مکتوبِ نبوی ﷺ پڑھ کر حضرت جعفر طیار ﷜ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ ❸ عزیزِ مصر نے سفیرِ رسول ﷺ کی تکریم کی اور

---

❶ ......اوّل اوّل یہی چھ خطوط چھ سفیروں کے ذریعے بھیجے گئے۔ اس کے بعد بھی اکرم ﷺ نے حاکم بحرین، حاکم عمان، والی معان (اردن میں ہے)، امیر بصریٰ، حاکم دومۃ الجندل، روسائے حضرموت، روسائے بنی وائل کے پاس سفارتیں بھیجیں۔ کم از کم ستر حاکموں، بادشاہوں اور رئیسوں کے پاس مکاتبِ نبوی بھیجے گئے۔

❷ ......مکتوب رسول کریم ﷺ بنام قیصر۔

❸ ......اس سلسلہ میں کئی روایتیں ایسی موجود ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو نجاشی سے کس درجہ محبت اور انسیت تھی۔ تاریخ طبری کے مطابق نجاشی نے ہی حضرت ام حبیبہؓ کو حضور ﷺ کی جانب سے نکاح کا پیغام دیا تھا، اور ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ جب مدینہ منورہ تشریف لائیں تو سرورِ کون و مکاں ﷺ ان سے نجاشی کے حالات بڑے شوق اور محبت سے سنتے تھے۔ اسی طرح جب نجاشی کی سفارت مدینہ آئی، اور اس سفارت کے ارکان کی مہمانداری خود حضور ﷺ نے فرمائی اور یہ کہتے ہوئے کہ ”ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے، اس لئے میں خود ان کی خدمت گزاری کرنا چاہتا ہوں۔“

آپ کی خدمت میں تحفے بھیجے۔ ان تحفوں میں حضرت ماریہ قطبیہؓ بھی شامل تھیں جنہیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ رضی اللہ عنہا۔

صلحِ حدیبیہ کے فتح مبین ہونے کا دوسرا ثبوت یہ حقیقت بنی کہ جب قریش کے نوجوانوں کو مسلمانوں سے قدرے قربت نصیب ہوئی تو ان کے دل کی دنیا بدلنے لگی، تاریکیوں کے قلب میں نور کی کرنیں پھوٹنے لگیں؛ پتھر جیسے دلوں میں ایمان کے چشمے فطرت کے زور دروں سے پھوٹنے لگے۔ یہی وہ دور تھا جب خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما جیسے سپہ سالاروں کو اسلام نے جیت لیا۔ یہ معرکہ ایسا تھا کہ خالد اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے نہایت خوشی کے ساتھ اپنے وجود کو اس دین کے سپرد کر دیا جس کو مٹانے کے لئے انہوں نے اپنی تلواروں کے جوہر دکھائے تھے۔ خالد کو حضور نبی کریم ﷺ نے سیف من سیوف اللہ قرار دیا...... اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار۔ عہدِ خلافت میں اسی تلوار نے قیصر کی سلطنت کو زیر و زبر کر دیا، اور عمرو بن عاص نے فراعین کی سرزمین کو اسلام کے آگے جھکا دیا۔

صلحِ حدیبیہ کے سلسلہ میں یہ بات پہلے ہی عرض کی جا چکی ہے کہ یہ صلح فتح خیبر کا مقدمہ بنی اور اس سلسلہ میں سورۃ الفتح کی آیات ۱۸ تا ۲۱ گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں۔

خیبر مدینہ کے شمال میں واقع ہے۔ ابنِ سعد کے مطابق خیبر مدینہ سے سو میل کے فاصلے پر ہے۔ شبلی نے ڈاوٹی کے حوالہ سے فاصلہ دو سو میل لکھا ہے، جو درست نہیں معلوم ہوتا۔ مدینہ سے بنو نضیر کی جلاوطنی کے بعد خیبر یہودیوں کی طاقت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔ خیبر کا علاقہ لاوے کی جلی ہوئی پہاڑیوں کے درمیان سات وادیوں پر مشتمل تھا۔ عرب کے ریگستان میں یہ علاقہ جیسے سرسبزی و شادابی کی ایک جنت تھا۔ چشمے ان وادیوں میں رقصاں و غزل خواں سفر کرتے۔ انجیر پر سبز شمعیں فروزاں ہوتی تھیں ترنج اور لیموں کے شگوفوں کی خوشبو ہوا کے دوش پر سفر کرتی ہوئی دور تک اس علاقے کی شادابی کی داستاں پہنچا دیتی۔ انگور کی بیلیں سایۂ دیوار کا کام دیتیں اور کھجور کے تناور درختوں کے نیچے آرام کرنے والوں کو صحرائے عرب کا سرکش سورج بھی اپنی کرنوں کے لشکر سے پریشان نہ کر سکتا تھا۔

ایک طرف تو فطرت کی یہ فیاضیاں اہلِ خیبر کے حصہ میں آئی تھیں اور دوسری طرف اپنی دولت اور وسیع وسائل سے انہوں نے اپنے زعم میں چھ ناقابلِ شکست قلعے سالم، قموص، نطاۃ،

قصاۃ، مربطہ اور شق تعمیر کے لئے تھے۔ ❶ ان قلعوں میں بیس ہزار سے زیادہ سپاہی آہن وفولاد میں غرق اپنی طاقت کے نشہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

حضور ﷺ صلحِ حدیبیہ کے بعد مدینہ لوٹے تو اہلِ خیبر نے اس صلح کو مسلمانوں کی کمزوری سمجھتے ہوئے ایک بار پھر فتنہ انگیزی کی غرض سے سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ غزوۂ احزاب کی شکست ان کے دلوں کا ناسور تھی۔ طبقاتِ کبیر ابن سعد کے حوالے سے صاحبِ ''رحمۃ للعالمین'' نے لکھا ہے۔

''نبی ﷺ کو سفر حدیبیہ سے پہنچے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن (ایک ماہ سے کم) ہوئے تھے کہ سننے میں آیا خیبر کے یہودی پھر مدینہ میں حملہ کرنے والے ہیں''۔ ❷

تحقیق سے یہ خبر درست ثابت ہوگئی۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو تحقیق اور حالات کے جائزے کے لئے بھیجا اور وہاں انہوں نے یہودیوں کے سردار اسیر بن رزام کی سازشوں اور ارادوں کو پوری طرح جان لیا اور یہ بات واضح ہوگئی کہ یہود اب کسی معاہدہ کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ ایک فیصلہ کن جنگ کے خواہاں ہیں۔

اب مشیتِ ایزدی نے وقت اور تاریخ کے دھارے کو اسلام کے حق میں موڑ دیا تھا۔ کچھ ہی دن پہلے کی بات تھی کہ مسلمان خندق کھود کر اپنے شہر کی مدافعت کر رہے تھے اور اب وہ وقت آگیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان فرمایا۔

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجهاد

''ہمارے ساتھ کوئی نہ آئے سوائے اُن کے جو طالب جہاد ہیں''

یوں خیبر پہلا معرکہ ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے تمام گزشتہ غزوات سے مختلف ہے۔ اس غزوہ کے ذریعہ اسلام کے مفتوحہ علاقوں کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔

جب محرم ۷ھ میں نبی اکرم ﷺ نے خیبر کا مقصد فرمایا تو وہی اعراب اور بدو شریکِ سفر ہونے کے لئے بے قرار تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر عمرہ میں شریک ہونے سے گریزاں تھے اور جن کے نزدیک وہ سفر موت کی وادیوں کی طرف سفر تھا۔ اس صورتِ حال کو سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ

❶ ...... ابن سعد نے قلعوں کی تعداد ۹ بتائی ہے اور نام بھی دیئے ہیں۔

❷ ...... قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ للعالمین جلد اول، صفحہ ۹۔ ۲۱۸، شیخ غلام علی لاہور

پہلے ہی بیان فرما چکا تھا سورۃ الفتح حدیبیہ سے واپسی کے وقت نازل ہوئی تھی۔

سَیَقُوۡلُ الۡمُخَلَّفُوۡنَ اِذَا انۡطَلَقۡتُمۡ اِلٰی مَغَانِمَ لِتَاۡخُذُوۡهَا ذَرُوۡنَا نَتَّبِعۡکُمۡ ۚ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّبَدِّلُوۡا کَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ لَّنۡ تَتَّبِعُوۡنَا کَذٰلِکُمۡ قَالَ اللّٰهُ مِنۡ قَبۡلُ ۚ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ بَلۡ تَحۡسُدُوۡنَنَا ؕ بَلۡ کَانُوۡا لَا یَفۡقَهُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۝

''جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے چلو گے کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدل ڈالیں آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ تم (لوگ) ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے تو وہ لوگ کہیں گے کہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (اسی لئے روک رہے ہو، یہ بات نہیں ہے) بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں۔'' (الفتح ۴۸: آیت ۱۵)

حضور ﷺ نے مدینہ کی نظامت حضرت سباع بن عرفطہ ؓ کے سپرد کی اور تقریباً ڈیڑھ ہزار رفقاءؓ کے ساتھ خیبر کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ تقریباً سو میل کا یہ فاصلہ اسلامی لشکر نے اللہ کی نصرت اور مدد کے سائے میں طے کیا۔ جب یہ جماعت حقہ خیبر پہنچی تو رات کا وقت تھا اور یہودی بے خبر تھے۔ وہ مسلمانوں کی پیش قدمی کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کی اس بے خبری سے ''فائدہ'' نہ اٹھایا۔ آپ ﷺ کبھی رات کو دشمن سے جنگ کا آغاز نہیں کرتے تھے۔ مجاہدین نے خیبر کے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عبادت شب میں جہاں اپنے رب سے عالم انسانیت کے لئے فلاح طلب کی اور مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کا عطیہ مانگا، وہاں خیبر کی بستی اور خیبر میں رہنے والوں کے لئے دعائے خیر کی۔

انا نسئلک خیر هذه القریة و خیر اهلها و خیر مافیها

''اے خدا ہم تجھ سے اس بستی کی، بستی والوں کی، اور بستی کی چیزوں کی بھلائی طلب کرتے ہیں۔''

انسانی تاریخ نے اس سے پہلے ایسا ''حملہ آور'' کب دیکھا تھا جو وحشت و بربریت کی جگہ خیر اور بھلائی کا تحفہ لے کر آیا ہو۔

صبح ہوئی۔ اذان نے شبستان وجود میں ایک لرزش پیدا کر دی اور اسلامی لشکر قلعۂ ناعم کی طرف بڑھا۔ ناعم کی فتح کے بعد دوسرے قلعے بھی آسانی سے فتح ہو گئے لیکن قلعۂ قموص نے اس سیلِ نصرت کو جیسے روک دیا۔ اس آخری قلعہ کا محافظ مرحب تھا جو یہودیوں کے نزدیک فتح کی نوید تھا۔ کئی دنوں کے محاصرہ کے بعد بھی یہ قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ یہ ایسا معرکہ تھا کہ حضرتِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جگرداری بھی اسے سر نہ کر سکی۔ اس فتح کے لئے مشیت ایزدی نے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو چن لیا تھا۔ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ نے میدان کارزار میں آ کر مرحب کو للکارا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا''

اور جب مرحب رجز خوانی کرتے ہوئے سامنے آیا تو ذوالفقارِ حیدری چمکی، مرحب کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور تلوار سنگی خود اور مغفر سے گزر کر "سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی"۔ یہ ایسی ضرب تھی جس کی آواز منتظر فوجوں کے سناٹے میں دور تک گونج گئی۔

اس کے بعد دو باقی ماندہ قلعے بھی جلد فتح ہو گئے۔ خیبر کے مختلف قلعے تقریباً دو ماہ کی جنگوں اور محاصرہ کے بعد فتح ہوئے۔ یہودیوں کا ماضی اتنا داغ دار تھا کہ اگر اُس علاقے سے انہیں نکال دیا جاتا تو بھی انصاف کے کسی تقاضے پر ہلکی سی خراش نہ پڑتی، لیکن نبی اکرم ﷺ نے کھیت اور باغ یہودیوں کے قبضہ ہی میں رہنے دیئے، اور یہودی آدھی پیداوار مدینہ کی اسلامی ریاست کو دینے پر آمادہ ہو گئے۔ (1)

مگر یہودیوں کی ازلی سیہ قلبی پر اس کرم کا بھی اثر نہ ہوا۔ ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ سے آ کر التجا کی کہ ''سرکار! میرے غریب خانے پر کھانا کھا کر مجھے اپنے بخت پر ناز کرنے کا موقع دیں''۔ آپ ﷺ نے یہ دعوت قبول کر لی۔ خیبر کے فاتح نے اپنی رعایا کے ایک عام اور ادنیٰ فرد کی تمنا کا کس طرح احترام کیا، اور اس سلوک کے بدلے اس عورت نے اپنے رہنماؤں کے اشارے پر بھنی ہوئی زہر آلودہ مرغی پیش کی۔ (2) حضور ﷺ کو بھلا کفر کے یہ اوچھے حربے کیا

(1) ...... بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت ﷺ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے۔ وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے کہ اس میں سے جو حصہ چاہو لے لو۔ یہود اس عدل پر متحیر ہو کر کہتے تھے کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔ (شبلی۔ سیرۃ النبی، جلد اوّل، صفحہ ۲۸۹-۹۰ نیشنل بک فاؤنڈیشن۔

(2) ...... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بکری کا گوشت لکھا ہے۔ عورت کا نام زینب بنت حارث یہودیہ تھا اور شہید ہونے والے صحابی حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ تھے۔ (مدارج النبوت حصہ دوم) صفحہ ۲۳۳، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

ضرر پہنچاتے۔ (ایک صحابی ضرور شہید ہو گئے)۔ آپ ﷺ کو بروقت اس ''سازش'' کا علم ہو گیا اور یہودیوں نے اس کا اعتراف بھی کر لیا۔ جب حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ''کس بات نے تمہیں اس پر آمادہ کیا تو جواب دیا''۔

''اگر آپ ﷺ جھوٹے نبی ہیں تو ہمیں آپ ﷺ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ ﷺ (سچے) نبی ہیں تو آپ ﷺ کو زہر ضرر نہ دے سکے گا۔ ❶

فتح خیبر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ نے کنانہ بن الربیع کی بیوہ حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا۔ وہ رئیس خیبر کی بیٹی اور بنو نضیر کے رئیس کی بیوہ تھیں۔ حضور ﷺ نے اس طرح ''حفظِ مراتب'' اور ''تالیفِ قلب'' کی ایسی مثال پیش کی کہ یہود خیبر کے دلوں پر گہرا اثر پڑا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے انہیں اختیار دیا کہ وہ اپنے گھر چلی جائیں یا امہات المؤمنین بھی شامل ہو جائیں۔ صفیہ، جو سعادتِ ازلی سے بہرہ مند تھیں، قربت رسول ﷺ کے حصول کے علاوہ دوسرا فیصلہ کب کر سکتی تھیں۔

خیبر کی فتح، صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی کتابِ نصرت کا نہایت درخشاں باب ہے۔ یہود کی عظمت درِ اسلام پر سجدہ ریز ہو گئی اور یوں مشرکین کی قوت ٹوٹ گئی۔ اب مدینہ کے مسلمانوں کے اجتماعی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا، چنانچہ اسی موقع پر کئی فقہی احکام نافذ کیے گئے۔ جن میں پنجہ دار پرندوں، درندوں، گدھے اور خچر کے گوشت کی حُرمت بھی شامل ہیں۔ کئی روایات کے مطابق متعہ اسی غزوہ کے موقع پر ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا گیا۔

---

❶ ...... بخاری شریف۔

# فتحِ مکہ تک

فتحِ خیبر کے بعد یہود کی طاقت ختم ہوگئی، لیکن وہ اب بھی مکمل طور پر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ تھے۔ فدک اور تیما کے یہودیوں نے خیبر کی شرائط کے مطابق صلح کر لی، مگر وادی القریٰ میں یہودیوں نے اچانک تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ جھڑپ یہودیوں کی شرارت کے سوا کچھ اور نہ تھی اور مختصر سے مقابلہ کے بعد وادیٔ القریٰ کے یہودیوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔

اب اسلام کی بالادستی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ فتحِ خیبر سے فتحِ مکہ تک جو واقعات پیش آئے اور جو سورتیں اور آیتیں نازل ہوئیں اُن کا تعلق مسلمانوں کی دینی زندگی کے نئے تقاضوں اور معاشرتی اور اجتماعی زندگی کے عام مگر بہت اہم پہلوؤں سے ہے۔

صلح نامۂ حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ اگلے سال عمرہ ادا فرمائیں گے۔ صلحِ حدیبیہ کے بعد ہی سورۃ المائدہ نازل ہوئی۔ اس سورت کے مضامین ہی اگلے سال کے عمرہ کی نوید ہیں۔ مشرکین مکہ نے حج کے مناسک کو جس طرح بدل دیا تھا۔ اس کا ذکر ''عرب قبل اسلام'' کے تحت مختصراً کیا جا چکا ہے۔ المائدہ میں مسلمانوں کو ایک طرف ''زیارتِ کعبہ کے سفر کے آداب'' کی تعلیم دی گئی ہے اور دوسری طرف عدل کا سبق۔ مشرکین نے مسلمانوں کو عمرہ کی ادائیگی سے روک کر صدیوں کی روایات کی نفی کی تھی۔ مسلمان انتقاماً ان قافلوں کو مکہ جانے سے روک سکتے تھے جن کے راستے مدینہ اور دوسرے اسلامی علاقوں سے ہو کر گزرتے تھے۔ عادلِ مطلق نے مسلمانوں کو ایسی انتقامی کارروائی اور ظلم سے منع فرما دیا سورۃ المائدہ کی ابتدائی دو آیات ایجاز و جامعیت کا ربانی معجزہ ہیں۔ یہ آیتیں قانون سازوں اور قانون نویسوں کے لئے ایک دبستان اور مکتب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں ان بنیادی احکام کو سمو دیا گیا ہے جن کا تعلق ادائیگی عمرہ سے ہے۔ احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت، شعائر اللہ کا احترام، حرام مہینوں کی حرمت، قربانی اور نذر کے جانوروں پر دست درازی کی ممانعت ان لوگوں کا احترام جو کعبہ کے راہی ہوں۔ اور پھر صاف صاف یہ ارشاد کہ کفار کی طرح تم خانہ کعبہ کی راہ بندی کر کے ناروا زیادتیوں کے مرتکب نہ ہونا۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَوْفُوا۟ بِٱلْعُقُودِ ۚ أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ ٱلْأَنْعَـٰمِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى ٱلصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحِلُّوا۟ شَعَـٰٓئِرَ ٱللَّهِ وَلَا ٱلشَّهْرَ ٱلْحَرَامَ وَلَا ٱلْهَدْىَ وَلَا ٱلْقَلَـٰٓئِدَ وَلَآ ءَآمِّينَ ٱلْبَيْتَ ٱلْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَٰنًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَٱصْطَادُوا۟ ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا۟ ۘ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝

"اے ایمان والو! عہدوں ❶ کو پورا کرو تمہارے لئے تمام چوپائے جو چرنے والے (یعنی اونٹ، بکری، گائے) ہوں حلال کیے گئے ہیں مگر جن کا ذکر آگے آتا ہے، مگر شکار کو حالت احرام (جبکہ تم احرام میں ہو) حلال مت سمجھنا بے شک اللہ جو چاہے حکم کرے۔ اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی، اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی، اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے ڈال کر لے جائیں کعبہ کو، اور نہ اُن لوگوں کی جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں اور اپنے رب کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہوں اور جس وقت تم احرام سے باہر آ جاؤ تو شکار کیا کرو اور ایسا نہ ہو کہ تم اس قوم سے جو اسی سبب سے بغض (دشمنی) ہے کہ اس نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا ❷ وہ تمہارے لئے اس

---

❶ ......ایمان عبادت ہے معرفت اور تسلیم و رضا سے، یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے ارشادات کو صحیح سمجھ کر ان کے سامنے گردن جھکا دینا۔ یوں اسلام حقوق و احکام کی ادائیگی کا عہد واثق ہے۔

❷ ......۶ھ میں مشرکین نے ان تمام شعائر کی بے حرمتی کی تھی۔ حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے ان تمام ساتھیوں کو عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا تھا جو حالتِ احرام میں تھے اور جن کی ساتھ قربانی اور اللہ کی نذر کے جانور تھے۔ کفار مکہ نے محترم مہینے اور بیت الحرام کی حرمت کا بھی احترام نہ کیا۔

کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔"

(سورۃ المائدہ ۵: آیت ۱۔۲)

صلحِ حدیبیہ کے اگلے سال سرورِ دیں ﷺ، بیت اللہ کے طواف اور عمرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ وہ سارے رفیق، اس کاروانِ شوق میں شامل تھے جو پچھلے سال حدیبیہ سے واپس لوٹ آئے، سوائے ان کے جو اس درمیانی مدت میں اپنے خالق سے جا ملے تھے۔

مکے کے ذرات، قلب صفت اس وقت دھڑک اٹھے نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی حرم کی طرف بڑھی۔ مہتابِ رسالت کے گرد صحابۂ کرام ﷺ کی کہکشاں جگمگا رہی تھی۔ حضور ﷺ کے ناقہ کی مہار حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ کے ہاتھوں میں تھی اور ان کے ہونٹوں پر الفاظ رجز بن کر رقص کر رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیله
الیوم نضربکم علیٰ تنزیله

ضربا یزیل الهام عن مقلیه
ویذهل الخلیل عن خلیله

"ہٹ جاؤ کافر، ہٹ جاؤ کافر، اس کی راہ سے ہٹ جاؤ۔ آج اگر تم نے اُترنے سے روکا تو ہم وار کریں گے۔ وہ وار جو سر کو خواب گاہ سے الگ کرے اور قلبِ یار سے دوست کی ہر یاد چھین لے"۔

یہ قافلہ، اہل ایمان تین دن مکہ شریف میں مقیم رہا۔ زعمائے قریش کے لئے نبی اکرم ﷺ کی اس شان سے تشریف آوری اس درجہ گراں ثابت ہوئی کہ ان میں سے بیشتر مکہ چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے تھے اور آپ ﷺ کے واپس تشریف لے جانے کے بعد لوٹے۔ اللہ کا رسول ﷺ کفر کی اس گراں خاطری اور اس کے بطن میں چھپی ہوئی شکست خوردہ ذہنیت کو خوب جانتا تھا، اسی لئے اس نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین پھیروں میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین "اکڑتے ہوئے چلیں"۔ حالانکہ "عباد الرحمٰن" کی عام رفتارِ زندگی میں اس سے مختلف ہوتی ہے اور

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ٥ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ٥ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ٥ (سورۃ الفرقان ۲۵: آیت ۶۳)

''وہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں''

رمل (اکڑ کر چلنا) کے حکم کی ایک اور مصلحت کفار مکہ کے سامنے مسلمانوں کی اعلیٰ جسمانی صحت اور عسکری جذبہ کا اظہار بھی تھی آج بھی عمرہ اور حج کرنے والے اسی سنت پر عمل کرتے ہیں کون جانے ان میں سے کتنوں کے ذہن رمل کے وقت تقریباً چودہ سو سال پیچھے وقت میں سفر کرتے ہوں گے۔''

فتح مکہ سے پہلے کے واقعات میں غزوۂ موتہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ موتہ کے والی شرحبیل بن عمرو غسانی نے تمام آداب و روایات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شاہِ بصریٰ کے نام مکتوبِ رسالت ﷺ لے جانے والے سفیر حضرت حارث بن عمیر ﷜ کو اپنے علاقہ سے گزرتے ہوئے شہید کر دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے جمادی الاول ۸ھ میں تین ہزار سرفروشوں کا لشکر قصاص کے لئے مرتب فرمایا اور حضرت زید بن حارثہ ﷜ کو سالاری کا اعزاز عطا فرمایا۔ حضور ﷺ اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے، اور حضرت زید ﷜ کو اپنا سفید علم عطا فرماتے ہوئے ارشاد کیا کہ زید کی شہادت کے بعد لشکر کے سالار حضرت جعفر طیار ﷜ ابن ابی طالب ہوں گے، اور ان کی شہادت کی صورت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷜ حضرت ابن رواحہ کی شہادت کے بعد لشکرِ اسلام کو اپنے سالار کے انتخاب کا اختیار ہوگا۔

ادھر شرحبیل کو اسلامی لشکر کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی اور جب یہ تین ہزار سرفروش معان کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آگے ایک لاکھ سپاہیوں کے عساکر صف آراء ہیں۔ کچھ صحابہ نے رک کر انتظار کرنے اور حضور رسالت مآب ﷺ کو اطلاع دینے کا مشورہ دیا، لیکن وہ رجز خوانِ رسالت جس کے ہاتھوں میں ادائے عمرہ کے وقت ناقۂ رسالت ﷺ کی مہار تھی اور جس کے ہونٹوں پر نعرہ رقص کر رہا تھا۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ

اس نے اس موقع پر بھی یہ نعرہ مستانہ بلند کیا ''رفیقو! ہم تو عروس شہادت کو گلے سے لگانے یہاں تک آئے ہیں۔ فتح ہمارا مقصد نہیں۔

ع شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن

پیچھے ہٹنا؟ تم میں سے کون اس کے بارے میں سوچے گا اور انتظار آخر کیوں؟

حضرت عبداللہ ﷺ بن رواحہ کا شوقِ شہادت الفاظ کے قالب میں ڈھلا، اور یہ الفاظ رفیقوں کے وجود میں اس طرح اتر گئے جیسے ''شاخِ گل'' میں بادِ سحر گاہی کا نم۔ تین ہزار نے ایک لاکھ کے لشکر کو للکارا۔ حضرت زید ﷺ کی شہادت کے بعد ابو طالب کے بیٹے جعفر طیار صفِ اعداد میں گھس گئے اور تیغ زنی کا ایک نیا باب تاریخ حرب میں اپنے بازوؤں کی قوت سے رقم کیا۔ ان کی شہادت کے بعد جب حضرت عبداللہ ابن عمر ﷺ نے زخم زخم بدن کو میدانِ جنگ سے اٹھایا تو اس شہید راہ حق کے جسم پر نوے زخم نظر آئے۔ ہر زخم سینے پر پایا سائے رخ۔ جعفر کی پیٹھ زخموں سے پاک تھی۔ اب سالاری عبداللہ ﷺ بن رواحہ نے سنبھالی۔ جنت کے دریچوں سے آنے والی شمیم ان کے لئے دعوت تھی۔ ایسی دعوت کو قبول انہوں نے خون کے قطروں سے اپنا راستہ تراشا اور جادہ صد سالہ کو میدان وغا کے چند لمحوں میں طے کیا۔ ابن رواحہ نے تو یہ سارا سفر ہی ان اشعار کو دہراتے ہوئے طے کیا تھا جو ان کے شوقِ شہادت کے آئینہ دار تھے۔

حضرت ابن رواحہ ﷺ کی شہادت کے ساتھ ہی مسلمانوں کے قدم میدانِ جنگ سے اکھڑ گئے۔ اس وقت جب ہزیمت اس لشکر کا مقدر معلوم ہوتی تھی ایک انصاری نے اسلامی پرچم کو سنبھالا۔ برق رفتاری سے ان بھاگتے ہوئے مجاہدوں سے آگے بڑھ گئے اور پھر علم کو زمین میں گاڑ کر حزب اللہ کو آواز دی کہ آؤ اس علم کے گرد جمع ہو جاؤ جو تمہارے مقاصد کی علامت ہے اور جو نبی اکرم ﷺ کا عطا کردہ ہے۔ بھاگتے ہوئے قدم رک گئے۔ امواجِ گریزاں فصیل سنگ و آہن بن گئیں۔ انصاری مجاہد [1] نے علم حضرت خالد بن ولید ﷺ کے سپرد کیا اور پھر خالد ﷺ نے میدانِ جنگ میں اپنی شجاعت کے عملی نمونہ کے ذریعہ دوست اور دشمن پر یہ حقیقت آشکار کی کہ اللہ کی تلوار (سیف اللہ) کیسی ہوتی ہے۔ خالد کا بازوئے شمشیر زن اس دن بازوئے شمشیر شکن بھی بن گیا اور ''سیف اللہ'' کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی ﷺ جلد اول میں اسلامی لشکر کو شکست خوردہ قرار دیا ہے۔

[1] ......ابن ہشام کے مطابق اس انصاری مجاہد کا نام ثابت بن اقرم ﷺ تھا۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے حاشیہ میں اس غلطی کی اصلاح فرمادی ہے۔ ویسے سید صاحب کا یہ فرمانا درست نہیں کہ اس غلطی کی اساس ابن اسحاق کا بیان ہے۔ ابن سعد نے مسلمانوں کو شکست خوردہ بتایا ہے، جب کہ ابن اسحاق کے بیان کے مطابق یہ جنگ کسی فیصلہ کے بغیر ختم ہوئی اور ابن قیم نے بخاری کی روایت کے مطابق مسلمانوں کو فتح مند کہا ہے۔ خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس لشکر کو ''فراری'' نہیں بلکہ ''کراری'' فرمایا، یعنی یہ لوگ پیچھے ہٹے ہی اس لئے تھے کہ پلٹ کر حملہ کریں۔ دوسرے عقلی دلائل اور آثار و قرائن بھی مسلمانوں کی فتح کے بیان کے حق میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمان اپنے مرکز سے بہت دور تھے اور لشکرِ کفار ان سے پینتیس چالیس گنا زیادہ تھا۔ اگر مسلمان شکست کھاتے تو واپسی کیسے ممکن تھی اور دشمن ان کا تعاقب کئے بغیر انہیں واپس کیوں آنے دیتا۔ پھر ایک بے ترتیب اور ہزیمت خوردہ فوج کا فرار کتنے بھیانک نتائج کا حامل ہوتا اور شہدائے موتہ کی مجموعی تعداد سترہ (۱۷) تک محدود نہ ہوتی۔ ❶

❶ ..... صاحب مواہب حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضرت خالد ؓ نے حملہ کیا اور مشرکوں کی بہت بڑی جماعت کو تہ تیغ کیا اور غنیمت پائی۔
شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت جلد دوم (ترجمہ نعیمی) صفحہ ۲۵۹ طبع کراچی ۱۹۷۲ء

# فتحِ مکہ

صلحِ حدیبیہ کے فتحِ مبین ہونے پر گفتگو متعلقہ باب میں کی جا چکی ہے۔ صلحِ حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب کو اپنی مرضی کے مطابق مسلمانوں یا قریش کا حلیف بننے کا حق تھا۔ اس شرط کے تحت دو روایتی حریف اور متحارب قبیلوں میں سے بنو خزاعہ مسلمانوں کے، اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے تھے۔

بنو بکر نے اس معاہدہ کے ڈیڑھ سال کے بعد ہی قریش کی حمایت کے بل بوتے پر خزاعہ پر مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا، انتہا یہ حدودِ حرم میں بھی قریش نے بنو بکر کے ساتھ مل کر بنو خزاعہ کے خون سے اپنی تلواروں کو آلودہ کر لیا۔

رسول اکرم ﷺ مسجدِ نبوی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان تشریف فرما تھے کہ خزاعہ کے فریادی عمرو بن سالم کی قیادت میں فریاد کناں پہنچے اور عمرو کی آواز گونجی۔ ''اے خدا! میں محمد ﷺ کو باہمی عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ہماری نصرت فرمائیے اور اللہ کے بندوں کو (ہماری اعانت کے لئے) آواز دیجئے۔ سب آپ ﷺ کی آواز پر جمع ہو جائیں گے۔'' اس فریاد نے قلبِ رسالت ﷺ کے گداز کو ابھار دیا۔

فریادیوں نے مظالم کی تفصیل بتائی لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس نازک مرحلہ پر بھی انصاف کے ہر تقاضے کو پورا کیا۔ آپ نے قریش کو اپنے قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ:

۱)...... یا تو مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے۔

۲)...... یا قریش بنو بکر کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔

۳)...... یا معاہدہ حدیبیہ منسوخ قرار دیا جائے۔ قریش نے تنسیخ معاہدہ کی شرط منظور کر لی۔ ❶

اس معاہدہ کی تنسیخ کے ذریعہ خود قریش نے کارِ نبوت کی تکمیل کا سامان مہیا کر دیا۔ حرم کعبہ کو بتوں کے وجود سے پاک کئے بغیر سرزمین عرب میں ''توحید خالص کا احیا'' ممکن نہ تھا۔ اب

---

❶...... قاصد کی روانگی کے بعد قریش کو صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا۔ انہوں نے تجدید معاہدہ کے لئے ابو سفیان کو مدینہ بھی بھیجا، لیکن اب یہ تجدید یک طرفہ تھی اور مسلمان کسی طور پر اس کے پابند نہ تھے۔

وہ وقت آ گیا تھا کہ اللہ کا راستہ روکنے والوں سے ان کا مرکز چھین لیا جائے۔ بیت اللہ مسلمانوں کا قبلۂ دینی و ذہنی اور مرکزِ روحانی بن چکا تھا۔ دن میں پانچ مرتبہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہوئے ان کے دلوں میں یہ خیال آتا ہی ہو گا کہ ہمارا مرکز کب تک کفر کے زیرِ نگیں رہے گا۔

حضور ﷺ نے مکہ کی طرف پیش قدمی کی تیاریاں اس احتیاط کے ساتھ شروع کیں کہ اہلِ مکہ کو معلوم نہ ہو۔ چند صحابہ کے علاوہ عام لوگوں کو عزمِ نبوی کے بارے میں کچھ خبر نہ تھی۔ اتفاق سے مکہ معظمہ سے ایک عورت آئی اور حضرت حاطب ؓ بن ابی بلتعہ نے حضور ﷺ کے منصوبہ کے بارے میں مکہ کے بعض سرداروں کے نام خط لکھ کر اسے دے دیا۔ وہ عورت مدینہ سے روانہ ہوئی تھی ہی کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کے رب نے مطلع کر دیا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو بھیجا اور اس جماعت نے مدینہ سے گیارہ میل کے فاصلے پر یہ خط اس عورت سے چھین لیا۔ حضور ﷺ نے جب حضرتِ حاطب ؓ سے اس خط کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

"یارسول اللہ (ﷺ)! واقعی میں نے یہ چھٹی لکھی، لیکن مجھے خدائے علیم کی قسم ہے کہ یہ فعل میں نے نہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی نیت سے کیا اور نہ کافروں کی بھلائی کے خیال سے، بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ دوسرے مہاجروں کی مکہ معظمہ میں رشتہ داری اور قرابت ہے۔ ان کے مال و اولاد کی حفاظت اس رشتہ ناتہ کے سبب ہو رہی ہے اور میں غیر ملک کا رہنے والا ہوں (حضرت حاطب ؓ یمنی تھے) مکہ والوں سے کوئی رشتہ نہیں۔ میرے مال اور اہل و عیال کی حفاظت کرنے والا وہاں کوئی نہیں۔ چونکہ مجھے کامل یقین تھا کہ خدائے برتر اپنے دین کا بول بالا کرے گا اور اس کے نبی کو ہر حال میں فتح ہو گی، میں نے خیال کیا کہ اگر اہلِ مکہ کو اس چڑھائی کی اطلاع دے دوں تو اس سے اسلام اور اہلِ اسلام کو تو کوئی ضرر نہیں، البتہ قریش میرے احسان مند ہو کر میرے اہل و عیال اور اموال کی حفاظت کریں گے۔" ❶

اسلام کی شمشیر برہنہ فاروق ؓ نے کہا۔ "اجازت ہو تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔" یہ سن کر شفقت، رحمت اور محبت کے خمیر سے گندھے ہوئے وجود ﷺ نے فرمایا۔ "عمر!

❶ ...... مولانا اشرف علی تھانوی۔ مختصر بیان القرآن، صفحہ ۷۷۸، مطبوعہ تاج کمپنی ۱۹۵۳ء

یہ بدری ہیں۔ کیا تمہیں وہ ارشادِ ربانی یاد نہیں کہ اہلِ بدر سے کوئی مواخذہ نہیں''۔ یہ سنتے ہی سیلابِ چشم نے عمر ؓ کے غصہ کی آگ بجھا دی۔ سورۃ الممتحنہ کی پہلی آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا۟ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ يُخْرِجُونَ ٱلرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَن تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَـٰدًا فِى سَبِيلِى وَٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِى ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَأَنَا۠ أَعْلَمُ بِمَآ أَخْفَيْتُمْ وَمَآ أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ ٱلسَّبِيلِ ○

''اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو دینِ حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں رسول اللہ ﷺ کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں تم میرے رستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو اور ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر رکھتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ جو شخص تم میں ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بھٹکے گا۔'' (سورۃ الممتحنہ ۶۰: آیت ۱)

۱۰ رمضان ۸ھ کو قافلۂ نبوت مکہ کے نواح میں تھا۔ مرّ الظہران میں لشکرِ اسلام نے پڑاؤ ڈالا۔ رات کو جب خیموں کے گرد مختلف مقامات پر آگ روشن کی گئی تو تاریکی کا جگر چاک ہو گیا۔ شبلی کے الفاظ میں ''تمام صحرا وادی ایمن بن گیا۔'' یہ روشنی اس حقیقت کا اشارہ بن گئی کہ کفر کی رات کا خاتمہ آپہنچا، اور اب ام القریٰ پر اسلام کے سورج کے چمکنے کی گھڑی آ گئی۔ ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ ابن ابی امیہ، مکہ سے نکل کر لشکرِ اسلام میں آ گئے۔ یہ ابوسفیان حضور ﷺ کے چچیرے اور دودھ شریک بھائی اور عبداللہ بن ابی امیہ حضور ﷺ کے پھوپھی زاد

بھائی اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے سوتیلے بھائی تھے۔ دامنِ رحمۃ للعالمین ﷺ نے انہیں اپنے آپ میں سمیٹ لیا۔ ادھر مشہور مخالفِ اسلام ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا جاسوسی کے لئے اسلامی خیمہ گاہ تک آئے۔ نگہبانوں نے انہیں دیکھ لیا حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا تو فوراً واپس ہو گئے، لیکن ابوسفیان کو گرفتار کر کے حضورِ سرورِ کائنات ﷺ پیش کیا گیا۔ حضرتِ عباس ؓ کی سفارش پر آپ ﷺ نے ابوسفیان کو معاف فرما دیا جو اسلام کی بیخ کنی کے سلسلہ میں قریشِ مکہ کا دماغ تھا، جو لشکرِ کفار کے خاص منصوبہ بندوں میں سے تھا، جو حضور ﷺ کے قتل کی سفارش کرنے والوں میں سے تھا لیکن ان سب جرائم پر تبسمِ عفوِ رحمتِ عالم ﷺ نے خطِ تنسیخ پھیر دیا اور وہ تبسم فرمانِ معافی پر مہرِ رسالت کی مانند ثبت ہو گیا۔ ❶

جب کاروانِ رحمت رحمۃ للعالمین مکہ میں داخل ہونے لگا تو حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس ؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو "پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا کر دو" تا کہ وہ اللہ کی نصرت اور اللہ کے لشکر کی پیش قدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور پھر ابوسفیان نے دیکھا کہ وہ جماعت جس نے چھ سال پہلے اسی زمانے (رمضان) میں بدر کے میدان میں انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں کفر کا مقابلہ کیا تھا، آج خوشبو کی موجوں اور دریائے رحمت کی لہروں کی طرح کفر کے مرکز کو جلوہ گہِ توحید میں بدلنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھی۔ حضور ﷺ کے لبوں پر سورۃ الفتح کی آیات تھیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ "عباس! تمہارا بھتیجا تو شہنشاہوں کے جبروت کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہا ہے۔" حضرتِ عباس ؓ نے جواب دیا۔ "ابوسفیان! یہ شہنشاہوں کا جبروت نہیں، یہ حق کا جلال و جمال ہے۔"

یہ وہ گھڑی تھی جب خدائے ذوالجلال و صاحبِ جبروت نے اپنے اس وعدے کی تکمیل تک پہنچا دیا جو اس نے اپنے بندے سے کیا تھا۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ۝

---

❶ ..... ابوسفیان نے اس وقت تو اسلام کی بالادستی کے سامنے پر ڈال کر ایمان قبول کر لیا لیکن بعد کے واقعات شاہد ہیں کہ ان کا اسلام پختہ تر ہو گیا۔ غزوۂ طائف اور یرموک میں ان کی شجاعت ان کے ایمان کی شہادت ہے۔

''اور ہمارے خاص بندوں یعنی رسولوں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے کہ بے شک وہی غالب کئے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے تو آپ (تسلی رکھئے اور) تھوڑے زمانہ تک (صبر کیجئے اور اُن کی مخالفت اور ایذا رسانی کا) خیال نہ کیجئے اور (ذرا) اُن کو دیکھتے رہئے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔''

(الصّٰفّٰت ۳۷: آیات ۱۷۱ تا ۱۷۵)

یہ آیات مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی تھیں جب کفار، ایک موجِ بلاخیز کی طرح اسلام کو بہالے جانے کا یقین رکھتے تھے۔ مسلمان حق پرستی کے عوض ہر ایذا اور ظلم کا ہدف تھے اور اس وقت مؤمنین کے حلقہ کے علاوہ کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ایک دن کفر اپنے مرکز میں حق کے سامنے یوں سربسجود ہوگا۔ آج اسلام نئی عظمت کے ساتھ ام القریٰ کے ایک نئے دور کی تاریخ کا پہلا باب تاریخ کی جبیں پر تحریر کر رہا تھا۔ وہ تحریر جس کے حواشی روم وایران کی فتح تک پھیل گئے۔

اور پھر مکہ والوں نے حیرت کے ساتھ سنا کہ حرمِ کعبہ کے علاوہ ابوسفیان کے گھر کو بھی دارالامن قرار دے دیا گیا۔ یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ جو اپنے گھر کے دروازے بند رکھے گا اس سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ حکیم بن حزام کے گھر کو بھی دارالامن قرار دے دیا گیا۔ لیکن اس سلوکِ رحمت کا بدلہ قریش کی ایک جماعت نے یوں دیا کہ تین صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شہید کر دیا۔ ان کے اس حملہ کو پسپا کرنے کے لئے سیف اللہ خالد ؓ کی تلوار چمکی اور دشمن تیرہ لاشے چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

اللہ کا آخری رسول ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوا۔ یہ حضور ﷺ کے جدِ امجد حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ توحید خانے سے تین سو ساٹھ بتوں کو نکال دینے کی ساعت تھی۔ حضور ﷺ ان بتوں پر اپنی چھڑی سے ضرب لگاتے جاتے اور حضرتِ عبداللہ بن مسعود ؓ کی روایت کے مطابق سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت پڑھتے جاتے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

''حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو مٹنے ہی والا تھا۔'' (بنی اسرائیل ۱۷: آیت ۸۱)

تطہیر کعبہ کے بعد دربارِ نبوت میں قریش کے سردار حاضر ہوئے۔ آج ان سب کی آنکھوں میں ندامت تھی اور دلوں میں خوف کے سائے۔ آج یہ اس کے سامنے کھڑے تھے جسے انہوں نے مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا اور جس کے پیغام کو کچلنے کے لئے انہوں نے مدینہ پر دھاوے کئے تھے۔ حضور ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ تاریخ کے ہر فاتح کے خطبہ سے مختلف تھا۔ اس فاتح نے اللہ کی توحید کا غلغلہ بلند فرمایا اور پھر قریش کو وحدتِ آدم علیہ السلام کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ جاہلیت کا ہر فخر اور ہر غرور خدا نے مٹا دیا۔ برتری نسب کو نہیں تقویٰ کو حاصل ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ آدم علیہ السلام کی نسل سے ہو، اور پھر اس ارشاد کا سلسلہ قرآن حکیم کی اس آیت سے وابستہ کر دیا۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور پھر تمہارے شعوب وقبائل (قومیں اور برادریاں) بنا دیئے تاکہ ایک دوسرے سے تعارف ہو سکے درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔'' (الحجرات ۴۹: آیت ۱۳)

اس خطبے کے بعد حضور ﷺ نے قریش کے سرداروں کی طرف رُخ فرمایا۔ یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ کردار سے تو واقف تھے۔ جانتے تھے کہ یہ ''شریف بھائی'' اور ''شریف بھائی کا بیٹا'' ظلم نہیں کرے گا، لیکن اس جاننے کے باوجود وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ اس فاتح کی زبان سے یہ الفاظ نکلیں گے۔ ''جاؤ تم سب آزاد ہو۔'' نبی اکرم ﷺ پر پروانہ آزادی قرآن حکیم کے ان الفاظ سے جاری ہوا ''لاتثریب علیکم الیوم'' یہ الفاظ ادارہ نبوت کی وحدت اور تسلسل کی بھی گواہی ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے یہی بات اپنے بھائیوں سے ارشاد فرمائی تھی۔

اس سلوک کی نظیر انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ ہمارے دور میں بھی تمدن وتہذیب کے

مدعی مفتوح قوموں کا سودا یوں کرتے ہیں جیسے گورکن آپس میں قبریں تقسیم کر لیں۔ جمعیتِ اقوام سے اقوامِ متحدہ تک۔ ساری روئیداد بس اتنی ہے کہ ع

بہرِ تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے اور مسلمانوں کے خون کے پیاسوں کو صرف ''آزادی'' ہی عطا نہ فرمائی بلکہ نہایت فیاضانہ سلوک کیا۔ مہاجرین کے مکانوں پر قریشِ مکہ کا قبضہ تھا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین سے فرمایا کہ ''تم میں سے جو لوگ مکہ میں رہنا چاہیں وہ اپنے لئے دوسرے مکان بنالیں، لیکن اب ان میں رہنے والوں کو بے گھر نہ کیا جائے۔''

فتحِ مکہ کی نوعیت خطبۂ فتحِ مکہ سے ابھر کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اس خطبہ کے الفاظ آج بھی بتا رہے ہیں کہ فتحِ مکہ کو نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے قدسی نفس ساتھیوں نے ذاتی سربلندی کا سبب نہیں سمجھا، بلکہ ان کے نزدیک یہ فتح، حق و باطل کی اکیس سالہ آویزش میں حق کی فیصلہ کن فتح تھی۔ حق کی یہ فتح تقویٰ کی سربلندی کا اعلان تھی۔ حق کی یہ فتح تمام امتیازات، قومی نسلی اور نسبی افتخار اور باطل فخر کی موت تھی۔ یہ فتح وحدتِ آدم علیہ السلام کے منشور نامہ پر عمل رسول اللہ ﷺ کی محکم اور دائمی مہر تھی۔

# غزوۂ حُنین

بیت اللہ (جو اگرچہ دار الصنم بن گیا تھا) نے مکہ کو اہل عرب کی زندگی میں ایسی مرکزیت عطا کر دی تھی کہ فتح مکہ کے بعد اہل عرب جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے، لیکن ہوازن اور ثقیف کے قبیلے اس صورت حال کے سامنے سپر انداز نہ ہوئے۔ یہ جنگ آزما اور مہم جو قبیلے تھے۔ تیر اندازی میں ہوازن کا کوئی حریف نہ تھا۔ ان قبیلوں نے سوچا کہ اگر وہ اس دین اور اس کے رسول ﷺ کو شکست دے دیں (معاذ اللہ) تو قریش کی جگہ عرب کی قیادت انہیں مل جائے گی۔

اس منصوبہ کے تحت ہوازن اور ثقیف نے مکہ پر حملہ کے منصوبے بنائے۔ نبی کریم ﷺ کو جب اس منصوبے کی مصدقہ خبریں مل گئیں تو آپ ﷺ نے بارہ ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ پیش قدمی فرمائی اور شوال ۸ھ میں دونوں لشکر حنین کے میدان میں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ جب میدان کارزار میں اپنی صفوں اور کثرت پر نظر پڑی تو کتنے ہی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذہنوں میں خیال کی لہر دوڑ گئی کہ اب باطل ہمیں شکست نہیں دے سکتا۔ آج ہم بارہ ہزار ہیں۔ بدر کے میدان میں ہم صرف ۳۱۳ تھے، اور باطل اس وقت بھی ہمیں شکست نہیں دے سکا تھا۔ حق نے اپنے ساز و سامان اور کثرت افراد پر غرور کیا اور پھر حنین کے میدان نے یہ منظر دیکھا کہ محمد ﷺ کے تربیت کردہ سپاہی میدان سے بھاگ رہے تھے۔ ❶ یہ وہ تھے جو چٹانوں جیسی استقامت رکھتے تھے، مگر میدان حنین میں استقامت کی یہ چٹانیں کثرت غرور کے آبشار تلے ڈوب گئیں۔ یہ ان کے انداز فکر کی سزا تھی۔ انہوں نے ایک بار اُحد کے میدان میں بھی ارشاد نبوت کی خلاف ورزی کی تھی اور خاک و خون میں نہا گئے تھے۔ حنین کے میدان میں وہ اللہ کی نصرت پر تکیہ کرنے کی جگہ اپنی قوت پر ناز کر بیٹھے، اور یہ قوت روئی کے گالوں کی طرح فضائے جنگ میں بکھر گئی۔

جب مجاہدوں کو اپنی سمت کا پتہ نہ تھا اس وقت وہ آواز گونجی جس نے انہیں بدوؤں کی جگہ

---

❶ ..... بھاگنے میں پہل فتح مکہ کے وقت اسلام لانے والے نومسلموں نے کی مگر اس وقتی شکست کا سبب اسلامی لشکر کا انداز نظر ہی تھا۔

تہذیب انسانی کا علمبردار اور وحی الٰہی کی عظمتوں کا امین بنا دیا تھا۔ ''یا معشر الانصار'' ۔۔۔۔اور یہ آواز بھاگتے ہوئے قدموں کے لئے زنجیر وفا بن گئی اور بھاگتے ہوئے قدم ایک بار پھر چٹان کی طرح اپنی جگہ جم گئے۔ حجاب اٹھ گیا، نصرت الٰہی کی حقیقت کبریٰ سامنے آگئی اور انصار رسول ﷺ نے ''لبیک لبیک یا رسول اللہ! ﷺ، لبیک لبیک یا رسول اللہ ﷺ'' کے نعروں سے ''یا معشر الانصار'' کا جواب دیا اور اس انداز سے جیسے کوئی نیا لشکر میدان میں آ گیا ہو۔ اب یہ لشکر اپنی تعداد پر ناز کرنے والوں کا لشکر نہیں تھا بلکہ ان قدسی نفس انسانوں کا لشکر تھا جن کو نصرتِ الٰہی پر اعتماد تھا۔ یہ ان کا لشکر تھا جنہوں نے دو سال ہی پہلے درخت کے نیچے حضور ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ جان نثاری کی بیعت، جان کی قیمت پر، جنت کے حصول کی بیعت، اللہ کی رضا کی خاطر باطل سے ٹکرا جانے کی بیعت۔ وہ بیعت جو رسول اللہ ﷺ کے وسیلے اور واسطہ سے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ دشمن نے جب بھاگتے ہوؤں کا یوں جم جانا اور عزم وارادہ کے پیکروں میں بدل جانا دیکھا تو حیرت کے نقش کے سوا اور ہر نقش مٹ گیا، اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے انہیں اس تبدیلی کا راز بتا دیا، اور نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ۔ آپ ﷺ نے بلند آواز میں فرمایا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

''میں رسول ہوں اور یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

اور جب یہ بات سچ تھی تو باطل برومند کیسے ہو سکتا تھا۔ باطل جسکی تقدیر ہی حق کے سامنے سپرانداز ہو جانا ہے۔

سورۃ التوبہ کی دو آیات میں غزوۂ حنین کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے کہ ان میں وہ تمام تفاصیل سمٹ آئی ہیں جو اس غزوے کا ماحصل ہیں، اور اسی کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کی قوت کے سرچشمہ کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ اللہ کی نصرت کے ذکر سے پچیسویں آیت شروع ہوتی ہے۔ یہ ذکر مختصر ہے، مگر اس میں بدر سے لے کر خیبر تک کے تمام معرکوں کی تاریخ سمٹ آئی ہے۔ پہلے چھ لفظوں کے دامن میں یہ پوری تاریخ آ گئی ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ
اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ

عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

''تم کو اللہ تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت (سے) موقعوں پر (کفار پر) غلبہ دیا، اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع (اور لشکر) کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے لئے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی، پھر (آخر) تم پیٹھ دیکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور دوسرے مومنین پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی، اور یہ کافروں کی (دُنیا میں) سزا ہے۔'' (التوبہ۹: آیات ۲۵۔۲۶)

حنین کے میدان میں ہوازن اور ثقیف کے جنگ آزماؤں کو شدید جنگ اور مزاحمت کے بعد اتنی ہی شدید شکست ہوئی، مگر وہ لوگ جانتے تھے کہ وہ اسلام کے خلاف عرب کے آخری معرکہ آراء ہیں اور اس خیال نے ان کو اپنا حوصلہ قائم رکھنے میں مدد کی۔ یہ لوگ اوطاس اور طائف میں دوبارہ مجتمع ہوئے۔ اوطاس کے معرکہ میں مخالفین اسلام کو شکست ہوئی اور جنگی قیدیوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔ ان قیدیوں میں حضور سرور کائنات ﷺ کی دودھ شریک بہن حضرت شیماؓ بھی تھیں۔ جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو انہوں نے بچپن کی ایک بات یاد دلائی۔ ''اے میرے کریم بھائی! تمہیں یاد ہے نا کہ بچپن میں تم نے میری پیٹھ پر کاٹ لیا تھا۔ وہ نشان آج بھی میری پیٹھ پر تمہاری محبت کا نشان بن کر چمک رہا ہے۔'' حضرت شیماؓ کے ان کلمات سے رحمۃ للعالمین کی آنکھوں میں آنسوؤں کے گہر لرزنے لگے۔ حال ماضی بن گیا، وقت نے اپنے فاصلوں کو سمیٹ لیا۔ بھائی نے آگے بڑھ کر اپنی بہن کے لئے اپنی چادر بچھا دی۔ پھر محبت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے بھائی نے بہن کو تحفے عطا کئے اور نہایت احترام سے رخصت کیا۔

اس کے بعد فاتح بدر و حنین ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ بیس دن کے محاصرہ نے ان کی جمعیت اور حوصلوں کو شکست دے دی۔ اگرچہ شہر فتح نہ ہو سکا، لیکن محاصرہ کا مقصد پورا ہو گیا، اور

آپ ﷺ اس مقصد کی تکمیل کے بعد جعرانہ واپس لوٹ گئے۔

خیبر کی طرح حنین اور اوطاس کے غزوات سے بھی بہت سامال غنیمت جماعت مؤمنین کے ہاتھ آیا۔ حضور ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم میں فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والوں کو خصوصی طور پر زیادہ حصہ مرحمت فرمایا۔ یہ بھی اس ابر کرم کی شان تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں نوازا جو فتح مکہ تک آپ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے۔ عادل اعظم ﷺ کے اس فیصلے سے انصار کے بعض حضرات کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قبیلے اور عزیزوں کے زیادہ حصہ دے دیا۔ چہرے کی لکیروں میں اللہ کے نور سے اشیاء کو دیکھتے اور پرکھنے والے ﷺ نے اس خیال کو پڑھ لیا (ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے یا عام مسلمانوں کے سامنے اس خیال کو کون ظاہر کر سکتا تھا۔) حضور ﷺ اللہ کے رسول تھے، امیر المؤمنین تھے، مسلمانوں کے سپہ سالار اعظم تھے۔ آپؐ ﷺ کے فیصلے کے خلاف کون احتجاج کر سکتا تھا، مگر یہ وہ ذات تھی جو مسلمانوں کے لئے رؤف و رحیم تھی، ان کے لئے حریص و عزیز تھی، اور ان کی ادنیٰ سی تکلیف پر جس کی روح بے قرار ہو جاتی تھی۔ یہ وہ ذات تھی جس نے خیبر کے یہودیوں اور خیبر کی بستی کے لئے حملہ کی رات کو دعا فرمائی تھی اور انصار تو آپ ﷺ کی آنکھوں کے تارے اور آپ ﷺ کے دل کی ٹھنڈک تھے۔ حضور ﷺ کو وہ دن یاد تھا جب آپ "ثانی اسلام و غار بدر و قبر" حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے تھے اور ننھی بچیوں نے دف پر یہ نغمہ الاپا تھا کہ:

"چاند نکل آیا ہے، کوہ وداع کی گھاٹیوں سے"

حضور ﷺ نے انصار کو بلایا اور ان کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "اے مدینہ والو! کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب تم گمراہ تھے اس وقت اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت کی دولت عطا کی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ تم بکھرے ہوئے اور منتشر تھے اور اللہ نے میرے ذریعے تم میں الفت، اتحاد اور اتفاق پیدا کیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ تم مفلس تھے اور اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں غنی کر دیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ تم موت سے لرزتے تھے اور اللہ نے میرے ذریعے تمہیں ایمان کی وہ طاقت عطا کی کہ موت کو زندگی سمجھتے ہو۔"

ہادیٔ برحق ﷺ کے ہر فقرے پر جماعت انصار یک زبان ہو کر جواب دیتی۔ "بے شک، بے شک۔ اللہ اور رسول ﷺ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔" اس پر نبی اکرم ﷺ نے نہایت

کرب اور شفقت کے ساتھ فرمایا۔ ''نہیں نہیں۔ میرے رفیقو! تم ٹھیک جواب نہیں دے رہے ہو۔ تم یہ کہو کہ اے محمد (ﷺ)! کیا یہ سچ نہیں کہ جب تیرے شہر والوں اور عزیزوں نے تجھے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ جب مکہ والوں نے اپنے دروازے تجھ پر بند کر دیئے تو ہم نے تجھے پناہ دی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ تو ہمارے درمیان مفلس آیا تھا، اور ہم نے تیری اعانت کی۔'' اور یہ کہنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''عزیزو! تم کہو تو۔ اور میں تمہارے ہر فقرے پر کہوں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ تم سچ کہتے ہو۔'' انصار کے مجمع پر کسی شہر مسحور کے باشندوں کا گمان ہوتا تھا۔ ایک سناٹا تھا کہ فضا پر طاری تھا۔ رسول ﷺ کے انصار تو سانس لیتے ہوئے ڈر رہے تھے کہ کہیں خاموشی کا سینہ مجروح نہ ہو جائے اور اس خاموشی کے سمندر میں محمد ﷺ کی آواز کی جاوداں لہر ابھری اور انصار کے سینوں میں اس طرح اترتی چلی گئی جیسے ایمان کی شعاع نور اتری تھی۔ آپ ﷺ نے کہا۔ ''اے انصار! یہ سب سچ ہے، مگر کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ دوسروں کو اونٹ، بکریاں، خیمے اور تلواریں ملیں اور محمد ﷺ تمہارے حصے میں آئے۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ دنیا کی دولت کے مقابلے میں محمد ﷺ کو اپنے گھر لے چلو۔'' اور پھر تو انصار بے اختیار ہو کر ننھے منے بچوں کی طرح رونے لگے۔ حضور ﷺ کے سامنے جو لوگ ضبط و تہذیب کے مجسموں کی طرح بیٹھتے تھے، جنہوں نے کبھی حبط اعمال کے خوف سے ذات رسالت مآب ﷺ کے سامنے بلند آواز میں گفتگو نہ کی تھی، گریہ یوں ان کے گلوگیر ہوا کہ وہ اپنی چیخوں کو دبا نہ سکے۔

# وفدِ نجران

فتح مکہ اور غزوۂ حنین و طائف نے جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کی جو بالا دستی قائم کردی۔ اب اسے قرب و جوار کی قوتوں اور قبیلوں نے تسلیم کر لیا۔ چند ہی سال پہلے صلح حدیبیہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اپنے قاصد مختلف سلاطین و امراء کے پاس بھیجے تھے اور اب مختلف قوتوں کے وفد دارالاسلام مدینہ آرہے تھے۔

۹ھ ہجری میں نجران کا عیسائی وفد مدینہ آیا۔ نجران کا علاقہ حجاز اور یمن کا درمیانی علاقہ ہے۔ اس علاقے کی اہمیت اور پھیلاؤ کا اندازہ اس سے کیجیے کہ نجران کے عیسائی قبیلے اور ستر (۷۰) سے زیادہ بستیاں ایک آواز پر سوا لاکھ جنگجو سپاہیوں کو میدان کارزار میں صف آرا کر سکتی تھیں۔ ان بستیوں کا نظم و نسق تین سردار مل کر کرتے تھے، اسی لئے اس علاقے کی حکومت کو جمہوری قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو وفد مدینہ آیا اس میں تینوں سرداروں کے ساتھ اس عیسائی جمہوریت کے کم و بیش ساٹھ بہترین دماغ شامل تھے۔ یہ لوگ زندگی کے مختلف شعبوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اسی بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی ریاست کو کس درجہ اہمیت دے رہے تھے۔ یہ وفد ایک طرف تو اسلامی ریاست کے ساتھ اپنے آئندہ تعلقات کا جائزہ لینے آیا تھا اور دوسری طرف اسلامی معاشرہ کا مطالعہ اس کا مقصود تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ لوگ عیسائیت اور اسلام کے عقائد کا تقابل بھی کرنا چاہتے تھے، بلکہ موقع ملنے پر عیسائیت کی تبلیغ بھی ان کی آرزو تھی۔

یہ ایک تاریخی موقع تھا۔ ایسا موقع کہ رب العزت نے حضور ﷺ پر وہ تقریر نازل فرمائی جو آپ ﷺ نے اس وفد کے سامنے پیش کی۔ یہ تقریر سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۳۳ سے شروع ہوتی ہے اور آیت نمبر ۱۲۰ تک جاری رہتی ہے۔ [1] اس تقریر میں نہایت مدلل طور پر عیسائیوں کے غلط عقائد کی تردید کی گئی ہے اور اسلام کا سیدھا اور سچا راستہ ان کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] ...... بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت نمبر ۶۳ تک جاری رہتی ہے اور اس کے بعد کی آیات کا مخاطب یہود سے ہے اور یہ آیات کسی اور موقع پر نازل ہوئی ہیں۔ حتمی طور پر کوئی بات نہیں کی جا سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیائے کرام کی بشریت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس تقریر میں رب علیم و خبیر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے افکار و خیالات اور منصب نبوت کو انہیں کے الفاظ میں (انہیں کی طرف سے صیغۂ واحد متکلم) میں پیش کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس خطاب میں اسلام کے تسلسل اور ان کی عبدیت کو بنیادی نکتہ کی حیثیت حاصل ہے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

"اور ان کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجیں گے (اور وہ کہیں گے کہ) میں تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لے کر آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایک ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندے کی شکل ہوتی ہے پھر اس کے اندر پھونک مارتا ہوں جس سے وہ (جاندار) پرندہ بن جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور جذامی کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ رکھ کر آتے ہو۔ بلاشبہ ان (باتوں) میں (میری نبوت کی) کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہتے ہو اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی یعنی تورات کی اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے لئے یعنی ایسی چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس دلیل لے کر آیا

ہوں حاصل یہ کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو، بے شک اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو تم لوگ اس کی عبادت کرو۔"

(آل عمران ۳: آیات ۴۹ ـ ۵۰)

سورۂ آل عمران میں آپ اس تقریر کو ملاحظہ فرمائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور مقصد نبوت کا ایسا تذکرہ سامنے آتا ہے کہ خود یہ تذکرہ قرآن حکیم کے کتاب الٰہی ہونے کی ایک دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور اسی لئے حضور ﷺ پر یہ تقریر نازل کی گئی تھی کہ اس کے آئینے میں عیسائی وفد اپنے موقف کے بودے پن کا ہر نقش دیکھ لے۔ درج بالا آیات سے یہ حقیقت ہمارے سامنے ابھر کر آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ کو اقتدار اعلیٰ اور اپنے آپ کو اس میں اقتدار اعلیٰ کے خلیفہ اور نمائندے کے طور پر پیش کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی اپنے اقتدار اعلیٰ اور اپنی بندگی کی طرف کوئی اشارہ تک نہ کیا۔ انہوں نے واضح طور پر اپنی قوم کو بتا دیا کہ بندگی صرف اللہ کی ہوگی، رسول کی اطاعت اللہ کے نمائندے کے طور پر کی جائے گی، اور انسانی زندگی میں حلال و حرام، جائز اور ناجائز کا فیصلہ صرف احکام الٰہی کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے وفد نجران پر وحی الٰہی کی روشنی میں یہ بات ثابت کر دی کہ وہ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے ہیں۔ وہ تو اس دین کی تکمیل کے لئے اس عالم آب و گل میں تشریف لائے ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک، تمام رسولوں تک بھیجا گیا۔ لیکن عیسائی وفد نے ہٹ دھرمی اور اپنے مفادات کی بناء پر ان حقائق سے بلا دلیل انکار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو مباہلہ کا حکم دیا۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝

"پس جو شخص آپ ﷺ سے عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں (اب بھی) حجت کرے آپ کے پاس علم (قطعی) آنے کے بعد، تو آپ فرما دیجئے کہ آجاؤ ہم (اور تم) بُلا لیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور

تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے نفس کو اور تمہارے نفس کو (ہم تم دونوں)۔ پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دعا کریں، اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں اُن پر جو (اس بحث میں) ناحق پر ہوں۔" (آل عمران ۳: آیت ۶۱)

وفدِ نجران کے اکثر ارکان آنحضرت ﷺ کی سچائی کے قائل ہو گئے تھے اور باقی ماندہ بھی آپ کی نبوت کے باب میں متزلزل ہو گئے تھے۔ ان کی نفسیاتی کیفیت کا اندازہ اسی حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ وہ اس مباہلہ کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے۔ اس طرح انہوں نے اپنے ناحق پر ہونے کا خود ہی ثبوت فراہم کر دیا۔ ان کی نفسیاتی بے یقینی کا ایک بڑا سبب یہ حقیقت تھی کہ انہیں اپنے بہت سے عقیدوں (مثلاً عقیدہ الوہیت مسیح) کی سند خود اپنی کتابوں میں نہ ملتی تھی۔ یوں اہل عرب نے دیکھ لیا کہ مخالفین اسلام کا موقف کتنا بودا ہے۔

# تربیت کے اعلیٰ تر مرحلے اور ایلا و تخییر

گزشتہ ابواب کے مطالعہ سے یہ حقیقت کئی مقامات پر آپ کے سامنے آئی ہو گی کہ عہد نبوت کے بعض بڑے نازک موقعوں اور موڑوں پر ایسے مسائل بھی سامنے آئے جن کے ابھرنے سے اسلامی معاشرہ کی اندرونی قوت کا اظہار ہوا، تمدنی احکام نازل ہوئے، ملت اسلامیہ کو آداب معاشرت عطا کیے گئے، اور انسانی فطرت اور انسانی کمزوریوں کے حوالے سے تطہیر نفس و معاشرہ کی تعلیم دی گئی۔ واقعہ افک اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کے نکاح کے مواقع کو اپنے ذہن میں دہرائیے، پھر آپ کو سطور بالا کی اہمیت اور مسلمانوں کی تربیت کے مراحل کا پورا اندازہ ہو سکے گا۔

فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لینے والوں کی تعداد بڑھتی گئی اس سے پہلے بھی تمام لوگ اسلامی آداب سے یکساں واقفیت نہ رکھتے تھے اور نہ ہی سب ایمان کے ایک سے درجہ پر فائز تھے۔ سورۂ جمعہ کے حوالے سے یہ نکتہ بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کی سیاسی بالادستی کے بعد ایسے لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی جو سابقون الاولون کی طرح تربیت اور آزمائش کے کٹھن مرحلوں سے نہ گزرے تھے۔ نئے نئے مسلمان ہونے والوں میں ایسے بھی تھے جو آکر ناشائستہ اور تیز آواز میں اللہ کے نبی برحق ﷺ سے گفتگو کرتے، اور اگر نبی اکرم ﷺ ازواج مطہرات کے حجروں میں ہوتے تو آپ ﷺ کے باہر آنے کا انتظار تک نہ کرتے بلکہ باہر سے آوازیں دینے لگتے۔ ان لوگوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو باہر سے مدینہ آتے اور اس وقت اسلامی آداب و معاشرت سے بیگانہ ہوتے اور اپنی پرانی عادتوں کا بے ساختہ اظہار کر جاتے۔

بنی تمیم کا وفد ۹ھ میں مدینہ آیا۔ جس وقت اہل وفد نبی اعظم ﷺ سے ملنے پہنچے تو آپ ﷺ کسی حجرے میں تھے، اور ان لوگوں نے باہر سے ہی آوازیں دینی شروع کر دیں۔ وہ ذات جو مومنین کے لئے رؤف و رحیم تھی یہ سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ مگر رب العزت نے ہماری تاریخ کے اس مرحلہ میں مسلمانوں کو وحی کے ذریعہ ان آداب کی تعلیم فرمائی جن سے یہ جماعت

اپنے عہد (اور ہر عہد) کی تمام جماعتوں سے ممیز کی جا سکے۔ سورۃ الحجرات کی اولین آیات اسی پس منظر (آمد وفد بنی تمیم) میں نازل ہوئیں۔ ❶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا اور (تمہارے سب افعال کو) جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو (ایسا نہ ہو کہ کبھی) تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو، بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے جو لوگ حجروں کے باہر سے

❶ ...... آگے بڑھ کے اس سورت میں دوسرے اہم معاشرتی آداب بھی پیش کیے گئے ہیں، مثلاً ملنے والی خبروں اور اطلاعوں کی تصدیق کے بعد فیصلہ کرنا، باہمی اختلافات کی صورت میں مسلمانوں کا رویہ، تجسس، عیب بینی اور بدگوئی سے احتراز، نسلی امتیازات سے بچنا۔

پکارتے ہیں ان میں سے اکثروں کو عقل نہیں ہے اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر (اور انتظار) کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا (کیونکہ ادب کی بات تھی) اور اللہ تعالیٰ غفور (اور) رحیم ہے۔''

(سورۃ الحجرات ۴۹: آیات ۱ تا ۵)

اس بیان کے آغاز میں مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے ''پیش قدمی'' (سبقت) سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان کسی معاملہ میں خود ہی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ معلوم کرے کہ متعلقہ معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے رسول ﷺ کا طریق کار اور سنت کیا ہے؟ جماعت مومنین سے اس تخاطب کا تعلق صرف انفرادی معاملات تک محدود نہیں بلکہ ہیئت اجتماعیہ اور اجتماعی مسائل سے بھی ہے۔ مسلمان اپنے معاشرہ، ہیئت اجتماعیہ اور سیاسی نظام کے خدوخال وحی الٰہی اور سنت نبوی ﷺ کی روشنی ہی میں اجالتے ہیں۔ اس آیت کا تعلق بھی وفد بنی تمیم سے بیان کیا گیا ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ بنی تمیم پر کسے حاکم مقرر کیا جائے؟ آنحضرت ﷺ کے سامنے اس مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی۔ ''حضرت ابوبکر ؓ نے قعقاع بن سعید کی نسبت رائے دی اور گفتگو بڑھ کر دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔'' [1]

یوں اس معاملے میں ایک طرف تو افضل البشر بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، اور دوسری طرف ''شاہکار رسالت'' حضرت عمر فاروق ؓ کی مثال سے تمام مسلمانوں کو تنبیہ دی گئی ہے، اور دوسری طرف اس میں ہمارے لئے اور ہر دور کے مسلمانوں کے لئے بھی ایک مستقل ہدایت ہے۔ ہمارا رویہ بھی یہی ہونا چاہئے کہ ہم ہر مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رجوع کریں اور جہاں آپ ﷺ کا کوئی حکم پیش کیا جائے اس کو نہایت ادب اور احترام سے قبول کرلیں کیونکہ رسول ﷺ کا مرتبہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ادنیٰ سی بے ادبی ساری زندگی کے اعمال ضائع ہوجانے کا سبب بن سکتی ہے۔

اسی دور میں واقعات کا ایک ایسا سلسلہ وقوع پذیر ہوا جس میں ہم سب کے لئے ایسا ہی سبق موجود ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات میں تمام مسلمانوں کے لئے ابدی ہدایت کا سامان

---

[1] ...... مولانا اشرف علی تھانویؒ، بیان القرآن (مختصر شدہ) صفحہ ۸۲۲

موجود ہے، اسی کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم نے شخصیت پرستی کے تصور کی جڑ اور شاخ کو یوں قطع کر دیا کہ صرف اللہ کے احکام اور ذات رسالت مآب ﷺ ہی کو حجت کا درجہ ملتا ہے۔ امہات المؤمنین کی ذات، ہر مسلمان کے لئے ناموس حیات کا درجہ رکھتی ہے، لیکن ان میں بھی معمولی بشری کمزوریاں وقتی طور پر ابھر ہی آتی ہیں جو حضور ﷺ کے لئے باعث آزار بن جاتی تھیں۔ وہ دین جو دین فطرت ہے وہ ہر مسئلہ کا سامنا کرتا ہے اور انسانوں کو زندگی کے ہر مرحلہ پر ہدایت عطا کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی زندگی "فقر نبوت" سے عبارت تھی۔ فقر اس بے نیازی کا نام ہے کہ آدمی کو مال و متاع دنیا پر تصرف کی پوری قدرت حاصل ہو، اور وہ اس سے بے نیازانہ زیست بسر کرے جب فتوحات کا سلسلہ بڑھتا گیا اور مال غنیمت سے عام مسلمانوں کی زندگی میں بھی خوش حالی کا رنگ گہرا ہوتا گیا۔ اس وقت بھی کاشانۂ نبوت میں یہ کیفیت تھی کہ دو وقت بھی ڈھنگ کی غذا میسر نہ آتی۔ بخاری شریف میں اس باب میں کئی احادیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔ اور یہ وہ احادیث ہیں جن کا تعلق حضور ﷺ کی مدینہ کی زندگی سے تھا۔ ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "ہم پر ایسے مہینے بھی گزرے ہیں جن میں ہم نے آگ تک نہ جلائی صرف کھجور اور پانی پر گزر ہوتی، سوائے اس کے کہ ہمیں (کہیں سے) گوشت مل جاتا۔" اس صورت حال کو سامنے رکھئے اور پھر اس حقیقت کو بھی کہ کاشانۂ نبوت میں جن قدسی نفس بیبیوں سے روشنی تھی ان میں سے کئی ایسے خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں کہ بچپن سے آرام و آسائش کی خوگر تھیں اور انہوں نے اس آسائش کے مقابلہ میں قربت سرور کائنات کو اپنے لئے پسند کیا تھا۔ لیکن عام معاشی خوش حالی کے ساتھ ان میں بھی یہ بشری ردعمل پیدا ہوا کہ وہ بھی توسیع نفقہ کا مطالبہ کر بیٹھیں۔ اس مطالبے میں اگرچہ بھی امہات المؤمنین شامل تھیں لیکن ان میں سے دو نے زیادہ شدت کا اظہار کیا اور اس پر قرآن حکیم نے انہیں یوں متنبہ کیا۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝

اے (رسول ﷺ کی) دونوں بیبیو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرلو تو بہتر

ہے کیونکہ تمہارے دل جھک گئے ہیں اور اگر (اسی طرح) رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں تم دونوں باہم اعانت کرو گی تو یاد رکھو رسول اللہ ﷺ کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے (آپ ﷺ کے) مددگار ہیں۔" (سورۃ تحریم: آیت ۴)

اللہ تعالیٰ کی اس تنبیہ کے بعد امہات المومنین کو اپنے برتاؤ کے نازیبا پہلوؤں کا پوری طرح اندازہ ہو گیا۔ ادھر آیہ تخییر ❶ نے انہیں یہ حق عطا کر دیا کہ وہ چاہیں تو وہ حضور ﷺ سے وابستہ رہ کر دین و دنیا کی برکتیں اور سعادتیں اپنے دامن میں سمیٹ لیں اور چاہیں تو رخصت ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اولوالعزم خواتین جنہوں نے اپنے معاشرے اور بعض صورتوں میں اپنے گھر والوں کو اس قرب پر قربان کر دیا تھا دامن رسالت مآب ﷺ اپنی زندگی کے ہاتھوں سے کیسے چھوڑ دیتیں اور دوسری طرف ان میں حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما جیسے جانثاران رسالت کی بیٹیاں تھیں جو حضور ﷺ کے چہرہ اقدس پر مسکراہٹ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اپنی بیٹیوں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے پر آمادہ تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

"اے نبی ﷺ! آپ اپنی ازواج سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع (دنیوی) دے دوں اور تم کو خوبی (اور اچھے طریقہ) سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ تعالیٰ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول ﷺ اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیکو کاروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجرِ عظیم مہیا کر رکھا ہے۔" (سورۃ الاحزاب ۳۳: آیات ۲۸-۲۹)

---

❶...... معتبر مفسرین کا ایک گروہ آیہ تخییر (اور سورۂ احزاب) کے بارے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ ۵ھ میں نازل ہو چکی تھی اور اس پس منظر سے تعلق رکھتی ہے جس میں حضرت زینبؓ سے حضور ﷺ کے نکاح پر منافقوں نے ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ اس وقت کئی اہم معاشرتی احکام نازل ہوئے تھے۔ مفسرین کا دوسرا گروہ آیہ تحریم، آیہ تخییر کو واقعہ ایلا کے زمانے میں (۹ھ) کی نازل شدہ آیات قرار دیتا ہے۔

توسیع نفقہ کے مطالبہ کے علاوہ اسی زمانے میں ایک اور ایسی بات ہوئی جس نے حضرت محمد عربی ﷺ فداہ ابی وامی کی جمعیت خاطر پر بُرا اثر ڈالا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازواج مطہرات میں کسی سے کوئی راز کی بات فرمائی اور وہ انہوں نے دوسری ازواج سے بیان کر دی، اگرچہ حضور ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ وہ بات بھی کچھ ایسی اہم نہ تھی۔ محض یہ تھی کہ ان بی بیؓ کے پاسِ خاطر سے آپ ﷺ نے عہد کر لیا کہ اب میں شہد کبھی نہیں کھاؤں گا۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ ۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

''اور جب کہ نبی (ﷺ) نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی پھر جب اس بی بی نے وہ بات (دوسری بی بی) کو بتلا دی اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے (بذریعۂ وحی) اس کی خبر کر دی تو رسول اللہ ﷺ نے (ان ظاہر کر دینے والی بی بی کو) تھوڑی سی بات تو جتلا دی اور تھوڑی سی بات کو ٹال گئے سو جب آپ ﷺ نے ان بی بی کو وہ بات بتلا دی وہ کہنے لگی کہ آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑے جاننے والے، خبر رکھنے والے (اللہ تعالیٰ) نے خبر کر دی۔'' (سورۃ التحریم: آیت ۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق ﷺ کو صرف اس واقعہ سے باخبر ہی نہ کر دیا بلکہ مصلحت خداوندی نے کامل ترین انسان کی زندگی کے اس عہد کے پس منظر میں یہ ابدی حکم بھی نازل فرما دیا کہ کسی چیز کو حلال و حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''اے نبی ﷺ! جس چیز کو اللہ نے آپ ﷺ کے لئے حلال کیا ہے آپ ﷺ (قسم کھا کر) اُس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی ازواج کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''
(سورۃ تحریم ۶۶: آیت ۱)

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حلال وحرام کے تعین کا حق صرف ذات باری تعالیٰ کو ہے اور رسول اکرم ﷺ نے جو چیزیں حرام بتائی ہیں، وہ وحی الٰہی کی روشنی میں۔ دوسرا اہم نکتہ ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ باوصف عصمت نبی اکرم ﷺ کا جو قدم ذرا بھی منشائے خداوندی سے ہٹا ہوا تھا قرآن حکیم میں اسے پیش کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات بین طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ حضور ﷺ کی ساری زندگی اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے نمونہ اور معیار عمل ہے اور یہ زندگی ایک ایسی کتاب ہے جس کے تصحیح نگاہ رب العالمین نے کی ہے اور جس میں ایک نقطہ کی غلطی کا احتمال تک نہیں ہے۔

اس طرح امہات المؤمنین کا جو عمل ان کے مرتبہ کے شایان نہ تھا اسے بھی قرآن کی ابدیت نے محفوظ کر دیا ہے تا کہ ملت اسلامیہ کی بیٹیوں کے سامنے یہ مثالیں رہیں اور وہ صراط مستقیم کو اپنا سکیں اسی کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم نے امہات المؤمنین کے مرتبہ اور درجہ کو مسلمانوں کے سامنے اس طرح پیش کیا ہے کہ ان کی طرف انگلی اٹھانا اور انہیں ہدف ملامت بنانا انسان کے ایمان کی بنیاد کو ڈھاتا ہے کیونکہ ان کی تکریم کو قرآن حکیم نے حبِ رسول ﷺ کے ساتھ پیوستہ کر دیا ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ

''مؤمن نبی ﷺ کے ساتھ خود اپنے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج (مطہرات) اُن کی مائیں ہیں۔'' (سورۃ الاحزاب ۳۳: آیت ۶)

یہ تھا وہ پس منظر جس میں نبی کریم ﷺ نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نہ ملنے کا عہد فرمایا۔ اسی کو اصطلاح شریعت میں ایلا کہتے ہیں۔ اتفاق یہ کہ سرور دو عالم ﷺ کے پیر میں زخم آگیا جس کے سبب آپ ﷺ کو ایک بالا خانہ میں گوشہ گیر ہونا پڑا۔ آپ ﷺ کی اس گوشہ گیری اور محزونی طبع کو دیکھ کر ایک صحابی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے اور اس بات کو ایک خبر کے طور پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور دوسروں تک پہنچا دیا اور یوں مدینہ کی فضا سوگوار ہو گئی۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جسارت سے کام لے کر حضور ﷺ سے حقیقت حال دریافت کی اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ خبر درست نہیں ہے تو بے ساختہ ''اللہ اکبر'' کا نعرہ یوں بلند کیا کہ غم واندوہ کے بادل چھٹ گئے اور حقیقت کا سورج چمکنے لگا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں اور مدینہ کی فضا کی

محزونی ختم ہوئی اور مسرت احساس بہار کی طرح فضا میں رچ گئی۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ اصول ملتا ہے کہ قرآن اور اپنے اخذ کردہ نتائج کی تشہیر کی اسلامی معاشرہ میں گنجائش نہیں ہے۔ یوں نبی اکرم ﷺ کے صحابہ ؓ کی غلطیاں ہمارے لئے راہ مستقیم بن گئی ہیں۔ انہیں مثالوں نے ہمارے راستے کو سہل بن دیا ہے، اور شاید ہی انسانی زندگی کی کوئی صورت حال ایسی ہو جس کے سلسلہ میں ہمیں عہد رسالت مآب ﷺ کے واقعات اور حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے روشنی ملتی ہو۔

# غزوۂ تبوک

فتح مکہ اور غزوہ حنین کے ساتھ ہی جزیرہ نمائے عرب میں حق و باطل کی کشمکش ختم ہوگئی۔ لیکن یہ حقیقت خود اس بات کا اشارہ تھی کہ اب اس کشمکش کا دائرہ زیادہ وسیع ہوگیا ہے، کیونکہ حق و باطل کی یہ کشمکش تو ازل سے جاری ہے اور آج بھی ہمارے لئے قیامت کا درجہ رکھتی ہے۔

رومی سلطنت کے ساتھ مسلمانوں کی کشمکش کی جانب گزشتہ صفحات میں بعض اجمالی اور بعض قدرے تفصیلی بیانات پیش کیے جا چکے ہیں۔ حضور ہادی کائنات ﷺ نے جب امرا و سلاطین کے درباروں کو اپنے وفد بھیجے تھے تو رومی سلطنت کے زیر اثر بعض قبائل نے تمام سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر ان ایلچیوں میں سے کئی کو شہید کر دیا تھا۔ ایک وفد کے پندرہ ارکان ذات اطلاح کے مقام پر شہید کیے گئے تھے۔ بصریٰ کے عیسائی والی نے بھی قاصد رسول ﷺ کو شہید کر دیا تھا۔ انہیں واقعات کے بعد ❶ غزوۂ موتہ میں ایک لاکھ سے زیادہ فوج سے فانوسِ توحید رسالت کے تین ہزار پروانے جا ٹکرائے اور یوں کہ باطل غالب نہ آسکا۔

فتح مکہ کے بعد رومی سلطنت نے یہ بات اور زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کی کہ اگر فوراً اس ''نئے مذہب'' کی بیخ کنی نہ کی گئی تو یہ ایک سیاسی اور عسکری طاقت بن کر سلطنت روم پر چھا جائے گا۔ رومی سلطنت کے ارباب حل و عقد نے مسلمانوں سے الجھنے کے لئے شام کے عیسائی حکمران خاندان غسانی کو چنا۔ دوسرے عیسائی قبائل بھی اس مہم میں ان کے شریک تھے۔ ان کی جنگی تیاریوں کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مدینہ میں ان کے اچانک حملہ سے بچنے کے لئے محافظوں کی ''شب گشتی'' کا نظام قائم کر دیا گیا تھا۔ رومیوں نے شام میں ایک لشکر جرار جمع کیا اور سپاہیوں میں سال بھر کی تنخواہ بانٹ دی تا کہ وہ اپنے متعلقین کی طرف سے بے فکر رہیں۔ ادھر مدینہ میں

---

❶ ..... جنگ موتہ کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ اس سریہ کو قلم اور زبان بے ساختہ لکھ اور کہہ جاتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ جنگ اس اعزاز کی مستحق بھی ہے کیونکہ اس کے پہلے تین سالاروں کی نامزدگی فاتح بدر ﷺ نے خود فرمائی تھی اور اس سریہ کو آپ ﷺ نے بڑے اعتماد کے ساتھ بھیجا تھا۔ پھر جب لشکر اسلامیان غزوہ موتہ سے واپس آیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے اسے ''کراری'' قرار دیا تھا۔ اور اسی مافوق البشر شجاعت و عزم کا نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ شام سے لیکر عراق تک کے پھیلے ہوئے کئی عیسائی اور نجدی قبیلوں کے ہزاروں افراد حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔

منافقین کی سازشوں اور سرگرمیوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا۔ مدینہ کے منافق ابو عامر راہب کے توسط سے رومیوں اور غسان کے عیسائیوں کے ساتھ رابطہ قائم کر چکے تھے۔ اور انہوں نے مسجد ضرار کو اپنی سازشوں کا گڑھ بنا لیا تھا۔ یوں تخریب دین کے لئے مسجد کی تعمیر کی گئی تھی۔

جب نبی کریم ﷺ کو اللہ کے عطا کردہ علم، اپنے ذرائع اور شام سے آنے والے سوداگروں کے ذریعہ اس تیاری اور مدینہ پر حملہ کے رومی اور غسانی منصوبے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے عام لام بندی کا حکم فرمایا۔ ہر مسلمان کو شرکت جہاد کے لئے طلب کیا گیا، اور وحی الٰہی نے اس طلبی پر لبیک کہنے کو ایمان کی علامت قرار دیتے ہوئے بتا دیا کہ جو اس جہاد میں شرکت سے پہلوتہی کرے گا وہ عذاب الیم کا مستحق ٹھہرے گا۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"اگر تم نہیں نکلو گے (جہاد کے لئے) تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دے گا (1) (ہلاک کر دے گا) اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو پیدا کر دے گا (اور اُن سے اپنا کام لے گا) اور تم اللہ (کے دین) کو کچھ نہ ضرر پہنچا سکو گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔" (سورۃ التوبہ ۹: آیت ۳۹)

یہ رجب ۹ ھ کا واقعہ ہے۔ شمسی تقویم کے اعتبار سے اگرچہ نومبر ۶۳۵ء کا مہینہ تھا، مگر سخت گرمی پڑ رہی تھی، سخت قحط سالی کا عالم تھا، دوسری طرف فصلیں تیار تھیں، اور لوگوں نے اچھی فصل کی امید کے سہارے کڑے دن گزار دیئے تھے۔ پھر صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کی کوئی مستقل فوج نہ تھی۔ ہر مسلمان اللہ کا سپاہی تھا، لیکن اس بار دور دراز کا سفر درپیش تھا اور مقابلہ دنیا کی عظیم ترین دو طاقتوں میں ایک سے تھا۔ سواری کے جانوروں کے ساتھ اسلحۂ جنگ کی فراہمی کا مسئلہ سنگین تھا۔ اس لئے عسکری تیاریوں کے لئے فوری طور پر بہت سرمائے کی ضرورت آن پڑی۔ یہ جماعت سرمایہ داروں کی جماعت تو تھی نہیں، یہ ان کی جماعت تھی جنہوں نے انفاق کو اپنا شعار بنا لیا تھا اور زراندوزی سے کوئی بہرہ نہیں رکھتے تھے، لیکن اس

(1) ...... یہی آیت اس حکم کی بنیاد ہے کہ جب مسلمانوں کا امیر، مسلمانوں کو جہاد کی عام دعوت دے تو شرکت جہاد سب کے واسطے فرض ہو جاتی ہے۔

''چیلنج'' کا مقابلہ کرنے کے لئے اہل ایمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے ۔ اپنی ذاتی ضرورتوں کا خیال کسی کو نہ رہا۔ جس کے پاس جو کچھ تھا اسی کے مطابق جہاد کی تیاریوں میں حصہ لیا۔ اگر ایک طرف حضرت عمر ﷺ نے اپنے اندوختہ کا آدھا حصہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور حضرت عثمان ﷺ نے کم وبیش ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے پیش کئے تو دوسری طرف حضرت ابوعقیل انصاری ﷺ دو سیر چھوہارے لے کر حاضر ہو گئے۔ کسی کے کھیت میں کام کر کے انہیں اپنی مزدوری اور حق محنت کے طور پر چار سیر چھوہارے ملے تھے۔ آدھے چھوہارے بال بچوں کو دے آئے اور آدھے چھوہارے مسلمانوں کے ''عسکری فنڈ'' میں دے دیئے۔ اقبال کی وہ نظم جس میں صدیق اکبر ﷺ کے ایثار کا ذکر ہے، اسی موقع سے متعلق ہے۔

اک دن رسول پاک ﷺ نے اصحاب سے کہا
دیں مال راہ حق میں جو ہوں تم میں مال دار

صدیق اکبر ﷺ نے تو اپنے مال ومتاع اور گھر کے اثاثہ میں بال بچوں کا بھی کوئی حصہ الگ نہیں کیا، بلکہ اس رفیق نبوت نے تو یہ کہتے ہوئے اپنا سارا سرمایہ شمع نبوت ﷺ کے قدموں پر پروانہ وار نثار کر دیا تھا۔

ع صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ حالات ایسے ہی ایثار کا تقاضا کر رہے تھے۔ اسلامی ریاست قحط سالی کا شکار تھی، موسم بہت سخت تھا اور مسلمانوں کی مالی کیفیت یہ تھی کہ مجاہدین کے لئے سواریوں کا انتظام کرنا بھی پوری طرح ممکن نہ تھا اور کتنے ہی صاحبان ایمان جذبہ جہاد کو دلوں میں دبائے ہوئے مایوس لوٹ گئے کیونکہ ان کے لئے سواری کے جانور نہ تھے اور مدینہ سے تبوک کا فاصلہ کوئی پونے چار سو میل تھا۔ اور پھر اس جہاد سے پہلوتہی کو ''عذاب الیم'' کا مورد قرار دیا گیا تھا، اس سے ان ''بے سروسامان'' مجاہدوں کا اضطراب کچھ اور ہی بڑھ گیا تھا۔ ان کے اضطراب کو اس حقیقت نے کچھ اور بھی بڑھا دیا تھا کہ منافق بہانے اور عذر تراش کر اپنے گھروں میں بیٹھ گئے ۔ قرآن کریم نے ان مومنوں کو تسلی دیتے ہوئے انہیں ''محسنین'' میں شامل کیا اور منافقوں کے مکروفریب کے پردے چاک کر دیئے۔ منافقوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ گھر بیٹھ رہے ہوں بلکہ انہوں نے افواہ سازی اور جھوٹی خبروں کی تشہیر کو اپنا پیشہ بنا لیا اور فتنہ پیدا کرنے کے مواقع

پیدا کرتے رہے۔ ان منافقین کے علاوہ وہ اعراب بھی جہاد سے بھاگتے رہے جو نئے مسلمان ہوئے تھے، اور ایمان نے جن کے دلوں میں جگہ نہیں بنائی تھی۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِیُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِیْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَّلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِیَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

''اور کچھ بہانہ باز لوگ اعراب (دیہاتیوں) میں سے آئے تاکہ ان کو (گھر رہنے کی) اجازت مل جائے اور (ان میں سے) جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے بالکل ہی جھوٹ بولا تھا (اپنے دعویٰ ایمان کے سلسلہ میں) وہ بالکل ہی بیٹھ رہے۔ ان میں سے جو (آخر تک) کافر رہیں گے ان کو دردناک عذاب ہوگا کمزوروں اور کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ مریضوں پر، اور نہ ان لوگوں پر جن کو (اللہ تعالیٰ کی راہ اور سفر جہاد پر) خرچ کرنے کو میسر نہیں جب کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خلوص رکھیں ان محسنوں (اور نیکوکاروں) پر کسی قسم کا الزام نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ اور الزام ہے) کہ جس وقت وہ آپ ﷺ کے پاس اس لئے آتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کو کوئی سواری (سفر جہاد کے لئے) دے دیں تو آپ ﷺ

ان سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کراؤں تو وہ اس حالت میں (ناکام) واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم سے کہ ان کو (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں، پس الزام (اور گرفت) تو صرف ان لوگوں پر ہے جو باوجود اہل سامان (اور صاحب قوت) ہونے کے (گھر میں رہنے کی) اجازت چاہتے ہیں وہ لوگ (نہایت بے غیرتی سے) خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کردی جس سے وہ (گناہ وثواب) کو جانتے ہی نہیں۔" (سورۃ التوبہ ۹: آیت ۹۰ تا ۹۳)

وسائل کی اسی کمی کی وجہ سے غزوہ تبوک کو غزوہ عسرت بھی کہا گیا ہے لیکن حضور ﷺ کے جانثار ذات رسول ﷺ کو اپنی زندگی کا مرکز سمجھتے تھے اور اس مرکز کے گرد تیس ہزار جاں فروش جمع ہوگئے۔ اب مدینہ سے رخصت کی گھڑی آئی۔ حضور ﷺ جب بھی مدینہ سے کسی غزوہ یا کسی بھی کام سے جاتے تو کسی نہ کسی کو اپنا قائم مقام بناتے۔ اس موقع پر حیدر کرار ؓ کے حصے میں یہ سعادت آئی، لیکن اللہ کا شیر تو میدان جنگ میں اپنی تلوار کے جوہر دکھانے اور اپنے خون کے قطروں سے جنت خریدنے کے لئے بے قرار تھا۔ اب یہ صورت حال بخاری شریف کی ایک حدیث میں ملاحظہ کیجئے۔

"رسول اللہ ﷺ جب تبوک کے لئے روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ حضرت علی ؓ نے عرض کیا۔ "کیا آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "علی تم کو خوش ہونا چاہئے کہ میرے نزدیک تمہارا مرتبہ ایسا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں ہارون علیہ السلام کا ہے مگر یہ کہ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا" ❶

رجب ۹ ہجری میں حضور ﷺ جب مدینہ سے نکلے تو تیس ہزار کراریوں کے ساتھ دس ہزار گھوڑے بھی تھے۔ یہ صدیق اکبر ؓ سے لے کر ابو عقیل انصاری تک کے ایثار اور قربانیوں کا ثمرہ تھا۔ راستے میں وہ مقامات آئے جو مغضوب قوموں کی زندہ شہادتوں کا درجہ رکھتے تھے۔

❶ ..... بخاری شریف جلد دوم، صفحہ ۶۸۴۔ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

قوم ثمود کے وہ مکانات جو پہاڑوں کا جگر چیر کر تراشے اور تعمیر کیے گئے تھے، اور جن کی سنگینی اور مضبوطی پر انہیں اتنا یقین تھا کہ عذاب الٰہی کو افسانہ سمجھتے تھے، اور پھر خود افسانہ بن کر رہ گئے۔

حضور اکرم ﷺ نے لشکر اسلام کو ہدایت کی کہ وہ اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے تیزی کے ساتھ اس علاقہ عذاب سے بڑھ جائے۔ یہاں نہ تو قیام کیا گیا اور نہ اس علاقے کا پانی پیا گیا۔

تبوک پہنچ کر فوج مجاہدین کو قیام کا حکم دیا گیا۔ یہاں یہ حقیقت سامنے آئی کہ رومیوں نے حضور ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر سن کر سرحد سے اپنی فوجیں ہٹالیں۔ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء نے کوئی بیس دن تبوک میں قیام فرمایا، پھر مدینہ واپسی کا حکم دیا۔

جب نبی آخر الزماں ﷺ اس فوج حق نشان کے ساتھ نواح مدینہ میں پہنچے تو وقت نے جیسے ماضی میں سفر کرنا شروع کر دیا اور وہ صبح ایک بار پھر طلوع ہوئی جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر یثرب کو مدینۃ النبی ﷺ بنانے کے لئے یہاں پہنچے تھے۔ ایک بار پھر معصوم بچیاں اور عصمت و عفت کے پیکر گھروں سے نکل آئے اور ان کے لبوں پر وہی کلمات استقبال تھے، وہی نغمہ فضاؤں میں پرافشاں تھا۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

چاند ہم پر طلوع ہوا — وداع کی گھاٹیوں سے

وحب الشکر علینا — ما دعا للہ داع!

شکر ہم پر واجب ہے — جب تک اللہ کو پکارنے والا کوئی شخص بھی باقی ہے

غزوہ تبوک اسلام کے غلبہ کا ایک اور عنوان بنا۔ غزوۂ خندق کے بعد سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا تھا۔ ''اس سال کے بعد اب قریش والے تم پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ اب تمہارے لشکر ان کی طرف یلغار کریں گے۔'' اور غزوہ تبوک کے بعد اہل عرب اور علاقہ کی تمام قوتوں کو معلوم ہو گیا کہ رومۃ الکبریٰ کی عظمت کا چاند گہنا چکا ہے۔ وہ رومۃ الکبریٰ جس کے لشکر نے ہرقل کے پرچم تلے ایران کی بالادستی کو شکست میں تبدیل کر دیا تھا۔ پھر غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ کا شام کی طرف سفر ایک اشارۂ ربانی تھا۔ اور اسی اشارہ کو سمجھتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی لشکر نے اسی راستے کو اپنا راستہ بنایا۔ حضور ﷺ کے نقوش قدم، وعدہ نصرت کی طرح اس راستے پر چمک رہے تھے اور پھر شام کی سرزمین

مجاہدین اسلام کے قدموں تلے مخمل کی طرح بچھ گئی۔ حضور ﷺ کے اس طویل جہاد نے ان عرب قبائل کے حوصلوں کو ہمیشہ کے لئے پست کر دیا جو رومیوں کی طرف نگاہ امید سے دیکھتے تھے۔ نتیجہ کے طور پر غزوہ تبوک کے بعد سلطنت روم اور مدینہ کے درمیانی علاقے کی قومیں مسلمانوں کی بالادستی کو تسلیم کرنے لگیں اور مختلف ریاستوں اور علاقوں کے وفود نے مدینہ منورہ کا رُخ کیا۔

اللہ ﷻ نے اس غزوہ کا مقصد اپنے رسول کی معرفت اسی وقت اہل ایمان پر واضح کر دیا تھا اور یہ مقصد اسی سفر کے ذریعہ حقیقت بن کر نظروں کے سامنے آ گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

''اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ (اور اس کی مدد) متقیوں کے ساتھ ہے۔'' (سورۃ توبہ ۹: آیت ۱۲۳)

# غزوۂ تبوک کے بعد

## مسجد ضرار۔ کعب بن مالک۔ حج اور برأت۔ عام الوفود

غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں ابو عامر راہب اور مسجد ضرار کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ حضور ﷺ نے مدینہ تشریف لا کر سب سے پہلے مسجد قبا کی تعمیر فرمائی تھی۔ وہ مسجد جس کی بنیاد قرآن حمید کے فرمان کے مطابق پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی سرکردگی میں جماعت مؤمنین نے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کی۔ مدینہ کے مسلمان مسجد نبوی میں نماز ادا کرتے تھے اور مضافات مدینہ کے مسلمانوں کے لئے مسجد قبا تھی۔ اس مسجد کے ہوتے ہوئے منافقوں نے ایک اور مسجد بنا رکھی تھی اور اسے اسلام کے خلاف اپنی سازشوں کا مرکز بنایا۔ یہ منافق اندرونی بغاوت کے ساتھ ساتھ سلطنت روم سے بھی ساز باز کر رہے تھے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے لشکر نصرت کے ساتھ مدینہ سے تبوک کی طرف روانہ ہونے لگے تو ان منافقوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اس مسجد میں ایک نماز کی امامت فرما دیں تا کہ برکت کا سبب بن سکے۔ ان منافقوں کے ارادے اور سازشیں نبی برحق پر اسی طرح آشکار تھیں جیسے ان کے چہروں میں منافقت کی چھپی ہوئی کہانیاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تبوک سے واپس آنے دو۔

جب نبی کریم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لانے لگے تو مدینہ پہنچنے سے پہلے فرمایا کہ اب اس مسجد کے بارے میں فیصلہ کرنے کا وقت آ گیا ہے، اور فیصلہ یہ تھا کہ اس مسجد کو آگ لگا دی جائے۔ قرآن حکیم نے اس مسجد کو مسجد ضرار قرار دیا ہے کیونکہ اس کا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا تھا۔ ❶

آپ ﷺ کے منتخب کردہ صحابیوں کی جماعت نے آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی مسجد ضرار سے اس مقدس سرزمین کو پاک کر دیا، کیونکہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو ہدایات فرما دی تھیں کہ۔

---

❶ ...... کیا آج بھی ایسی مسجدیں تعمیر نہیں ہو رہی ہیں؟ ایسی مسجدیں جن کے منبر سے اہل ایمان کی تکفیر کی جاتی ہے اور اتحاد بین المسلمین کی دھجیاں بکھیری جاتی ہیں۔

لا تقم فیه ابدا (سورۂ توبہ: آیت ۱۰۸)

"آپ اس میں کبھی نماز کے لئے کھڑے نہ ہوں"

اور اس مسجد ❶ کا ذکر رب العزت جل جلالہ نے یوں فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

"کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ (اسلام کو) ضرر پہنچائیں اور (اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جگہ) کفر کریں اور اہلِ ایمان میں پھوٹ ڈالیں (اور تفرقہ پیدا کریں) اور اس (ظاہری مسجد مگر حقیقۃً مرکزِ منافقت) کو اس شخص (ابو عامر) کے لئے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کر چکا ہے وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ بھلائی کے علاوہ ہماری کچھ اور نیت نہیں، اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔" (سورۃ التوبہ: آیت ۱۰۷)

## (۲)

سورۃ التوبہ کی آیت ۳۹ کے حوالے سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ جب مسلمانوں کا امیر جہاد کی عام دعوت دے تو شرکتِ جہاد ہر مسلمان پر فرض ہو جاتی ہے۔

سورۃ توبہ کی آیات ۹۰ تا ۹۳ سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ بہانہ باز اور عذر تراش دیہاتیوں کے علاوہ عام مسلمانوں کے یہ عالم تھا کہ اگر ان کے لئے سواری کا بندوبست نہیں کیا جا سکا تو وہ اشک فشانی کرتے ہوئے واپس لوٹے۔ لیکن مہاجرین و انصار میں بھی کچھ لوگ

---

❶ ..... اس مسجد کی زمین ویران پر نظر ڈالتے ہوئے راقم الحروف کے ذہن میں جو تاثر ابھرا ہے، اسے یوں قلمبند کیا گیا ہے۔ "اسی مسجد قبا کے قریب ویران زمین مسجد ضرار کی نہیں بلکہ منافقت کی بے ثمری کا اشارہ ہے۔ یہ وہ ٹکڑا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس پر مکان بنانے کی اجازت دی، مگر حضور ﷺ کے ان فرماں برداروں اور جانثاروں نے بھی کہا کہ "آپ پر ہمارے ماں باپ قربان! مگر ہمارا ایسا امتحان نہ لیجئے۔ وہ جگہ جہاں کفار نے نفاق کا لبادہ پہنا، اسے ہم اپنی سکونت کی جگہ کیسے بنائیں۔" وہ تو رسول ﷺ کے ساتھی تھے۔ یہاں تو گھاس کی پتیوں اور پودوں نے بھی اگنے سے انکار کر دیا۔
(رفتار مجلہ، شعبہ اردو جامعہ کراچی، شمارہ ۱، صفحہ ۲۶)

ایسے تھے کہ وقتی طور پر ان کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے، مگر پھر یہ لوگ اپنی اس کمزوری پر غالب آ گئے۔ایسے سچے مومنین کو حق تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

مدینہ میں رہ جانے والوں اور غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں میں کم وبیش اسی (۸۰) منافقوں کے ساتھ ساتھ تین سچے مؤمن بھی تھے۔یہ تھے کعب بن مالک ؓ، ہلال ابن امیہ ؓ اور مرارہ بن ربیع ؓ۔منافقوں نے حضور ﷺ کی مدینہ واپسی پر آپ ﷺ کی خدمت میں جھوٹے عذر پیش کر کے آپ ﷺ سے معافی طلب کی۔سرورِ کائنات اور نبی حق آگاہ، ان کی اصلیت سے واقفیت کے باوجود ان کی معذرتوں کو قبول کرتے چلے گئے۔یہ وہ ذات تھی جو منافقوں کو بھی دوسروں کے سامنے شرمسار کرنا نہیں چاہتی تھی (ویسے راہ حق میں استقامت کا یہ عالم تھا کہ مسجد ضرار منہدم کرادی گئی۔حضور ﷺ کا ہدف منافقت تھی، منافق نہ تھے) لیکن تینوں صادق اور صحابیوں اور مؤمنوں نے حضور رسالت مآب ﷺ کے سامنے اپنی کوتاہی کا اعتراف کر لیا۔وہ جن کو سرکارِ دوعالم ﷺ نے دیارِ رحمت ومغفرت تک پہنچایا، اللہ کی ذات سے آشنا کرایا تھا وہ بھلا آپ ﷺ کے حضور، حق کے سوا کچھ اور کیسے کہتے۔اور یہ وہ تھے کہ کتنے ہی معرکوں نے ان کے ایمان، حوصلے اور جذبہ شہادت کا نظارہ کیا تھا۔ہلال بن امیہ ؓ اور مرارہ بن ربیع ؓ تو اصحاب بدر ؓ میں سے ہیں جنکے مرتبہ بلند اور مغفرت کی شہادت قرآن عظیم میں موجود ہے۔ کعب بن مالک ؓ بھی غزوہ اُحد سے غزوہ تبوک تک ہر جہاد میں شریک ہوئے تھے۔ان تینوں کے حرفِ حق کو سن کر حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ تم انتظار کرو، اللہ تمہارا فیصلہ کرے گا۔اور پھر تینوں کے لئے جیسے وقت رینگنے لگا۔ہر لمحہ صدی در کنار معلوم ہوتا۔ساتھیوں نے، عزیزوں نے، گھر والوں نے ان کا مقاطعہ کیا اور یوں یہ انتظار جاری رہا۔آخر وہ گھڑی آئی کہ رب العزت نے ان کی معافی کا پروانہ قرآن حکیم کی آیات کی صورت میں اپنے رسول کو بھیجا...... ......اللہ غنی......اس کوتاہی کا بھی کیا مرتبہ تھا۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ
فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے حال پر توجہ فرمائی مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا تھا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ تزلزل اور کجی آ چکی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی بلاشبہ اللہ تعالیٰ رؤف اور رحیم (شفیق اور مہربان) ہے۔ اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان کی پریشانی کا یہ عالم ہوا کہ زمین اپنی فراخی ووسعت کے باوجود ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رہا کریں بے شک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والا (توبہ قبول کرنے والا) اور بہت رحیم ہے۔'' (سورۃ التوبہ ۹: آیات ۱۱۷-۱۱۸)

ان تینوں صحابیوں کی دلی کیفیات کو قرآن پاک نے چند لفظوں میں سمیٹ لیا ہے کہ زمین اپنی فراخی کے باوصف ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے۔ حضرت کعب بن مالک ؓ نے اس حالت التوا کے دوران اپنی کیفیت نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے جسے ان کے بیٹے عبداللہ بن کعب ؓ کی روایت کے ساتھ بخاری شریف کے صفحات نے محفوظ کر لیا ہے۔ یہ بخاری کے باب ۴۷۷ کی پہلی حدیث ہے۔ اس حدیث کو قدرے اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ سچ بولنے کے باب میں ایسا واقعہ شاید ہی پیش کیا جا سکے۔

''تبوک کے وقت میں میری حالت بہت اچھی تھی خدا گواہ ہے کہ اس سے پہلے کبھی میرے پاس دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں......

آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب جنگ کا ارادہ فرماتے تو صاف صاف (مقام جہاد کا) پتہ

نشان اور جگہ نہیں بتاتے تھے بلکہ کچھ مبہم الفاظ میں ظاہر کرتے تھے...... لیکن جب تبوک (کے غزوے) کا وقت آیا تو آپ نے مسلمانوں کو پورے طور پر آگاہ کر دیا کہ ہم تبوک جا رہے ہیں اور تم لوگ پوری تیاری کر لو۔ گرمی بہت شدید تھی، راستہ طویل اور بے گیاہ تھا اور دشمن کی تعداد زیادہ تھی......

کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا جو اس لڑائی میں شریک نہ ہونا چاہتا ہو...... غرض محمد ﷺ نے جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ وہ زمانہ تھا کہ میوہ پک رہا تھا اور سائے میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ سب لوگ تیاریاں کر رہے تھے اور میں ہر صبح کو یہی سوچتا تھا کہ میں تیاری کر لوں گا، کیا جلدی ہے۔ میں تو ہر وقت تیاری کر سکتا ہوں۔ اسی طرح دن گزرتے رہے اور پھر ایک صبح محمد ﷺ روانہ ہو گئے۔ میں نے سوچا کہ میں ایک دن کی تیاری کر کے راستے میں اس لشکر کو جا پکڑوں گا۔ غرض دوسری صبح کو میں نے تیاری کرنی چاہی مگر نہ ہو سکی۔ تیسرے دن بھی یہی ہوا اور پھر میرا برابر یہی حال ہوتا رہا۔ اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے۔ میں نے کئی بار قصد کیا کہ آپ ﷺ سے جا ملوں مگر یہ تقدیر میں نہ تھا۔ کاش ایسا کر لیتا۔

''آنحضرت ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں مدینہ میں چلتا پھرتا تو مجھ کو یا تو منافق نظر آتے تھے یا وہ نظر آتے جو کمزور، ضعیف اور بیمار تھے۔ مجھے بہت افسوس ہوتا تھا......

آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف واپس لا رہے تھے تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ ہاتھ آ جائے جو آپ ﷺ کے غصے سے مجھے بچا سکے۔ میں اپنے خاندان کے سمجھ دار لوگوں سے مشورہ بھی کرنے لگا مگر جب یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ مدینہ کے بالکل قریب آ گئے ہیں تو میرے دل میں بہانہ سازی کا خیال دور ہو گیا اور مجھے یقین آ گیا کہ جھوٹ آپ ﷺ کے غصے سے مجھے نہیں بچا سکے گا۔''

''حضور ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے۔ اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر بیان کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ ۸۰ تھے یا اس سے کچھ زیادہ۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے عذر قبول کر لئے...... اور ان کے دلوں کے خیالات کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

میں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام پیش کیا۔ آپ ﷺ نے غصہ آلود تبسم کے

ساتھ جواب دیا۔ میں آپ ﷺ کے سامنے (دوزانو) ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔ ''کعب تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے حالانکہ تم نے تو سواری کا انتظام کر لیا تھا۔'' میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! (ﷺ) اگر میں کسی اور کے سامنے ہوتا تو حیلہ بہانہ کر کے چھوٹ جاتا کیونکہ میری زبان میں خوب روانی ہے، لیکن جانتا ہوں کہ اگر آج میں جھوٹ بول کر آپ ﷺ کو راضی کر بھی لوں تو کل اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مجھ سے ناخوش کر دے گا، اس لئے میں سچ ہی بولوں گا۔ اللہ میرا شاہد ہے اور اسی سے مجھے مغفرت اور بخشش کی امید ہے۔ خدا کی قسم میں قصوروار ہوں۔ مال و دولت کی فراوانی کے باوجود میں شریک جہاد نہ ہو سکا۔

'' آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ ''کعب نے صحیح بات بیان کر دی۔ اچھا جاؤ اور اب اپنے بارے میں اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔'' غرض میں اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے آدمی بھی میرے ساتھ ہو لئے اور کہنے لگے...... تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح حضور ﷺ کی خدمت میں کوئی عذر پیش کر دیا ہوتا...... میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اقرار کیا ہو۔ کہنے لگے کہ ہاں دو آدمی اور بھی ہیں...... ایک مرارہ بن ربیع عمروی اور دوسرے ہلال بن امیہ رافقی۔ یہ دونوں صالح مسلمان تھے اور غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کر چکے تھے، ان کا نام سن کر مجھے سکون حاصل ہو گیا کہ میں ان کا ہم قسمت ہوں۔

''حضور ﷺ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہم تینوں سے بات چیت نہ کریں اور کوئی سروکار نہ رکھیں۔ اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں۔ زمین و آسمان بدل گئے۔ غرض پچاس راتیں اسی حال میں گزر گئیں۔ میرے دونوں ہم قسمت تو گھر بیٹھے رہے، مگر میں ہمت والا تھا، نکلتا رہا، نماز کی جماعت میں شریک ہوتا اور بازار بھی جاتا۔ مگر کوئی مجھ سے بات نہ کرتا تھا۔

''میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتا۔ میں سلام کرتا تو مجھے یوں لگتا جیسے آپ ﷺ کے ہونٹ ہل رہے ہوں اور آپ ﷺ سلام کا جواب عنایت کر رہے ہیں۔ پھر میں آپ ﷺ کے قریب ہی نماز ادا کرنے لگتا اور جب مجھے موقع ملتا تو میں چپکے چپکے آپ ﷺ کو دیکھتا رہتا جب میں نماز میں ہوتا تو آپ ﷺ مجھے دیکھتے رہتے، لیکن جب میری نظر آپ ﷺ سے ملتی تو آپ ﷺ منہ پھیر لیتے۔

''اس کیفیت میں کتنے دن بیت گئے۔ میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آ گیا اور پھر اپنے

چچازاد بھائی ابو قتادہ کے باغ میں پہنچا اور اسے سلام کیا۔ مجھے اس سے بیحد محبت تھی مگر خدا شاہد ہے کہ اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا۔ ''ابو قتادہ کیا تم نہیں جانتے کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کتنی محبت ہے۔'' میرا بھائی خاموش رہا۔ پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات دہرائی اور وہ خاموش رہا۔ میں نے تیسری بار یہی بات دہرائی تو اس نے صرف یہ کہا۔ ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو خوب معلوم ہے۔'' پھر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو گیا اور میں لوٹ آیا۔

ایک دن میں بازار سے گزر رہا تھا کہ ملک شام سے غلہ فروخت کرنے کے لئے مدینہ آنے والا ایک عیسائی تاجر لوگوں سے میرا پتہ پوچھ رہا تھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کعب بن مالک وہ جا رہے ہیں۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے نصرانی حکمراں کا خط مجھے دیا اس نے لکھا تھا کہ ''تمہارے رسول ﷺ تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں اور تمہیں ذلیل کر رہے ہیں۔ تم ہمارے پاس آجاؤ۔ ہم تمہیں نہایت عزت و اکرام کے ساتھ رکھیں گے'' میں نے سوچا کہ یہ دہری آزمائش ہے (اب کافر میرے ایمان کی قیمت لگا رہے ہیں) میں نے خط کو آگ کے تندور میں جھونک دیا۔ یہ تھا میرا جواب۔

اور وہ پچاسواں دن تھا۔ میں فجر کی نماز کے بعد اپنے گھر کے پاس بیٹھا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ زندگی ایک عذاب بن گئی ہے، اور زمین کی وسعت میرے لئے تنگی میں بدل گئی ہے۔ کہ اتنے میں کوہ سلع پر کسی ندا دینے والے نے پکار کر کہا اے کعب بن مالک تم کو بشارت دی جاتی ہے۔ اور یہ سنتے ہی میں خوشی سے سجدہ میں گر گیا۔

اب تو لوگ میرے پاس اور میرے دوسرے دونوں ساتھیوں کے پاس خوش خبری اور مبارک باد دینے کے لئے بھاگ بھاگ کر آنے لگے۔ ایک صاحب (زبیر بن العوام) گھوڑا بھگاتے ہوئے میری طرف آئے اور بنی سلم کے ایک آدمی نے کوہ سلع پر چڑھ کر وہاں کی بلندیوں سے میرے لئے بشارت عفو کا نعرہ لگایا اور اس کی آواز میرے کانوں میں پہنچ گئی۔ (جب وہ میرے پاس آیا تو) میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو دے دیئے اور ابو قتادہ سے دو کپڑے لے کر پہن لئے کیونکہ اس وقت میرے پاس وہی دو پارچوں کا واحد لباس تھا۔

میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے بے تابانہ روانہ ہوا۔ راستے میں لوگوں کا ایک

ہجوم تھا جو مجھے مبارکباد دینے کے لئے جمع ہو گیا تھا۔ میں جب مسجد نبوی ﷺ میں پہنچا تو حضور ﷺ کے پاس کئی صحابہ ؓ بیٹھے ہوئے تھے...... طلحہ بن عبید اللہ ؓ مجھے دیکھ کر دوڑے اور مصافحہ کیا اور پھر مبارکباد دی...... میں ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ اور جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا تو آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اے کعب! یہ دن تمہیں مبارک ہو، جو تمہاری پیدائش سے لے کر اب تک تمہاری زندگی کا بہترین دن ہے۔'' میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! (ﷺ) یہ معافی آپ ﷺ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ کی طرف سے۔'' حضور ﷺ جب خوش ہوتے تھے تو چہرہ مبارک چاند کی طرح چمکنے لگتا اور یوں ہم آپ ﷺ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔

میں نے حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس نجات اور معافی کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے خیرات نہ کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ مال اپنے لئے روک لو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا جیسا ارشاد۔ میں اپنا خیبر کا حصہ خیرات کرتا ہوں۔ اور میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! صدق نے مجھے نجات دلائی ہے اور میں اپنی باقی ماندہ زندگی سچ بولوں گا۔ سچ کے سوا کچھ نہیں۔ خدا کی قسم! سچ بولنے سے شاید ہی کسی پر ایسی رحمت ہوئی ہو جیسی مجھ پر ہوئی۔''

مکہ مکرمہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا، لیکن اس سال حج مشرکین کے زیر اہتمام ہی کیا گیا تھا، لیکن اب صورت حال بدل چکی تھی۔ اب مسلمانوں کا قبلہ اسلام کے زیر نگین آچکا تھا۔ جزیرہ نمائے عرب سے شرک پسپا ہو چکا تھا۔ اس پس منظر میں اب تولیت کعبہ مشرکین سے چھین لینے کا وقت آچکا تھا مگر نبی برحق ﷺ حکم الٰہی کے منتظر تھے۔

تبوک سے واپسی پر آپ ﷺ نے حج کے لئے تین سو مسلمانوں کی ایک جماعت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی قیادت میں بھیجی۔ اس جماعت کی روانگی کے بعد ہی سورۃ التوبہ (سورہ برأت) کے اولین پانچ رکوع نازل ہوئے، یعنی ابتدائی سینتیس (۳۷) آیات۔ اس اعلان برأت کو مسلمانوں اور مشرکوں تک پہنچانے کے لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا۔ ۹ھ کے حج میں سنت ابراہیمی اور حقیقی مناسک حج کی تجدید کی گئی۔ حضور ﷺ نے قربانی کے لئے جو اونٹ ساتھ کئے تھے وہ ذبح کئے گئے اور صدیق اکبر ؓ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۂ توبہ کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ حکم ربی کے تحت چار ماہ کے بعد مشرکوں سے تمام معاہدے منسوخ ہو جانے کا اعلان کر دیا گیا۔ یوں ان کے پاس ۱۰ ربیع الثانی تک اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا وقت تھا۔ جنگ یا ملک بدری یا قبول اسلام۔ اور اس مدت کے گزرنے کے بعد مشرکین کو مکہ مکرمہ میں رہنے کا حق نہیں تھا۔

سورہ توبہ کی آیات کی تلاوت کے بعد حضور ﷺ کی طرف سے حضرت علی ؓ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور خانہ کعبہ کے گرد برہنہ طواف ممنوع قرار دے دیا گیا۔

سورۃ التوبہ کی جو آیات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو فرمان الٰہی کے طور پر پڑھ کر سنائی تھیں ان میں یہ حکم موجود تھا کہ۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِۦٓ إِن شَآءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

”اے ایمان والو! مشرک (اپنے عقائد کی بناء پر) نرے ناپاک ہیں سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔“ (سورۃ التوبہ ۹: آیت ۲۸)

اور اسی آیت کے اگلے ٹکڑے میں یہ وضاحت فرما دی گئی کہ اللہ پر توکل رکھو۔ وہ ان کے نہ آنے اور ان کے دولت نہ خرچ کرنے کی بناء پر تمہیں مفلس نہیں بنائے گا اور تمہارے لئے خوشحالی کی دوسری سبیلیں نکالے گا۔ حضور ﷺ نے اسی حکم قرآنی کا اعادہ اپنے فرمان کے طور پر اس موقع پر کرایا۔ یہ اسلامی ریاست کے سربراہ کے طور پر مشرکین کے لئے آپ ﷺ کا حکم تھا۔

سورۃ التوبہ کا آغاز اور انداز فرمان الٰہی کا سا ہے، اور یوں یہ سورت اسلامی ریاست کے دستور کی حیثیت رکھتی ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِۦٓ إِلَى الَّذِينَ عَـٰهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ فَسِيحُوا فِى الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوٓا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِى الْكَـٰفِرِينَ ۝

''اعلان برأت ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان مشرکوں سے جن سے تم نے معاہدے کئے تھے بس تم لوگ ملک میں چار مہینے اور گھوم پھر لو، اور یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ منکرینِ حق کو رسوا کرنے والا ہے۔'' (سورۃ التوبہ ۹: آیت ۱۔۲)

یہ اعلان یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو کیا گیا اور قرآن حکیم نے اس موقع کا ذکر کر کے حج کی معنویت کو کس طرح ابھار دیا ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ

''اعلان عام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے حج اکبر کے دن کہ اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول ﷺ بھی اب اگر تم لوگ توبہ کر لو تمہارے لئے ہی بہتر ہے اور جو منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اے نبی! انکار کرنے والوں کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر سنا دیجئے۔'' (سورۃ التوبہ ۹: آیت ۳)

اسلام کے معاشرتی احکام تو مدنی زندگی کے آغاز ہی سے نازل ہونے لگے تھے۔ اسلامی معاشرے کے قیام اور تشخص کے لئے یہ احکام لازمی تھے۔ اب سیاسی اقتدار اور بالادستی کے حصول کے بعد ایسے معاشرتی اور سیاسی احکام نازل فرمائے گئے جن کے نفاذ کے لئے قوت کی ضرورت تھی ۹ھ میں سود مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا اور اسی سال آیت جزیہ نازل ہوئی۔

(۴)

فتح مکہ کے بعد ہی قبائل عرب نے نوشتۂ دیوار کو پڑھ لیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ پر تو مستقبل کے مناظر اللہ نے کتاب کے صفحات کی طرح کھول دیئے تھے اور حضور ﷺ مختلف سلاطین اور حکمرانوں کو تبلیغی خطوط غزوہ تبوک سے پہلے ہی ارسال فرما چکے تھے۔

۹ھ میں تبوک میں رومیوں کے بغیر جنگ کے پسپا ہونے کے بعد قبائل عرب اور پڑوس کی طاقتوں نے مدینہ کی اسلامی ریاست کے ساتھ نئی بنیادوں پر معاملات کو درست کرنا شروع کیا۔ اب مدینہ کی سرزمین، عرب اور بیرون عرب کے قبائل اور قوتوں کے وفود کا خیر مقدم کر رہی تھی۔ وفود کے ارکان اسلامی طرز زندگی سے اس درجہ متاثر ہوتے کہ سیاسی شرائط اور معاہدہ کو بھول کر اسلام کی دولت کو اپنے لئے چن لیتے۔ بنی تمیم، بنی عامر، بنی سعد، بنی طے، بنی زبید، عبدالقیس اور دوسرے قبیلوں کے وفد مدینہ آئے۔ سیرت ابن ہشام میں ان وفود کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ بنی تمیم کے وفد میں قوم کے عمائد کے ساتھ ساتھ ان کے شاعر اور خطیب بھی تھے جن کا مناظرہ اسلام کے شاعر اور خطیب سے ہوا اور اسلام کے حقائق نکھر کر سامنے آگئے۔ بنو تمیم کی طرف سے ان کے عظیم خطیب عطارد ابن حاجب نے اپنی ''قوم'' کی برتری پر خطبہ دیا۔ اس کا جواب ثابت بن قیس ؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے دیا۔ حضرت ثابت ؓ نے نسلی فخر و غرور کے ہر بت کو توڑ دیا۔ جب انہوں نے اپنے خطبہ میں کہا کہ ''ہم لوگ انصار الٰہی اور وزرائے رسالت ہیں'' تو ایک نئے افتخار کا جذبہ کتنی شدت سے ابھرا۔

وہ فخر جس کی بنیاد نسل اور قبیلہ کی جگہ کردار اور جذبۂ دینی تھا۔ پھر بنو تمیم کے شاعر زبرقان نے اپنا قصیدہ سنایا اور اس کے جواب میں حضرت حسان بن ثابت ؓ نے اپنے شعر پڑھے۔ اور اس مناظرہ و مقابلہ کے بعد اسلام کی برتری اور صداقت کو بنی تمیم کے رؤسا نے تسلیم کرلیا۔ اس واقعہ سے شعر و ادب اور زبان و بیان کا حقیقی مصرف ہمارے سامنے آتا ہے۔ آج ادب میں افادیت اور مقصدیت کا چرچا عام ہے۔ یہ بھی اسلام کی دین ہے۔ بنی طے کے وفد میں زید الخیل اور حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم بھی شامل تھے۔ دونوں کو اللہ نے ایمان کی دولت سے نوازا اور زید الخیل کو حضور ﷺ نے زید الخیر کا لقب عطا کیا۔

حضور ﷺ نے اپنے وفود بھی تبلیغ اور تعلیم اسلام کے لئے روانہ فرمائے۔ معاذ بن جبل، ابو موسیٰ، خالد بن ولید اور حضرت علی رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے یمن کے علاقے میں بھیجے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب یمن میں قبیلہ ہمدان کو حضور ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا تو الفاظ رسالت ﷺ نے اہل قبیلہ کے دلوں کو کھول دیا اور اسی مجلس میں پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں خط کے ذریعہ یہ اطلاع بھیجی۔ آپ ﷺ

مسجد نبوی ﷺ میں تشریف فرما تھے جب مکتوب علیؓ آپ ﷺ کو سنایا گیا۔ خط سنتے ہی آپ ﷺ نے سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا۔ ''برکت اور سلامتی ہو ہمدان پر، سلامتی ہو ہمدان پر۔''

وفدِ نجران کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے نجران میں تعلیم اسلام کا کام کیا اور ان کے ساتھ ہی نجران کے بنوالحارث کا ایک وفد مدینہ آیا۔

گھر چھٹ چکی تھی۔ اسلام کے سورج نے عرب اور اردگرد کے علاقوں کو منور کر دیا تھا۔ اس سورج کی کرنیں کتنے ہی دلوں میں جاگزیں ہوتی جا رہی تھیں اور پھر یہی روشن دلوں والے، ایسے سورج بنے کہ انسانی تاریخ کے صفحات اور وقت کے ایوان آج بھی ان کی چھوٹ اور چمک سے منور ہیں۔ ہادی آخر الزماں ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنی رسالت کا اعلان کر کے جس فریضہ کا آغاز کیا تھا وہ اب اپنی تکمیل کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ ۸ھ اور ۹ھ میں واقعات کی تیز رفتاری جیسے اختتامِ سفر کا ایک نشان اور اشارہ تھی۔ فتح مکہ، غزوۂ موتہ، غزوۂ طائف، غزوہ تبوک، عام الوفود۔ سورۃ النصر کے زمانہ نزول کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ھ حضور ﷺ کے اعلان حج سے پہلے نازل ہوئی اور اسی کی روشنی میں آپ ﷺ نے اعلان حج فرمایا۔ لیکن قوی تر شہادتوں کے مطابق یہ سورت حجۃ الوداع کے دوران نازل ہوئی۔ یہ آخری مکمل سورت ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ بہر صورت یہ بات تو واضح تھی کہ اللہ کے حبیب کو اللہ تعالیٰ نے وضاحت یا اشارہ سے یہ بتا دیا کہ اب رفیق اعلیٰ سے آملنے کا وقت آیا چاہتا ہے۔

# حجۃ الوداع

حضور نبی کریم ﷺ دین کے ہر شعبے میں اپنی ذاتی مثال سے امت کے لئے طریق کار مرتب فرما چکے تھے۔ غزوہ تبوک کے بعد مسلمانوں نے حضرت صدیق اکبر ؓ کی قیادت میں پہلے حج بھی کر لیا تھا لیکن دین کے اس اہم رکن کے مناسک وطرائق میں حضور ﷺ کی شخصی مثال ابھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ یہ وہ مرحلہ تھا کہ آپ نے ۱۰ھ اشارہ غیبی کے تحت حج کا ارادہ اور پھر اعلان فرمایا تا کہ تا یوم قیامت مناسک حج پر حضور ﷺ کے عمل کی مہر ثبت ہو جائے۔ یہ اشارہ غیبی وحی الٰہی کی صورت میں بھی محفوظ ہے۔ یہ ہے قرآن حکیم کی سورۃ النصر۔

''جب اللہ کی نصرت آجائے اور فتح حاصل ہو جائے اور (اے نبی ﷺ) تم دیکھو کہ لوگ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت طلب کرو، بے شک وہ تواب (بڑا توبہ قبول کرنے والا) ہے''

حضور ﷺ کے پہلے حج اسلام کو حجۃ الوداع یوں کہا جاتا ہے کہ یہ اس اعتبار سے آپ کا آخری حج بھی تھا اور پھر یہ وہ حج تھا جس میں آپ نے اپنی امت کو الوداع کہا اور آپ کے الوداعیہ کلمات ایام تشریق اور خطبۂ عرفہ کی صورت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لئے گئے ہیں۔ یہ حج وہ موقع تھا جب ایک لاکھ سے زیادہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ کی معیت میں اپنے شب وروز گزارے اور آپ کے ہر عمل کا اتباع یوں کیا کہ آج بھی حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کے آرزومندوں کی راہیں روشن ہیں۔ اس حج کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تفصیلات اور جزئیات ہمارے بزرگوں نے ہمارے لئے محفوظ کر دی ہیں۔ علامہ ابن القیم کی کتاب ''زادلمعاذ'' اسی جاوداں سفر حج کا آئینہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ذی قعدہ کے مہینے میں سفر حج کا اعلان فرمایا۔ وہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے بدر کے میدان میں فتح مکہ اور غزوہ تبوک تک ہر راہ میں آپ کا ساتھ دیا تھا وہ اس سفر کے لئے بے قرار ہو گئے۔ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کے مناظر ایک بار

پھران کے لئے زندہ ہو گئے۔اوراب توان سابقون الاولون کے علاوہ یہ پورا علاقہ اہل اسلام کا علاقہ تھا، بعد میں مسلمان ہونے والے اپنے پیشروؤں کی سعادت پر رشک کرتے تھے اوراب زیادہ سے زیادہ وقت نبی کریم ﷺ کی معیت میں گزارنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اعلان حج سنتے ہی مدینہ کے مضافات اور دور کے علاقوں سے بھی مسلمانوں کے قافلے مدینہ پہنچنے لگے۔ ہر راستہ اب آباد تھا، ہر طرف خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔ آخر ۲۵ ذی القعدہ ❶ کو حضور ﷺ نے نماز ظہر کے بعد آغاز سفر فرمایا۔ ایک لاکھ سے زیادہ رفقاء آپ کے ساتھ تھے۔ان احرام پوشوں کی تکریم میں آج راستے نرم ہو گئے تھے اور جب رفیق ﷺ نے اپنے رفیق اعلیٰ کو مخاطب کر کے کہا۔

لبيك اللّٰهم لبيك ، لاشريك لك لبيك ان الحمد و
نعمةلك و الملك لا شريك لك

تو ایک لاکھ لبوں سے یہی آواز بلند ہوئی۔لبیک اللّٰهم لبیک۔ایسی ہم نوائی، اس لمحہ سے پہلے کسی رسول کے حصہ میں نہیں آئی تھی۔وہ عشق جو جنگاہِ حیات میں بے ساز و یراق نکلا تھا آج اس کی شوکت کی معراج کا دن تھا۔آج مدینہ کی فضائیں سوئے بیت اللہ اس کاروان شوق کے سفر کا آغاز دیکھ رہی تھیں۔

۴ ذی الحجہ ۱۰ھ کی صبح اللہ کے آخری رسول ﷺ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوتے دیکھا۔ بیت اللہ کا دل فرط شوق سے دھڑکنے لگا۔وہ گھر جسے اللہ کی رضا کے لئے حضور ﷺ کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، آج اس تعمیر کے مقصد کی تکمیل کا دن تھا۔

بنو ہاشم کے بچے گھروں سے نکل آئے۔سرور دو عالم ﷺ نے ان بچوں کو اونٹ پر بٹھا لیا۔ کوئی بچہ آگے بیٹھا کوئی پیچھے، اور جب کعبہ مکرمہ پر نبی کریم ﷺ کی نظر پڑی تو خوشی کے آنسو آنکھوں میں لرزاں تھے اور یہ الفاظ آپ کے لبوں پر تھے ''اے رب کعبہ! اپنے گھر کو اور عزت اور شرف عطا فرما۔'' اور آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ جو واحد ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، حیات اور موت کا خالق ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے، اس نے اپنے بندے کی مدد کر کے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور باطل کی قوتیں شکست کی گود میں سو گئیں۔

❶ ......۲۶ ذی القعدہ/ سیرۃ النبی

حرم میں داخل ہو کر حضور ﷺ نے کعبہ کا رخ کیا۔ حجر اسود سامنے تھا۔ وہ پتھر جسے آپ نے یوں نصب فرمایا تھا کہ عرب کے قبیلے ایک خونریز جنگ سے بچ گئے تھے۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے حجر اسود کا بوسہ لیا اور پھر کعبہ کا طواف کیا۔ حجر اسود جس نے حضور ﷺ کے لبوں کے لمس کو اس لمحہ سے آج تک کتنی ہی نسلوں اور ملکوں کے انگنت مسلمانوں کے لبوں تک منتقل کیا ہے، آج بھی اس لمحہ کی یاد سے قلب مومن کی طرح دھڑک رہا ہے۔ طواف کے بعد آپ مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور یہ آیہ کریمہ پڑھی۔

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ط

(مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ) اس جگہ حضور ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھا❶ حضور ﷺ کے اسی عمل سے طواف کے بعد دو رکعت نماز کو واجب بنا دیا ہے۔

نماز دوگانہ کے بعد آپ نے حجر اسود کا استیلام کیا اور درمیان سے باہر نکل کر کوہ صفا پر تشریف لے گئے، جب کوہ صفا کے نزدیک پہنچے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ج

"بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔"

اس موقع کی دوسری تفاصیل مدارج النبوہ اور سیرت کی دوسری کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

مکہ میں چار دن قیام کے بعد آپ ۸ ذی الحجہ کو منیٰ تشریف لے گئے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں یہاں ادا کی گئیں۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ اور جب جمعہ کا سورج طلوع ہوا تو "عشق بلاخیز" کا یہ قافلۂ سخت جاں عشق الٰہی کے سالار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قیادت میں عرفہ کی طرف روانہ ہوا۔ نمرہ میں آپ ﷺ کا خیمہ لگایا جا چکا تھا۔ آپ ﷺ نے اس خیمہ میں آرام فرمایا اور جب دوپہر ڈھل گئی اور زوال کا وقت آپہنچا تو وہ انسانیت کے لئے ہنگام عروج تھا۔ حضور ﷺ اپنے ناقہ قصوا پر سوار ہوئے اور میدان عرفات کے وسط میں اس مقام پر پہنچے جو آج بھی ہر مسلمان کے لئے محترم ترین مقامات میں سے ہے۔ عرفات کے میدان میں اس پہاڑی کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے کتنے ہی مسلمان ہر سال بلکہ ہر دن یہ فاصلہ بے تابانہ طے کرتے ہیں۔ یہ فاصلہ

❶...... مدارج النبوہ (حصہ دوئم) حضرت عبدالحق محدث دھلوی (ترجمہ مفتی غلام معین الدین نعیمی) صفی ۶۶۱، طبع کراچی ۱۹۷۲ء

جو بہت مختصر ہے اور بہت طویل ہے۔ حضور ﷺ نے اس چوٹی پر کھڑے ہو کر وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے۔ یہ خطبہ انسانیت کے اس عہد حاضر کے قیام کا منشور ہے جو اپنا مستقبل بھی آپ ہے اور جس میں سارے زمانے سمٹ آئے ہیں۔ وہ عہد حاضر جو قرآن حکیم کی پہلی آیت کے ساتھ طلوع ہوا اور جس کا دامن، دامن ابد سے بندھا ہوا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے ایک طرف انسانوں کی انفرادی زندگی کو جنت بداماں بنا دیا تو دوسری طرف ایک اجتماعی نظام قائم کر دیا۔ وہ اجتماعی نظام جو مساوات، جمہوری اقدار، عدل عمرانی اور انسانی امکانات کی تکمیل سے عبارت ہے۔ یہ قدریں اس نظام کی محض چند دفعات ہیں۔ زمانے کی بے شمار کروٹوں کے باوجود حضور ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ آج بھی اسی درجہ تابندہ و درخشاں ہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس پیغام کی عظمت بڑھتی ہی گئی ہے۔ انسان اپنی تمام تر ذہانت، تجربوں اور علم کے باوجود آج بین الاقوامیت کی سطح تک پہنچا ہے اور اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا یہ خطبہ آفاقیت کے مقام بلند کی تفسیر اور قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تفصیل ہے کہ ”اے نوع بشر! ہم نے قبائل و شعوب کو تعارف کے لئے بنایا ہے، امتیاز کے لئے نہیں۔ اللہ کے نزدیک وجہ عزت صرف تقویٰ ہے۔“

اقبال نے حضور ﷺ کے اسی خطبہ کی طرف اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

مکہ نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم

حضور ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کا عربی متن اور اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

## خطبہ حجۃ الوداع

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتُوْبُ اِلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا
مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ،

لا الٰہ اِلّا اللّٰہُ وَحدَہٗ اَنجز وَعدَہٗ وَنَصر عَبدَہٗ وَھزَم الاَحزَابَ وَحدَہٗ۔ یاایھاالناسُ اِسمَعُوا قولی فانی لَااَرانی وایّاکُم اَن تجتمعَ فِی ھٰذا المجلس۔ وَلا اَجمعُ بَعدَ عَامِیْ ھذا، أیھاالناسُ ، اِنَّ اللّٰہَ یقولُ: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقنٰکُم مِّن ذَکَرٍ وَّاُنثٰی وَجَعَلنٰکُم شُعُوبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَاللّٰہِ اَتقٰکُم فلَیسَ لِعَرَبِیّ علی عجمی فضلٌ وَلَالعجمی علی عَرَبِیّ وَلَالِاَسوَدَ عَلٰی اَبیَضَ وَلَالِاَبیَضَ عَلٰی اَسوَدَفَضلٌ اِلّا بالتقوٰی۔ اَلنَّاسُ مِنْ آدم وادم مِنْ تُراب ، ألا کُلُّ مأثُرَۃٍ اودم اومال یدعٰی بہ فھو تحتَ قَدَمی ھاتین الا سَدَانَۃَ البَیتِ وسِقَایۃ الحاجِ، ثم قَالَ: یا مَعشَرَ قریشٍ لاتجیئوا بالدنیا تَحمِلُونَھا علی رِقَابِکُم ویجئی الناسُ بالآخرۃ فَلااُغنِیْ عَنکُم مِنَ اللّٰہِ شیاءً۔

اَلَاکُلُّ شیءٍ مِنْ اَمرِالجاھلیۃ تَحتَ قدمیْ موضوعٌ، ودِمَاءِ الجاھلیۃ مَوضُوعَۃٌ، واَنَّ اولَ دم اَضَعُ مِنْ دماءٍ نادمُ ابنُ رَبِیعَۃ بنِ الحارِث وکَانَ مُستَرضِعًا فی بَنِی سَعدٍ۔

وَرِبَاالجاھلیۃ مَوضُوعٌ وَاَوَّلُ ربااَضَعُ ربانا، رِبَا عباسِ بنِ عبدِالمطلب فأنہٗ موضوعٌ کُلُّہٗ۔

أیُّھاالناسُ! أنَّ دمائکُم واموالکم وَاَعرَاضَکُم علیکُم حَرامٌ الی اَن تَلقوارَبَّکُم کحرمۃِ یومِکُم ھذا وکحرمۃِ شَھرِکُم ھذافی بلدِکم ھذا، وأنکم سَتَلقَونَ رَبَّکُم

فیسئلکم عَنْ اَعْمَالِکُمْ۔

أیُّھا النَّاسُ! انَّ لکم علی نسائِکم حَقًّا، وَلَھُنَّ علیکم حَقًّا، لکم علیھِنَّ اَلّا یُوطئنَ فُرُشکُم غیرکُم، وَلَا یُدْخِلنَ اَحَدً تکرَھُوْنَہٗ بیُوْتکُم اِلَّا بِاِذْنِکُم، وَعلیھِنَّ اَنْ لَا یاتِیْنَ بفَاحشةٍ مُبینة فَاِنْ فعلنَ فَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذنَ لَکُمْ اَنْ تَھْجُرُوْھُنَّ فی المضاجعِ وَاَنْ تَضرِبُوْا ضَرْبًا غیر مُبَرِّحٍ فَانْ انتھین فلھنَّ رِزقھن وَکِسْوَتھُنَّ بِالْمَعْرُوْف۔

اَلَا لَا یَحِلُّ لامراَۃٍ اَنْ تعطی مِنْ مَالِ زوجھا شیئا اِلَّا بِاِذْنِہٖ، واستوصوا ابالنساء خیراً فَاِنَّھُنَّ عَوَانٌ لکم لَا یملکن لَانفسھِنَّ شیئا فَاتَّقُوا اللّٰہَ فی النساءِ فانکم اَخَذْتُمُوْھُنَّ بِاَمانِ اللّٰہِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَھُنَّ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ۔

أیھا النّاسُ! اِنَّ اللّٰہَ عزوجل قد اعطی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ لوارثٍ فِیْ أکْثَرِ مِنَ الثُّلُثِ، الولدُللفراشِ وَلِلْعاھِرِ الحجر، وَحِسابھم علی اللّٰہِ۔مَنِ ادعٰی اِلٰی غیرِ ابیہ وَانْتمٰی اِلٰی غَیْرِ موالیہِ فَعَلَیْہِ لَعنَۃُ اللّٰہِ، اَلدَّیْنُ مَقْضِیٌّ، وَالعاریۃُ مَرْدَاۃٌ، وَالْمُنحۃُ مَرْدُوْدَۃٌ، والزعیمُ غَارِمٌ۔

اَلَا لا یَجْنِی جَانٍ اِلَّا عَلٰی نفسہٖ اَلَا لَا یَجْنِی جَانٍ عَلٰی ولدہٖ وَلَا مولود عَلٰی والدہٖ۔

وَلَا یحل لامرا مِنْ اخیہِ اِلَّا مَا اَعْطٰی عَنْ طِیْبِ نَفْسٍ مِنْہُ فَلَا تظلمَنَّ انفسکم۔

أیھا النّاس! کُلُّ مُسْلِمٍ اخو الْمُسْلِمِ، وَاَنَّ المسلمینَ أخوۃ

ارقائکم اطعموهم مما تاکلونَ واکسوهُمْ مما تَلْبِسُوْنَ۔

اَلَا فلَا تـرجـعُوا بَعْدِیْ کفارًا یضرِبُ بعضکُمْ رقابَ بَعْضٍ

فَمَنْ کانَتْ عندهٗ امانةٌ فلیؤدهَا اِلٰی مَنْ اء تمنهٗ علیها۔

اِنْ اَمْرَعَلیکم عَبْدٌ مجدعٌ اَسْوَدَ یقودکم بکتابِ اللّٰهِ

فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِیْعُوْا۔

أیهاالناس! اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَکُمْ۔

وَاِنِّی قَدْترکتُ فیکم مَالَنْ تَضِلُّوْ بَعْدَهٗ ابداًاِنِ اعتصمتم به

کتـابُ الـلّٰهِ،وایاکم وَالْغُلُوَّفی الدینِ فاِنمااَهلكَ من قبلکم

اَلْـغُـلُـوَّافـی الـدیـن وَاِنَّ الشیـطان قدیَئِسَ مِنْ اَنْ یعبدفی

ارضـکـم هـذا ابداً ولکم تکونُ لَهٗ طاعةٌ فیهاتحقرونَ مِنْ

اعمالِکم فیرضٰی بهٖ فَاحذروه عَلٰی دینکم۔

فَاعْبُدُوْاربکُمْ،وصَلُّوْاخمسَکُمْ،وصُوْمُوْاشهرکُمْ وادُّوا

زکوٰةَ اموالِکُمْ طِیْبَةً بهاانفسکُمْ، وتحجوابیتَ رَبِّکُمْ،

وَاَطِیْعُوْاولاةَاَمْرِکُمْ، تَدْخلواجَنَّةَ رَبِّکُمْ۔

أیهـاالناسُ! اَنماالنسیءُ زِیَادَةٌ فی الکفرِیُضَلُّ بِهِ الذین

کَـفَـرُوْایُـحِـلُّـوْنَـهٗ عامًاوَیُحَرِّمُوْنَهٗ عامًالیواطئوا عدةَ

مـاحَرَّامِ اللّٰه،فیحِلُّوْاما حَرَّمَ اللّٰهُ ویحَرِّمُوْا مَااَحل اللّٰهُ،

وَاَنَّ الـزمـانَ قَـدِاسْتدار کهئیتِه یَوْم خلقَ السماواتِ

والارضَ، وَاَنِ عدَّةَ الشهـورِعِنْدَاللّٰهِ اثنی عشرَشهراً،

مـنهـا اربـعةٌ حـرم، ثلاثةٌ متوالیةٌ، ورجبُ مُضَرَالذی

بَیْنَ جُمادیٰ وشعبانَ۔

اَلَا فلیبلّغِ الشاهد الغائب فَرُبَّ مُبَلّغٍ اَوعٰی مِنْ سَامِعٍ، وَاَنْتُم تَسالُونَ عَنّیْ، مَاذَا انتم قائلونَ؟ قالوا! نَشْهَدُ أنكَ قد اَدَّیتَ الامانة، وَبَلَّغتَ الرِّسالَة و نصحتَ۔

فقالَ رسول اللّٰه ﷺ باصبعه السَّبَّابَةِ یرفعها الی السماءِ وَیَنْکُتُهَا الی الناس! اَللّٰهم اشهد اللّٰهم اشهد اللّٰهم اشهد۔

''ہر تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں اس سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے استغفار کرتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے نفس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ جسے ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ اس کی بدتوفیقی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں ملک اور اقتدار اسی کا ہے اور ہر تعریف اسی کے لئے ہے، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ واحد ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے اپنے وعدے کو پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اسی نے (کفر کے) جتھوں اور گروہوں کو شکست دی۔

''اے لوگو! میری بات سنو! شاید اس سال کے بعد ہم اس جگہ جمع نہ ہو سکیں اور میں پھر حج نہ کر سکوں۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا ہے اور تعارف کے لئے تمہارے شعوب وقبائل پیدا کر دیئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ صاحبِ عزت وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہو۔'' عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے (تقویٰ ہی باعثِ فضیلت ہے) انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے۔

''یاد رکھو! کہ خون یا مال کے تمام دعوے میرے قدموں تلے ہیں جن کے

لوگ مدعی ہیں، ہاں بیت اللہ کی نگہبانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت بدستور باقی رہے گی (ان کے درمیان جو یہ خدمات انجام دیتے رہے)۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اے معشرِ قریش! آخرت کے دن ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کا بوجھ اٹھائے ہوئے حاضر ہو اور دوسرے کے آخرت کے سامان کے ساتھ آئیں، اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے بالکل نہیں بچا سکوں گا۔

''یاد رکھو! جاہلیت کی تمام باتیں اور رسم میرے قدموں تلے ریزہ ریزہ کر دی گئی ہیں، عہدِ جاہلیہ کے تمام خون معاف کر دیئے جائیں (کوئی اب کسی سے انتقام نہ لے) میں اس سلسلہ میں اپنے ہی خاندان کا ایک خون ابن ربیعہ بن حارث کا معاف کرتا ہوں جس نے بنی سعد میں دودھ پیا تھا اور عہدِ جاہلیہ کا ہر سود معاف کر دیا گیا اور میں (اپنے چچا) عباس بن عبدالمطلب کا سود کل کا کل معاف کرتا ہوں۔

''لوگو! تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہاری حرمت وعزت اس دن کے لئے ایک دوسرے پر حرام ہیں جب تم اپنے رب سے (قیامت کے دن) ملاقات کرو گے (بالکل اسی طرح) جس طرح تمہارے اس دن اور تمہارے اس مہینے کی حرمت تمہارے اس شہر میں واجب ہے اور جب تم اپنے رب سے ملو گے تو تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

''خبردار! تمہارے، تمہاری عورتوں پر کچھ حق ہیں اور تم پر بھی ان کے کچھ حق ہیں ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ کسی غیر کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں اور نہ تمہارے کسی ناپسندیدہ آدمی کو تمہاری اجازت کے بغیر گھر میں آنے دیں ان پر تمہارا یہ حق بھی ہے کہ وہ کھلی بے حیائی سے بچیں کیونکہ ایسی صورت میں تمہارے رب نے تمہیں اجازت دی ہے کہ اپنی خواب گاہوں سے الگ کر دو (اور باز نہ آئیں تو) انہیں ایسی ہلکی مار مارو کہ ان کے جسموں پر نشان نہ پڑیں اگر وہ اپنی اصلاح کر لیں تو ان کا کھانا اور کپڑا معروف طریقے کے مطابق تمہارے ذمہ ہے۔

''یاد رکھو! کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے مال سے بلا

اجازت کسی کو کچھ دے، عورتیں تمہاری نگرانی میں ہیں اس لئے ان کے ساتھ تم اچھے برتاؤ کے پابند ہو، عورتیں اپنے معاملات کو خود نہیں چلا سکتیں، اس لئے عورتوں کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کی وجہ سے وہ تم پر حلال کی گئی ہیں، اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمام حق داروں کو (میراث میں) ان کا حق عطا کیا ہے، اس لئے کسی کو کسی کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں، بچے کا نسب کسی کی بیوی کے شوہر (باپ) سے ثابت ہوگا اور جس نے بدکاری کی اس کے لئے سزا ہے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے، جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے اپنے نسب کی نسبت کی، یا جس غلام نے اپنے مالک کے علاوہ دوسرے سے اپنے آپ کو منسوب کیا اُن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، قرض ادا کیا جائے، عاریۃً لی ہوئی چیز واپس کی جائے گی، تاوان ضامن کے ذمہ ہوگا۔

''یاد رکھو! مجرم اپنے جُرم کا ذمہ دار ہے، بیٹا باپ کے جُرم کا اور باپ بیٹے کے جُرم کا ذمہ دار نہیں ہوگا''۔

''کسی کے لئے بھی اپنے بھائی کی چیز لینی جائز نہیں، ہاں اگر وہ خوش دلی اور رضامندی سے دے تو جائز ہے، تم اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔''

''اے لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، تمہارے غلام تمہارے غلام (اور تمہاری ذمہ داری سے) ہیں، تم جو کچھ کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو انہیں پہناؤ۔

''میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، جس کے پاس کوئی امانت ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے ٹھیک طور پر لوٹا دے اگر تم پر کوئی نکٹا حبشی امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق امور سرانجام دے تو اس کے احکام سنو، اور اس کی اطاعت کرو۔

''اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی اُمت نہیں۔''

کا پیغام ہم تک پہنچا دیا اور نصیحت کا حق ادا کر دیا۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور پھر اسے لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا۔"اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا، اے اللہ تو گواہ رہنا۔"

خطبہ حجۃ الوداع آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس خطبہ کے نکات کی تشریح کے لئے دفترِ بے کراں چاہیے، مگر اختصار کے باوجود اس خطبہ کے بہت سے پہلوؤں کو بھی آج کے مسلمان کا ذہن اپنی گرفت میں کسی تفسیر و وضاحت کی مدد کے بغیر لے سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس خطبے میں اتحاد و اتفاق کی ہدایت فرمائی۔ نظم و ضبط کی اس درجہ تاکید کی کہ "متقی حبشی غلام" کی اطاعت بھی مسلمانوں کے لئے آج تک وجہ افتخار ہے۔ حضور ﷺ نے عورتوں کے حقوق کی یاد دہانی کرائی۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی میں عورتوں کے حقوق اور" آزادی" کے لئے جو تحریکیں چلائی گئیں اور جو کچھ کہا اور لکھا گیا ہے ان کا مجموعہ بھی تاریخ اور علم کی میزان میں رسول اللہ ﷺ کے اس ایک جملہ سے کہیں سبک تر ہے کہ" عورتوں کے معاملے میں بھی تقویٰ اختیار کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے عورتوں پر اور تم پر عورتوں کے حقوق ہیں۔" تقویٰ کے تصور کو اسلام میں جو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس کو نظر میں رکھ کر ہی اس جملے کو سمجھا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ خطبہ کے متن میں بیان کیا گیا، خطبہ ارشاد فرما کر آپ نے اپنے فریضۂ نبوت کی ادائیگی کے بارے میں لوگوں سے شہادت طلب کی۔ تاریخ کے اس لمحے کو تصورِ مومن کے لئے جاوداں کر دیا ہے۔ جب آپ نے چاروں طرف دیکھا، ہر طرف ایمان کی شراب کے متوالے تھے۔ دس سال پہلے اسی وادی میں حضور نبی کریم ﷺ فداہ ابی و امی نے ام القریٰ میں اپنے رب کے پیغام کی اشاعت کے" جرم" میں ہجرت فرمائی تھی اور آج یہ وادی اسی پیغام کی تکمیل کا مرقع تھی۔ ایک لاکھ سے زیادہ زبانوں نے شہادت دی کہ عظیم ترین رسول ﷺ نے فریضہ رسالت اپنی تمام اکملیت کے ساتھ انجام دیا اور رسول عربی ﷺ نے آسمان کی طرف انگشت شہادت بلند کر کے تین مرتبہ فرمایا کہ "اَللّٰھُم اشھد"

رسول اللہ ﷺ تین مرتبہ اللہ جل جلالہ کو اپنا گواہ بناتے اور بارگاہ رب العزت سے جواب نہ آنا، یہ کیسے ممکن تھا۔ اللہ نے رسول اکرم ﷺ کے فریضہ رسالت کی تکمیل کی شہادت اسی وقت

''اے لوگو! میں تمہارے درمیان ایک چیز چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم کتاب اللہ سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور دین میں غلو اور مبالغہ سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے کی قومیں غلوفی الدین کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں اور شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں کبھی اس کی عبادت کی جائے گی لیکن اگر معمولی باتوں میں بھی اس کی اطاعت کی گئی تو وہ اس پر بھی راضی رہے گا، پس اپنے دین (اور اس کی حفاظت) کے بارے میں ڈرتے رہو۔

''اپنے رب کی عبادت کرو، اپنی پانچوں نمازیں ادا کرو اور اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو اور اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو اور پوری خوش دلی کے ساتھ اپنے رب کے گھر کا حج کرو اور اپنے امیروں کی اطاعت کرو، (یوں) تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

''اے لوگو! نسی (حلال و حرام مہینوں میں ردوبدل) کفر کی زیادتی کا سبب ہے، اس سے کفار گمراہ ہوتے تھے، وہ ایک سال میں (حرام مہینوں کو) حلال کر لیتے تھے اور دوسرے سال حرام کر لیتے تھے تاکہ یوں حرام مہینوں کا شمار پورا ہو جائے، لیکن اب زمانہ آسمانوں اور زمین کے یوم تخلیق کی ہیئت کی طرف لوٹ آیا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں چار حرام ہیں اور تین مہینے مسلسل ہیں [1] اور ان مہینوں میں سے رجب، جمادی الثانی، اور شعبان کے درمیان ہے۔

''جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میری بات ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں کیونکہ وہ بہت سے لوگ جن تک میری بات پہنچے گی بے شک وہ اسے اس وقت سننے والوں سے زیادہ محفوظ رکھیں گے''۔

''اے لوگو! تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ (اس پر) لوگوں نے کہا ''ہم شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت ادا کر دی ہے اللہ تعالیٰ

[1] ......ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم۔

دی اور ان الفاظ میں۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

"آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اس بات کو پسند کر لیا کہ تمہارا دین اسلام ہو۔"

اللہ تعالیٰ کی اس شہادت کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز معراج آپ کو یوں عطا ہوئی تھی کہ معراج المومنین بن گئی اور نماز کو آپ نے دین کا ستون اور اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا اور جس وقت اللہ تعالیٰ نے دین کے کامل ہونے کا اعلان آپ کی زبان حق صدا سے کرایا تو فوراً اقامت صلوٰۃ کی دعوت کا حکم دیا گیا۔ اذان کے بعد آپ نے ظہر کی دو رکعتیں ادا فرمائیں اور اس کے بعد عصر کی دو رکعتیں۔

ادائیگی صلوٰۃ کے بعد آپ ﷺ موقف پر آئے۔ عرفات کے میدان میں وقوف کی یہ جگہ دل مومن کو اپنی طرف آپ بلاتی ہے۔ یہاں آپ نے اپنی سواری کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے دیر تک اپنے رب سے باتیں کیں۔ اپنی عاجزی کا اظہار، اس کی عظمت وجلالت کا اعلان، گریہ وزاری گڑگڑاہٹ عبد ومعبود کے درمیان جیسے اس شام کوئی پردہ حائل نہیں رہا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک خاموش اضطراب سے گزر رہے تھے۔ وہ اضطراب جو سینے کے ساحل سے ہر گرد اور میل کو بہا کر مغفرت کے سمندر میں معصومیت اور صفائے باطن میں ڈھال دیتا ہے۔ "حضور اکرم ﷺ نے دعا کے دوران اپنے مبارک ہاتھوں کو سینۂ اقدس کے مقابل رکھا تھا، جس طرح مسکین مانگنے میں رکھتے ہیں۔ [1] اور ہونٹوں پر یہ دعا تھی۔

"اے میرے اللہ! تو میرا کلام سنتا ہے اور تو میری جگہ کو دیکھتا ہے اور تو میرے بھید اور ظاہر کو جانتا ہے اور میری کوئی بات تجھ سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ میں مصیبت زدہ ہوں، میں محتاج ہوں، میں فریاد لے کر تیرے دربار میں حاضر ہوں، میں تیری پناہ کا طالب ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے

[1] ..... مدارج النبوۃ، جلد دوم صفحہ ۶۶۲

گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں ❶ تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے بے کس سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہ گار، ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں، جیسے خوف زدہ، آفت رسیدہ طلب کرتا ہو اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہو جس کی گردن تیرے سامنے خم ہو اور جس کے آنسو رواں ہوں اور جس کا پورا وجود تیرے سامنے فروتنی اور عجز وخاکساری بن گیا ہو اور جو (اظہار عبدیت کے لئے) اپنی ناک تیرے حضور رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ، اے رب تو مجھے اپنے لئے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے لئے رؤف ورحیم ہوجا۔ سب مانگے جانے والوں سے بہتر (خیر المسؤلین اور سب عطا کرنے والوں سے بہتر۔"

غروب آفتاب کے بعد آپ عرفہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اونٹنی پر آپ کے پیچھے بیٹھے تھے۔ اس سفر میں آپ کی یہ رفاقت اسامہؓ کی زندگی کا ابھرتا ہوا سورج تھی۔ جس کی شعاعیں بعد میں فتوحات اسلامیہ کا دیباچہ بنیں۔ حضور کریمﷺ کی دعا نے صحابہ کرامؓ کے دلوں کے چھپے ہوئے اضطراب کو ابھار دیا تھا۔ گریہ گلوگیر تھا اور زبان رسالت یوں سکون کا پیغام دے رہی تھی۔

| | |
|---|---|
| السکینۃ یا ایھا الناس | السکینۃ یا ایھا الناس |
| اے لوگو! سکون کے ساتھ | اے لوگو! سکون کے ساتھ |

مزدلفہ پہنچ کر قافلہ محمدی نے اپنے سالارﷺ کی قیادت میں نماز مغرب ادا کی۔ اس نماز کے سجدوں کے عکس کی چھوٹ آج بھی وہاں نماز مغرب ادا کرنے والے حاجیوں کی پیشانی پر پڑتی ہے۔ نماز مغرب کے بعد سواریوں پر سے زادراہ اتارا گیا۔ اور پھر اقامت کے ساتھ نماز عشاء ادا کی گئی۔ یوں جمعہ کا دن اپنے پایاں تک پہنچا۔

سنیچر کی صبح کے آثار کے اُفق پر پھیلنے سے پہلے ابدی ہدایت کا سورجﷺ بیدار ہو کر تکبیر و تہلیل اور ذکر الٰہی سے قلوب کی دنیا کو روشن کر رہا تھا۔ اول وقت آپ نے صحابہ کرامؓ کے

❶ ...... انبیائے کرام کی عصمت ہمارے ایمان کا جز ہے اور رسول اللہﷺ تو خاتم المعصومین تھے، اس دعا سے آپ کی انتہائی خشیت اللہ کا اظہار ہوتا ہے اور اس سے اہم تر نکتہ ہے کہ یوں آپ نے امت مسلمہ کو حج کی یہ دعا سکھائی ہے اس حج کا مقصد ہی مناسک حج کی تعلیم تھا کیونکہ یہ بات تکمیل رسالت کے لئے لازم تھی۔

ساتھ نمازِ فجر ادا کی اور طلوعِ آفتاب سے بعد پہلے مزدلفہ سے کوچ کیا گیا تا کہ کفار کی قائم کردہ روایت ٹوٹ جائے جو طلوعِ آفتاب کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوتے تھے۔

یہ سفر عجیب تھا۔ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت فضل رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ ناقہ پر آپ کے ساتھ تھے۔ کتنے ہی جانثار پاپیادہ ہمراہی میں دوڑ رہے تھے۔ لبوں پر سوال تھے۔ مناسک حج کے مسائل اور تفصیلات معلوم کی جا رہی تھیں اور حضور ﷺ سوالوں کے جواب دے رہے تھے۔ یہ کتاب اور حکمت کی تعلیم تھی۔ تلاوت آیات، تزکیہ نفس، کتاب وحکمت کی تعلیم۔ رسول اعظم ﷺ معلم بنا کر مبعوث فرمائے گئے تھے اور یوں نبوت کے فرائض کی تکمیل ہو رہی تھی۔

وادی محسر کے وسط سے گزرتے ہوئے آپ نے ناقہ کی رفتار تیز فرما دی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اصحاب فیل پر رب کعبہ نے عذاب نازل کیا تھا اور ہاتھی والے ابابیل کی کنکریوں کا ہدف بن کر رہ گئے تھے۔ اقوام سابقہ کے ایسے آثار عبرت کے نشانات ہیں۔ اسی راستے سے منیٰ ہوتے ہوئے آپ جمرہ پہنچے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی جمع کی ہوئی سات کنکریاں ماریں پھر آپ منیٰ واپس تشریف لائے اور یہاں خطبہ عطا فرمایا ایام تشریق کے وسط کا یہ خطبہ، خطبہ حجۃ الوداع کے بعض نکات کی تکرار بھی اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ تکرار دین کی اصطلاح کے مطابق ''ذکر'' ہے۔ افصح البشر ﷺ کے ان دونوں خطبات میں یہ نکتہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ آپ نے ایک لاکھ انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے ان سے سوال کئے، ان سے شہادت طلب کی یہ تبلیغ اور موعظہ کی احسن شکل ہے، اور اس سے لوگوں کی والہانہ وابستگی اور ان کی شرکت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ پھر ایمان کی یہ منزل دیکھئے کہ حضور ﷺ کوئی سوال کرتے ہیں تو ایک ہی جواب لبوں پر ابھرتا ہے ''اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں''۔ خطبہ کا آغاز ہی یوں ہوا کہ آپ نے صحابی سے پوچھا کہ ''آج کا دن کون سا دن ہے؟'' کتنی معلوم بات آپ نے دریافت فرمائی تھی، لیکن بلاغت کا پہلو بھی اتنا ہی نمایاں تھا کہ سامنے کی بات دہرا دینا نادانی ہوتا۔ آواز گونجی۔ ''اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے'' اس خطبے میں بھی آپ نے جان، مال اور آبرو کی حرمت پر زور دیا جیسا کہ خطبہ عرفہ میں آپ زور دے چکے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ تم کس شہر میں ہو اور یہ کونسا مہینہ ہے اور کون سا دن ہے (آپ کے سوال پر پہلے تو لوگوں نے کہا کہ اللہ اور رسول کو زیادہ علم

ہے اور پھر) لوگوں نے کہا ”یہ دن حرمت کا دن ہے اور یہ شہر بلد حرام ہے اور یہ مہینہ احترام کا مہینہ ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارا خون اور تمہارا مال، تمہاری عزتیں اسی طرح قیامت تک ایک دوسرے پر حرام ہیں جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر۔ پھر فرمایا مجھ سے دو باتیں سنو جو تمہارے لئے عیش دوام اور صحیح زندگی اپنے اندر رکھتی ہیں۔ ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا کسی مسلمان کے مال سے کچھ لینا جائز نہیں ہاں اگر وہ خود راضی ہو (تو جائز ہے)۔ ہر خون، ہر مال جس کا بدلہ عہد جہالت سے چلا آتا ہے اب وہ تاقیامت باطل ہے۔ سب سے پہلا خون جو معاف کیا جاتا ہے وہ ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ جس نے بنی لیث میں پرورش پائی تھی اور ہذیل نے جسے قتل کیا تھا۔

سنو عہد جہالت کے تمام سود بھی باطل قرار دیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ ❶ فرمادیا کہ جو سود سب سے پہلے باطل کیا جائے وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔

ابتدا میں جب خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھر آج اسی نقطہ پر آگیا ہے (یعنی آغاز کو اپنا انجام مل گیا ہے یا پھر آج سے اس نئے نظام کی تکمیل کا آغاز ہو رہا ہے۔ جس کا اختتام روز جزا سے جا ملے گا)

پھر حضور ﷺ نے سورۃ التوبہ کا یہ ٹکڑا تلاوت فرمایا۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ

”یقیناً شمار مہینوں کا جو (جو کہ کتاب الٰہی میں) اللہ تعالیٰ کے نزدیک (معتبر ہیں) بارہ مہینے میں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کیے تھے (اسی روز سے اور) اس میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں یہی (امر مذکور) دین

❶ ......وحی غیر متلو یا قرآن حکیم کے محفوظ ارشادات کے علاوہ حضور ﷺ تک اللہ کے دوسرے پیغامات کے منکر اس ٹکڑے اور ایسے دوسرے بہت سے واقعات پر غور کریں۔ یہ حضرات عمل متواتر اور توارث اعمال کی حجیت کے تو قائل ہیں مگر قرآن حکیم سے ”نہ ٹکرانے والی حدیث کو بھی حجت نہیں مانتے“۔

مستقیم ہے سوتم ان سب مہینوں کے بارے میں (دین کے خلاف کر کے) اپنا
نقصان مت کرنا۔" (سورۃ التوبہ۹: آیت ۳۶)

اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔" ہاں میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو (اور حرام مہینوں میں بھی قتل ناحق سے اپنے اوپر ظلم کرنے لگو) اور ہاں شیطان بھی اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ مصلی (نماز گزار بندے) اس کی عبادت کریں، لیکن وہ تمہارے درمیان رخنہ اندازی (ضرور کرے گا)

"اے لوگو! عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو کیونکہ ان کا تم پر حق ہے اور تمہارا ان پر کہ وہ تمہاری (آبرو کی حفاظت کرتے ہوئے) تمہاری جگہ پر کسی کو نہ آنے دیں اور کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو......، آگاہ ہو جاؤ، جان لو کہ جس کے پاس کوئی امانت ہے وہ صاحب امانت کو واپس کردے۔"

اور خطبہ کے بعد آپ نے سننے والوں سے کہا کہ جو حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں کیونکہ بہت سے غیر حاضر سننے والوں سے زیادہ خوش بخت اور سعید ہوتے ہیں" یہ کلمات، ایک طور پر الوداعیہ کلمات بھی تھے اور جیسا کہ سطور گزشتہ میں عرض کیا گیا کہ ناقہ کے سفر کے ساتھ علم دین مناسک حج کی تعلیمات کا سفر بھی جاری تھا۔ مسلم اور ابوداؤد میں یہ حدیث موجود ہے کہ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ "مجھ سے حج کے مناسک اور مسائل حاصل کرلو، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس حج کے بعد میرے لئے دوسرے حج کی نوبت آئے گی"۔ اسی لئے اس حج کو حجۃ الوداع کا نام دیا گیا۔

خطبہ کے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام منحر (قربان گاہ) تشریف لے گئے آپ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے تریسٹھ اونٹ آپ نے دست مبارک سے ذبح فرمائے" آخری حج کے اونٹوں کی اس تعداد کو آپ کی عمر شریفہ سے بھی نسبت ہے اور یہ ایک اور اشارہ تھا اس حقیقت کی طرف کہ اس خاکدان تیرہ سے آپ کی رخصت کی گھڑی قریب ہے۔ جسے آپ نے عمل و کردار سے جلوہ گہ صفات الٰہیہ بنا دیا تھا۔ قربانی کے باقی جانوروں کو آپ کے ارشاد کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ذبح فرمایا۔

قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حلق کے لئے طلب فرمایا آپ رضی اللہ عنہ کے سر کے بال تراشنے کا یہ اعزاز ان کے لئے قسام ازل لکھ چکا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنے چند موئے مبارک سب سے پہلے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ محترمہ ام سلیم اور بعض قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو عطا فرمائے۔ پھر آپ کے موئے مبارک ایک ایک دو دو کر کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تقسیم کئے گئے۔ اس واقعہ کے پس منظر میں دنیا کے کئی حصوں میں آج بھی آپ کے موئے مبارک کی موجودگی نہایت آسانی میں سمجھ آسکتی ہے۔ حضور ﷺ کا وجود یہاں تک کہ اسم مبارک مسلمانوں کو اپنے ماں باپ اولاد اور جان و مال سے زیادہ عزیز ہے۔ اور ابھی تو صرف چودہ صدیاں گزری ہیں، جن لوگوں کے حصے میں یہ متاع آسمان نشان آئی ہو گی ان کے اخلاف جہاں جہاں گئے ہوں گے اسے اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں گے اور ہر انقلاب و ابتلا میں اپنے لئے سپر اور وسیلہ تحفظ و سعادت جان کر محفوظ رکھا ہوگا۔

قربانی کے بعد آپ ام القریٰ تشریف لے گئے، طواف کے بعد اس چشمہ پر پہنچے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بے تابی کے ساتھ زمین پر پڑنے والی ایڑیوں کے صدقہ میں خدائے ذوالجلال نے جاری فرمایا تھا۔ یہاں آپ نے آب زم زم نوش فرمایا اور آج بھی حج کے موقع پر لاکھوں فرزندان توحید زمزم سے اپنی پیاس بجھاتے ہوئے اسی سنت کی پیروی کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے لئے چاہ زمزم سے پانی نکالنے کی سعادت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھی اور آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے زمزم پیا تھا۔ آپ ﷺ کے اسی عمل نے زمزم کو نگاہ مسلم میں وہ احترام عطا کیا کہ آج بھی ہم میں سے جس کو زمزم کے چند گھونٹ نصیب ہو جاتے ہیں وہ خواہ کسی ملک میں ہو قبلہ کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو کر زمزم پیتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ اسی دن منیٰ واپس تشریف لے گئے۔ رات وہیں گزاری اور دوسرے دن رمی جمار کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر ادا فرماتے اور جمرہ پر مارتے آپ ﷺ نے ایام تشریق کے تینوں دن کی رمی مکمل کی، پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔''

سورۃ النصر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایامِ تشریق کے دوران منیٰ میں نازل ہوئی۔

''جب اللہ کی نصرت آجائے، اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے رسول کریم ﷺ) تم دیکھ

لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ تواب و بڑا توبہ قبول کرنے والا) ہے۔"

ایک طرف تو تکمیل دین کی بشارت دی جا چکی ہے اور پھر سورۃ النصر کا نزول جو حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کے بیان کے مطابق قرآن حکیم کی آخری سورت ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی اور انہیں کے بیان کے مطابق قرآن حکیم کی اس سورت کے نزول کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے میری وفات کی خبر دی گئی"۔ وہ صحابہ، جو نبی کریم ﷺ کے مزاج داں اور وحیٔ الٰہی کے رمز آشنا تھے یہ سورت سن کر اپنے آقا اور مولا ﷺ کے رخصت ہونے کے تصور ہی سے ریزہ ریزہ ہو گئے۔ مگر نبی کریم ﷺ کے نفس مطمئنہ نے آپ کو عبادت اور ریاضت میں اور مصروف کر دیا۔ اللہ کی پاکی اور اس کی حمد زبان مبارک پر رواں ہو گئی۔ سبحنک اللّٰھم وبحمدک. اللّٰھم اغفرلی۔ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات اکثر ادا ہونے لگے کہ یہ کلمات سورۃ النصر کی تعبیر اور آپ کے مقصد عظیم کی تکمیل کا اشارہ تھے۔

نبی کریم ﷺ نے طواف وداع فرمایا۔ اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ پر آپ ﷺ کی نگاہ اس سکون اور یقین کے ساتھ پڑ رہی تھی کہ بیت اللہ ملت اسلامیہ کا مرکز رہے گا اور ہر جگہ کے اہل ایمان کے اتحاد کی علامت۔ حضور ﷺ طواف وداع کے بعد چاہ زمزم پر تشریف لے گئے۔ اس بار آپ نے ایک ڈول خود کھینچا۔ اس میں سے کچھ نوش فرمایا اور باقی ماندہ پانی ڈول سے پھر چاہ زمزم میں ڈال دیا۔ یوں زمزم کا ختم نہ ہونا اور ساری دنیا کے اہل ایمان کی پیاس بجھانا۔ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابدی معجزوں میں سے ایک ہے۔ کاش زمزم پیتے وقت ہمیں یہ احساس رہے کہ اس پانی کو حضور ﷺ کے لبوں سے مس ہونے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔

طواف وداع کے بعد اہل ایمان کے قافلے نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ حضور ﷺ کو اپنی زندگی کے سفر کے اختتام کی خبر مل چکی تھی اور اب آپ مدینہ کی طرف بڑھ رہے تھے جس کی زمین کو آپ کے جسد مبارک کی امانت نے تین ماہ اور چند دنوں کے بعد ہی فلک مرتبہ بنا دیا۔

واپسی کے سفر میں خم غدیر کے مقام پر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں حضرت علی ﷺ کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "جس کو میں محبوب ہوں چاہئے کہ علی بھی اس

کو محبوب ہو۔ اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ''۔ اس خطبہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان کے رب نے بعد میں پیدا ہونے والے ''فتنہ ناصبیت'' سے اسی طرح آگاہ کر دیا تھا جس طرح آپ فتنہ لافعن سے واقف تھے، اسی لئے مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان ؓ کی فضیلت بیان فرمائی۔ یہاں تک کہ خطبہ ٔخم غدیر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ

''کہ تم میرے بعد دین کے معاملات میں ابوبکر اور عمر کا اتباع کرنا''

وہ دن کا وقت تھا جب سواد مدینہ کے مناظر آپ ﷺ کی نگاہ میں چمکے۔ آپ ﷺ نے آثار مدینہ کو دیکھ کر تین بار تکبیر ادا کی اور ارشاد فرمایا۔ ''کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ وہ واحد ہے، لاشریک ہے سلطنت اور ملک اسی کا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

لوٹ کر آرہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، خدا کے سامنے اپنی پیشانیاں سجدوں میں جھکاتے ہوئے، اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرتے ہوئے۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کو نصرت عطا کی۔ اور اس نے تمام جتھوں کو شکست دے دی۔

مدینہ منورہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دن کے وقت داخل ہوئے۔ یہ اس سراج منیر کی واپسی اپنے موقف کی طرف تھی جو اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالم انسانیت کے لئے روشن سورج بن کر آیا تھا۔

# عالم جاوید کی جانب

حجۃ الوداع کے دوران دین کی تکمیل کی نوید دی جا چکی تھی، پھر نصرت الٰہی کی آمد کے ذکر کی صورت میں یہ حقیقت اہل ایمان کے سامنے پیش کی جا چکی تھی کہ نبی کریم ﷺ کا کار رسالت مکمل ہو چکا۔ حضور ﷺ نے ایک ایسی امت کی تشکیل فرما دی تھی جس میں صدیق ؓ تھے جس نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ کی ہر صداقت کی تصدیق کی اور جسے آپ کے بعد بھی اپنی صدیقیت کا اظہار کرنا تھا، وہ فاروق ؓ تھا جس کی شمشیر جگردار، عزم گراں اور نگاہ حجاب شکن نے حق و باطل کو معرکہ حیات میں الگ الگ کر دیا تھا، وہ غنی ؓ تھا جس نے یہ حقیقت آشکار کی کہ۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اور وہ علی مرتضیٰ ؓ تھا جس کی حیدریت نے معرکہ خیبر کو سر کیا اور جس کا علم، علوم نبوی تک پہنچنے کا دیباچہ ہے۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی حضور ﷺ نے اپنے سفر جاوید کی طرف اشارے فرما دیئے تھے۔

''لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح ہم مجلس ہو سکیں گے۔''

اور خطبہ کے آخر میں حضور ﷺ کا تین مرتبہ یہ ارشاد فرمانا کہ

''اے میرے رب! تو گواہ رہنا۔''

اللہ تعالیٰ کی بشارتوں کے مطابق حضرت خاتم النبیین ﷺ نے اپنے سفر آخرت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ ﷺ اپنے رب سے ملنے کے لئے بے چین تھے۔ اور یوں آپ کے اشتیاق کے پیش نظر رب جلیل نے اپنے حبیب و محبوب کو ''وصال حق کی اجازت عطا فرمائی۔''

حضور ﷺ کی عبادات اور استغراق میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ ﷺ کے رب نے حجۃ الوداع کے دوران آپ ﷺ سے فرمایا تھا کہ، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ۔ اور آپ ﷺ

نے اس حکم کے مطابق تہلیل و تسبیح میں اپنا وقت گزارنا شروع کر دیا۔ اپنے اصحاب کے ساتھ آپ ﷺ کے معاملات اور برتاؤ میں زیادہ رحمت، شفقت، محبت اور نرمی پیدا ہوگئی۔ حجۃ الوداع کے رفیقوں کو آپ ﷺ نے بے حد شفقت کے ساتھ رخصت کیا۔ ان زندوں کے ساتھ ساتھ ان زندوں کا خیال بھی آپ ﷺ کے قلب مبارک میں تھا جو اس دنیا سے جا چکے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ حق شہدائے اُحد کا تھا۔ حضور ﷺ شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے تا کہ وہ بھی آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوسکیں۔ آپ ﷺ نے نہایت رقت کے ساتھ شہدائے اُحد کی مغفرت کے لئے دعا فرمائی اور اس طرح رخصت ہوئے جیسے کوئی جانے والا اپنے اعزا سے مل کر رخصت ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ مسجد نبوی کے منبر کی طرف لوٹے اور اصحاب کرام ؓ سے فرمایا:

> ''میں تمہارے آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور خدا کی قسم اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کر دی گئی ہیں۔ اور خدا کی قسم مجھے اس کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں کہ تم حصول دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگو گے۔'' [1]

ان الفاظ کو دیکھئے اور اپنی امت کے لئے نبی کریم ﷺ کی محبت کا اندازہ کیجئے۔ ایک طرف شہدا سے رخصت ہو رہے ہیں اور دوسری طرف اپنے اصحاب سے خطاب ہے۔ اور تیسری طرف مستقبل کے زمانوں میں جھانکتے ہوئے آنے والے دور کے امتیوں سے خطاب ہے۔ حضور ﷺ کے لئے ان کے رب نے جب چاہا زمانہ کو ایک لمحہ میں بدل کر اس کے تمام اسرار و رموز اور واقعات ان پر ظاہر کر دیئے۔

شہدائے اُحد سے ملاقات کے بعد نبی کریم ﷺ ۱۸ اور ۱۹ صفر ۱۱ھ کی درمیانی شب کو جنت البقیع تشریف لے گئے جو مسلمانوں کا عام قبرستان تھا۔ یہاں آپ ﷺ کے کئی جانثار صحابی اور اہل خانہ ابدی نیند سو رہے تھے۔ نبی آخر الزماں نے اہل قبور سے ملاقات فرمائی اور ان کے لئے دعائے مغفرت ادا کی۔ جنت البقیع سے تشریف آئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک میں شدید درد تھا۔ وہ دن حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا۔ حضور ﷺ کی بیماری بڑھتی گئی، لیکن اس عالم میں

---

[1] ..... بخاری شریف (کتاب الجنائز) جلد اول۔ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، صفحہ ۵۶

بھی آپ نے اس عدل کو قائم رکھا جس کی شرط پر قرآن حکیم نے ایک سے زیادہ نکاحوں کی اجازت اہل ایمان کو دی ہے۔ امہات المومنینؓ میں سے جس کی باری ہوتی آپ ﷺ اس کے حجرے میں تشریف لے جاتے۔ جب ضعف حد سے بڑھ گیا اور یہ آمد ورفت مشکل ہوگئی تو امہات المومنینؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ (ﷺ) ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، ہماری باہمی زندگی کا ہر لمحہ آپ ﷺ کے عدل اور حسن سلوک کی دستاویز ہے۔ اب آپ کسی ایک جگہ قیام فرمائیں اور پھر یہ سعادت حجرۂ عائشہ صدیقہؓ کی قسمت میں آئی کہ صاحب سعدات کاملہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری دن وہاں بسر فرمائے۔

جب تک آپ ﷺ کے لئے ممکن رہا آپ ﷺ مسجد نبوی میں امامت صلوٰۃ کے لئے تشریف لے جاتے رہے۔ یوں آپ ﷺ نے نماز با جماعت کی اہمیت کے ساتھ ساتھ امامت صلوٰۃ کی عظمت بھی اجاگر فرمائی اور یہ نکتہ واضح تر ہوگیا کہ مسلم معاشرہ کا سب سے مضبوط تمدنی اجتماعی ادارہ مسجد ہے۔ آپ ﷺ نے جس آخری نماز کی امامت فرمائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ اس میں سورۃ المرسلت کی تلاوت فرمائی۔ یوں حضور خاتم المرسلین ﷺ نے رخت سفر باندھتے باندھتے اپنی امت پر قیامت اور آخرت کے اثبات کی اہمیت واضح فرمائی۔ پے در پے چلنے والی ہواؤں طوفانی رفتار سے چلنے والی ہواؤں، بادلوں کو اٹھا کر پھیلانے اور پھاڑ کر جدا کرنے والی اور یوں دلوں میں اللہ کی یاد پیدا کرنے والی ہواؤں کی شہادت کے بعد المرسلت میں خدائے جلیل کی آواز یوں ابھرتی ہے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۙ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۙ

”پھر جب ستارے ماند پڑ جائیں گے اور آسمان پھاڑ دیا جائے گا اور پہاڑ دھنک ڈالے جائیں گے اور رسولوں کی حاضری کا وقت آپہنچے گا۔“

گیارھویں آیت میں حضور ﷺ کے سفر عالم جاوید کا اشارہ موجود ہے، کیونکہ اس زمین پر اپنے فرائض کی تکمیل کی شہادت تو خطبۂ حجۃ الوداع میں پیش کی جا چکی تھی۔

عشاء کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے کئی بار مسجد نبوی تشریف لے جانے کی کوشش فرمائی،

مگر غشی غالب آ گئی اور جب آپ ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا ''ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں'' حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، بابا جان کی رقت قلب آپ ﷺ کی جگہ امامت کا بوجھ برداشت نہ کر سکے گی۔'' لیکن حضور ﷺ نے دوبارہ یہی حکم دیا۔ یہ معراج کی تصدیق کرنے والے (ؓ) کے لئے معراج کی گھڑی تھی، یہ صاحب فی الغار کے صدق و مرتبہ کی سند تھی، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے جو سفر کیا گیا تھا اس کے شریک کے حصہ میں رسول ﷺ کی جانشینی مقدر ہو چکی تھی۔

صدیق اکبرؓ تک یہ حکم رسالت پہنچا تو لرز اٹھے۔ امید و بیم کے عالم میں حضرت فاروق معظمؓ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ ''عمر! تم نماز پڑھا دو۔'' عمرؓ نے جواب دیا میرے دوست! یہ ہمارے ہادی کا حکم ہے۔ اور یوں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نماز عشاء کی امامت فرمائی۔ عشق و مستی میں ڈوبی ہوئی اور شدت جذبات سے لرزتی ہوئی آواز تلاوت گوش حبیب خدا ﷺ تک ضرور پہنچ رہی ہو گی۔

اگلے دن ظہر کے وقت آپ ﷺ کی طبیعت میں کچھ افاقہ تھا دو نمازوں کی امامت نے کوہ یقین و صدق ابوبکر صدیقؓ کو ہلا دیا تھا کہ ''کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور اگر جنا تھا تو اس دن کے دیکھنے سے پہلے مجھے موت آ جاتی اور میں رسول ﷺ کو اس حال میں نہ دیکھتا'' ❶ حضور اکرم ﷺ نے غسل فرمایا، حضرت علیؓ و عباسؓ کا سہارا لیا اور مسجد نبوی تشریف لے گئے۔ نماز شروع ہو چکی تھی قدموں کی آہٹ پا کر امام جماعت ابوبکر صدیقؓ پیچھے ہٹنے لگے تو حضور ختمی مرتبت ﷺ نے منع فرمایا اور حضرت صدیقؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اب حضور ﷺ نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر حضرت صدیقؓ ارکان صلوٰۃ ادا کرتے اور حضرت صدیقؓ کو دیکھ کر جماعت مومنین ارکان صلوٰۃ ادا کرتی۔ یوں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر مہر نبوت ثبت کی اور خلیفۂ رسول اللہ ﷺ بلا فصل کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ ان کے بعد آنے والے ان کے خلیفہ بنے۔

ان دنوں میں حضور نبی کریم ﷺ نے خطبۃ الوداع ارشاد فرمایا، مسلمانوں کو مختصر مختصر ہدایات

❶ ...... مدارج النبوت جلد دوئم صفحہ ۱۵۷

دیں، جیش اسامہ کی روانگی کا حکم دیا اور انصار کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی وصیت بنایا۔ خطبۃ الوداع میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو یہ اختیار عطا فرمایا کہ وہ دنیا کو اختیار کر لے یا اس کو جو اللہ کے پاس ہے، اور اس نے اسے اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہے۔ ❶

''بلاشبہ کسی فرد نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر اتنا احسان نہیں کیا جتنا ابوبکر نے کیا ہے۔ اگر میں انسانوں میں سے کسی کو اپنا خلیل ❷ بناتا تو ابوبکر کو، مگر اسلام کا رشتہ سب سے افضل ہے۔ مسجد کے رخ جتنے دریچے ہیں سب بند کرو ابوبکر کے دریچے کے علاوہ۔

''جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے ایسی قومیں گزری ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء وصلحا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ تمہیں لازم ہے کہ ایسا نہ کرنا۔ اے مسلمانو! میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ خبردار! میں نے تمہیں خبردار کر دیا اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا۔''

یا ایھا الناس ! میں انصار کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا مگر انصار اس طرح کم ہوتے جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ انصار اپنا فرض ادا کر چکے اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ انصار صندوق کی طرح ہیں جس میں قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔ میں نے ان کی طرف ہجرت کی اور انہوں نے مجھے جگہ دی اور میرے ساتھ محبت و اخلاص کا اور دوستی اور مروت کا برتاؤ کیا۔ قسم ہے رب عزّ وجل کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں انصار کو عزیز رکھتا ہوں۔''

حضور ﷺ نے اسی خطبۃ الوداع میں اسامہ کے لشکر کے بارے میں فرمایا کہ تم میں سے

---

❶ ...... خطبہ کے اس ٹکڑے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گریہ پر قابو نہ رکھ سکے، بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تعجب سے دیکھنے لگے کہ یہ اللہ کے کسی بندۂ عظیم کے اختیار عظیم میں کیوں رو رہے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو جانتے تھے کہ یہ بندہ خود حضور ﷺ ہیں اور آپ نے اب اپنے رفیق اعلیٰ سے ابدی ملاقات کو اپنے لئے مقرر فرمالیا ہے۔

❷ ...... آپ ﷺ کا خلیل تو آپ ﷺ کا رب تھا۔

بعض اس کے باپ زید کی سرداری پر بھی معترض تھے مگر وہ اس منصب کا مستحق تھا، اور اب اس کے بعد اس کا بیٹا مجھے محبوب ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حلال و حرام کی تمیز پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ ''حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، جسے اللہ نے حلال قرار دیا میں نے ہر وہ چیز تمہارے لئے حلال قرار دی ہے اور وہی چیز حضور اکرم ﷺ نے حرام کی ہے جو اللہ نے حرام کی ہے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری کا سلسلہ جاری رہا۔ آخری خطبہ جمعرات کو دیا گیا۔ اس دوران بخار کی شدت کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپؐ چہرۂ اقدس کو چادر سے لپیٹ لیتے اور کبھی چادر کو ہٹا دیتے۔ اسی کرب کے عالم میں یاد آیا کہ چند اشرفیاں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس رکھی ہیں۔ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ وہ اشرفیاں اللہ کے راستے میں خیرات کر دی جائیں۔ دوشنبہ کی صبح جب جماعت مومنین، حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت میں نماز فجر ادا کر رہی تھی تو تلاوت صدیقی سنتے ہوئے آپ ﷺ نے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر یہ منظر دیکھا۔ یہ وہ سحر تھی جو آپ ﷺ کے پیغام نے کائنات میں تخلیق کی تھی، وہ سحر جس سے شبستان وجود لرزتا ہے۔ وہ سحر جس کا دامن، دامن ابد سے بندھا ہوا ہے۔ اس منظر نے چہرۂ اقدس پر نفس مطمئنہ اور کامیابی و کامگاری کے ہزاروں رنگ بکھیر دیئے۔ آپ ﷺ نے اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا کہ نماز جو آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، اب جماعت مومنین کی شناخت بن چکی تھی اور جماعت اپنے سجدوں میں اپنی معراج پا چکی تھی۔ دن چڑھنے لگا، سورج آسمان پر سفر کرنے لگا۔ آپ ﷺ کے ہونٹوں پر وصیت اور نصیحت کے کلمے جاری تھے۔ آپ ﷺ نے بار بار کہا۔ ''نماز کا خیال رکھنا اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔'' ایک طرف امت کا یہ خیال تھا اور دوسری طرف اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کا شوق بڑھ رہا تھا۔ اور بار بار زبان مبارک پر یہ کلمات آتے۔

اللّٰھم فی الرفیق الاعلیٰ

سب سے بڑے رفیق کے پاس

اب سرور کائنات ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لئے بے چین تھے۔ وہ رفیق اعلیٰ جس نے شب معراج آپ ﷺ کو طرح طرح سے سرفراز فرمایا تھا، جس نے ہجرت کے سفر میں آپ

ﷺ کی رفاقت فرمائی تھی، جس حیات مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر لمحے کو آیت کبریٰ بنا دیا تھا۔

اور جب سورج مغرب کی طرف سفر کرنے لگا اور سہ پہر کی گھڑی آ گئی تو یہ الفاظ پھر ادا ہوئے۔ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم (نماز اور غلام) اور پھر تین مرتبہ فرمایا بل الرفیق اعلیٰ (اور اب کوئی نہیں سوائے رفیق اعلیٰ کے) اور ان کلمات کے ساتھ ﷺ رسالت، ہماری شفاعت کی نوید اور انسان و رب کائنات کے درمیان رفاقت کی سند بن کر عالم جاوید کے سفر پر روانہ ہو گئی۔

وہ دوشنبہ کا دن تھا اور ربیع الاول ۱۱ھ کی بارھویں تاریخ تھی جب یہ کرۂ خاکی اس ذات گرامی کے نظارے سے محروم ہو گیا جسے اس کے رب نے سراج منیر بنا کر بھیجا تھا، وہ جو اپنے رب کے حکم سے داعی الی اللہ تھا، وہ جو اہل ایمان کے لئے بشیر تھا اور راہ ضلالت پر چلنے والوں کے لئے نذیر تھا وہ جسے مزمل کہہ کر پکارا گیا، وہ جسے مدثر کہہ کر خطاب کیا گیا۔ وہ جو کتاب اور حکمت کے ساتھ بھیجا گیا۔ لاکھوں سلام اس پر اور کروڑوں درود اس ذات گرامی پر جو آج بھی ہر اہل ایمان کے دل کی دھڑکن ہے، جس کا نام ہماری اذانوں اور ہماری نمازوں میں اللہ کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے، وہ دوزخ اور جنت اور آسمانوں کا شاہد تھا اور یوں قرآن حکیم کے ارشادات کی روح سے حیات ابدی جس کا حق اور امتیاز ہے کیونکہ شہید زندہ رہتے ہیں اور وہ تو سب سے بڑا شہید تھا۔

وہ رسول کہ آج بھی جس کے روضۂ اقدس پر ہر دن لاکھوں اہل ایمان جمع ہوتے ہیں اور اپنی روح کے ساز پر یہ نغمہ فرشتوں کی ہم نوائی میں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

## سلام و درود سید الکریم ﷺ پر

اے رسول عظیم ﷺ! اے رؤف و رحیم۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں

”اے وہ کہ تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اور اللہ کا آخری پیغام بر۔ اللہ اور فرشتوں کے سلام کے ساتھ ہم بھی شریک ہیں

اے نور عرش!

اے خیر خلق اللہ!

اے رحمۃ للعالمین ﷺ! تجھ پر لاکھوں سلام

اے یٰسین! اے طٰہٰ۔ اے بشیر۔ اے سراج منیر

ہمیں مایوس نہ فرمانا قیامت کے دن تیرے علم کا سایہ ہمارے سروں پر ہو۔"



تمّ بحمد اللہ